ورفعنا لك ذكرك
محمد
رسول الله
المرشد الامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡلَکُمۡ

ذُنُوۡبَکُمۡ ط وَاللّٰہُ غَفُوۡرُ الرَّحِیۡمٌ

المرشد الامین

حجۃ السلام امام محمّد غزالیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف احیاء العلوم کا مکمل خلاصہ

مصنف کے اپنے قلم کا شاہکار

طالبِ دُعا

شیخ ذوالفقار علی مجدّدی

شعبہ اشاعت

دارُالحفیظ لاہور

نام کتاب: المرشد الامین

مصنف: حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: احمد شکیل احسن

۲۰۱۵ء

سال اشاعت

پیشکش

شعبہ اشاعت دارُالحفیظ ۶/۱۰، ہما بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

Ph: 042-37802177, 0300-4418041, 0304-4418041

دارُالحفیظ، مکہ سٹی، چوک مچھلی فارم، ستیانہ روڈ، فیصل آباد

0300-4418041, 0304-4418041

info@darulhafeez.org

فہرست

وجہ تصنیف ''المرشد الامین''

بقلم حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ایک سفر کے دوران مجھے احساس ہوا کہ اپنی تصنیف ''احیاءُ العلوم'' کو سفر میں لے جانا اور ساتھ رکھنا مشکل معلوم ہو رہا ہے لہٰذا اس کی تخلیص کر دینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اپنی کتاب احیاء العلوم کا خلاصہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ الحمدللہ اب یہ خلاصہ ''المرشد الامین'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے جو چالیس ابواب پر مشتمل ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّے عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

باب ۱

فضیلت علم، تعلیم و تعلّم

فضیلتِ علم کے بارے میں قرآنِ پاک میں بہت سی آیات ہیں۔ مثلاً

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کو درجات عطا فرماتا ہے۔

(المجادلہ:۱۱)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے عام مسلمانوں پر علماء کو سات سو درجہ فوقیت ہے اور ہر درجہ کے درمیان فرق پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: فرما دیجئے کیا عالم و جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر:۹)

نیز فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ ط

ترجمہ: بے شک علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں (فاطر:۲۸)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ

ترجمہ: یہ مثال ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں اہلِ علم ہی سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْعُلَمَاءُ وَرَاثَتُ الْاَنْبِیَاءِ

ترجمہ: علما انبیاء کے وارث ہیں۔

نیز فرمایا:

اچھا آدمی وہ ذی علم مومن ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے اور اگر اسے کسی سے غرض نہ ہو تو لوگوں سے مستغنی رہے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''ایمان برہنہ ہے، اس کا لباس پرہیزگاری ہے، اس کی زینت حیاء اور اس کا حاصل عمل ہے۔''

فرمان نبوی ہے:

''درجہ نبوّت سے قریب تر علم والے اور جہاد کرنے والے ہیں۔ اہل علم اس لیے کہ وہ لوگوں کو پیغام رسالت پہنچاتے ہیں اور اہل جہاد اس کے لئے کہ رسول کے پیغام کی اپنی تلواروں سے حفاظت کرتے ہیں۔''

فرماتے ہیں: صاحب علم اللہ کی طرف سے زمین پر صاحب امانت ہے۔

نیز فرمایا: روز حشر میں انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء شفاعت کریں گے۔ حضرت فتح موصلیؒ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی مریض کو کھانا پینا نہ دیا جائے اور دوا بھی بند کر دی جائے تو کیا وہ مرنہ جائے گا؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا یہی حال دل کا ہے اگر مسلسل تین دن تک اسے علم و حکمت سے روک دیا جائے تو وہ مرجاتا ہے۔

یہ بات سچ ہے کیونکہ دل کی غذا علم وحکمت ہے اور جسم کی غذا کھانا پینا۔ جس نے علم کو کھو دیا اس کے دل کی موت لازمی ہے۔ اگر چہ اسے اس بات کا احساس ہی نہ ہو۔ مشاغل دنیوی کی وجہ سے انسان کو دل کی موت کا احساس نہیں ہوتا۔ البتہ جب مرجائے گا اور مشاغل دنیوی کا حجاب اٹھ جائے گا تو اسے احساس اور غم ہوگا۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔

اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَامَاتُوْا اِنْتَبَھُوْا

''لوگ سورہے ہیں، جب مرجائیں گے تو بیدار ہوں گے۔''

طلب علم

طلب علم کی فضیلت کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ طالب علم کے لیے راستہ میں فرشتے اپنے بازو بچھاتے ہیں۔ سو رکعت نفل نماز پڑھنے سے علم کا ایک باب پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں جو شخص طلب علم کو جہاد نہیں سمجھتا اس کی عقل ناقص ہے۔

فضیلت تعلیم

علم سکھانے کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَاِذْاَخَذَاللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَاتَکْتُمُوْنَہٗ

ترجمہ: جب اللہ تعالی نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ وہ لوگوں کو پڑھائیں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔ (آل عمران: ۱۸۷)

اس آیت کی تلاوت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو بھی اللہ نے علم عطا فرمایا ہے یہ اس کے لئے عہد ہے کہ علم کو چھپائے گا نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص کو تمھارے ذریعہ ہدایت نصیب فرمادے تو یہ تمھارے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اگر کسی شخص نے کوئی حدیث روایت کی تو راوی کو عمل کرنیوالے کے برابر ثواب ملے گا۔

معاذ بن جبلؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

علم حاصل کرو خالصتاً اللہ کے لئے۔ علم حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے۔ علم سے مشغولیت تسبیح ہے۔ بحث ومباحثہ جہاد ہے۔ علم سکھانا صدقہ ہے۔ کسی اہلیت رکھنے والے کو تعلیم دینا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ علم تنہائی کا رفیق، اکیلے کا ساتھی، وسعت ونکبت میں رہنما، غم خوار دوست، بہترین ہم نشین اور جنت کی راہ کے لئے روشن ستارہ ہے۔ اللہ علم ہی کے ذریعہ قوموں کو سر بلندی عطا فرماتا اور بھلائیوں میں رہبری کرتا ہے۔ لوگ اہل علم کی پیروی کرتے ہیں۔ فرشتے اپنے پروں سے ان کے دامن کی گرد جھاڑتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز کے لئے دعا مغفرت کرتی ہے حتٰی کے دریا کی مچھلیاں کیڑے، چوپائے، درندے اور آسمانوں کے ستارے بھی۔ کیونکہ علم دلوں کے زندگی ہے اور اندھے پن اور تاریکی کے مقابلہ میں آنکھوں کے بینائی ہے، جسم کی توانائی ہے۔ بندہ علم کے ذریعہ ابرار ومقربین کے اعلےٰ درجات تک پہنچتا ہے۔ علم میں غور وخوض روزے کے برابر ہے اور اس کا شغل نفل نمازوں کے مساوی ہے۔ علم ہی سے اللہ کی اطاعت وعبادت کی جاتی ہے اور اسی سے توحید اور زہد وورع کے مقامات کھلتے ہیں۔ اسی سے اہل قرابت کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ علم ایک رہبر اور عمل اس کا تابع ہے۔ علم خوش قسمت ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ بدبخت اس سے محروم رہتا ہے۔

عقلی اعتبار سے بھی علم کی فضیلت ثابت ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے ابدی سعادت ولذت سرمدی ملتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ علم ایک ایسی نعمت ہے جس سے دنیا کی عزت اور عقبیٰ کی سعادت ملتی ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ عالم انسان تہذیب واخلاق سے سعادت ابدی کی زراعت نہ صرف

اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے کرتا ہے۔ لوگوں کے اخلاق کو درست کرتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ انھیں اللہ سے قریب لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

''اے نبی! آپ انھیں رب کی راہ کی طرف حکمت وموعظت حسنہ سے بلایئے اور خوبی کیساتھ بحث ومباحثہ کیجئے'' (النحل:۱۲۵)

عالم انسان، خواص کو حکمت سے، عوام کو نصیحت سے اور مخالفوں کو مجادلہ حسنہ سے اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ خود بھی نجات پاتا ہے اور دوسروں کو بھی نجات دلاتا ہے۔ یہی انسان کا کمال ہے۔

فرض عین وفرض کفایہ علم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ ہر بالغ مسلمان پر اتنا علم حاصل کرنا واجب ہے کہ کلمہ شہادت کو معنیٰ کے ساتھ پوری طرح سمجھے۔ یہ واجب نہیں کہ اس کے دلائل وغیرہ کو پوری طرح جانے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ بغیر شک وشبہ کے اعتقاد کامل رکھے۔ خواہ یہ اعتقاد تقلیدی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ عرب کے بدّوؤں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہی عمل تھا۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ احکامِ خُداوندی کو جانے۔ جیسے نماز کیا حکام بالغ ہونے سے پہلے جان لے، اسی طرح روزے کے احکام اور اگر مال دار ہے تو زکوٰۃ کیا حکام سیکھ لے۔ مطلب یہ کہ جن جن احکامات کا اس سے تعلق ہوتا جائے ان کا علم حاصل کرتا جائے۔ حج سے پہلے حج کے احکام، زکوٰۃ سے پہلے زکوٰۃ کے احکام اور جس چیز کی ادائیگی اس پر فرض یا واجب نہیں اس کے احکامات جاننے کی ضرورت نہیں۔ وقتاً فوقتاً اوامر ونواہی کا علم حاصل کرتا رہے۔ اگر کبھی کسی وقت اعتقاد میں شک لاحق ہو جائے تو ضروری ہے کہ شک دور کرنے کے لئے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ غور وفکر سے کام لے اور اتنا علم ضرور حاصل کرے جس سے اس شک سے نجات حاصل ہو سکے اور بلند مراتب حاصل کر سکے۔ اتنا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور اس کے علاوہ سارے علوم فرض کفایہ ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لو

علوم سارے کے سارے ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ وہ جن سے آخرت کا علم حاصل ہوتا ہے وہ

اعلیٰ وارفع ہیں۔ اسی لئے علوم شرعیہ دوسرے علوم سے افضل ہیں۔ جو علوم حقائق شرعیہ کو واضح کرتے ہیں وہ ان علوم سے بلند تر ہیں جن سے ظاہری احکام کا علم ہوتا ہے۔ جیسے ایک فقیہ اعمال کے ظاہر پر حکم لگاتا ہے مگر صوفیہ کے علوم یہ بتا دیتے ہیں کہ عبادت مقبول ہوئی یا مردود۔ ہم آگے چل کر ان کا بیان کریں گے۔

ائمہ مذاہب، علم فقہ وعلم حقیقت دونوں کے ماہر تھے۔ ان لوگوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے اعتبار سے بہت بلند تھے۔ دین میں علم وحکمت کے حوالے سے پانچ امام ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام سفیان ثوری زہد وعبادت وعلمِ حقیقت میں اسی طرح یگانہ تھے جیسے علوم فقہیہ میں۔ انھوں نے سوائے رضائے الٰہی کے اور کچھ نہیں چاہا۔ ان میں پانچ خصوصیات تھیں۔ عبادت، زہد، حقیقت شرعیہ کا علم، تفقہ اور خلوصِ نیت۔

ان کے بعد میں آنے والے فقہاء نے ان پانچ خصوصیات میں سے کسی ایک کی اتباع کی۔ یعنی فقہی جزئیات کی نشر واشاعت میں ان کی پیروی کی۔ کیونکہ یہ خصوصیت دنیا وآخرت دونوں میں کارآمد تھی جبکہ باقی چار تو صرف آخرت ہی میں کارآمد ہو سکتی ہیں۔ میں ان بزرگوں کی باقی چار خصوصیتوں کا مختصراً ذکر کئے دیتا ہوں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عبادت گزار تھے۔ انہوں نے رات کو تین حصّوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ایک حصّہ علم کیلئے، ایک نفل نماز کے واسطے اور ایک آرام کی خاطر۔ ربیع بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں امام شافعیؒ نماز میں ساٹھ دفعہ قرآن مکمل کیا کرتے تھے اور ان کے ایک ساتھی بویطی ہر رات ایک ختم کرتے تھے۔ حسین کرابیسی کہتے ہیں مجھے امام شافعی کے ساتھ رات بسر کرنے کا بارہا اتفاق ہوا، وہ تقریباً ایک تہائی رات نماز پڑھتے جن میں صرف پچاس یا زیادہ سے زیادہ سو آیتیں پڑھتے، جب کوئی آیت رحمت آتی تو اپنے اور تمام مسلمانوں کے لئے طلب رحمت فرماتے اور آیت عذاب آتی تو اپنے اور سارے مومنوں کیلئے نجات کی دعا مانگتے۔ صرف پچاس آیتیں پڑھنا اس امر پر دلیل ہے کہ انہیں اسرار قرآن پر عبور تھا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے سولہ سال سے کبھی شکم سیر کھانا نہیں کھایا کیونکہ اس سے جسم بھاری ہو جاتا ہے، سنگ دلی پیدا ہو جاتی ہے اور ذہانت کم ہو جاتی ہے، نیند زیادہ آتی ہے اور عبادت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ میں نے کبھی سچی یا جھوٹی قسم نہیں کھائی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ سے کسی نے

کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ خاموش رہے، لوگوں نے پوچھا کیا آپ جواب دینا نہیں چاہتے؟ فرمایا میں یہ سوچ رہا تھا کہ خاموشی بہتر ہے یا جواب۔ احمد یحییٰؒ کہتے ہیں: ہم ایک دن سوقِ قنادیل میں امام شافعیؒ کے ساتھ گئے۔ وہاں کوئی شخص کسی عالم کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح تم لوگ اپنی زبانوں کو بُری باتوں سے محفوظ رکھتے ہو کانوں کی بھی حفاظت کرو، کیونکہ سننے والے بھی بولنے والے کے شریک ہوتے ہیں۔ یہ کمینے لوگ سب سے بُری چیز اپنے پاس سے نکال کر تمہاری طرف پھینک رہے ہیں۔ اگر بری باتیں واپس کی جاسکتیں تو واپس کرنے والا اتنا ہی خوش قسمت ہوتا جتنا بولنے والا بدقسمت ہے۔

آپ فرماتے ہیں، ایک دانا نے ایک دانا کو لکھا کہ تمہیں علم دیا گیا ہے، اسے گناہوں کی سیاہی سے آلودہ نہ کرو ورنہ جس روز علم والے علم کی روشنی میں چل رہے ہوں گے تم سیاہی میں پڑے ہوگے۔

آپ کا زہد وتقویٰ مشہور تھا۔ فرماتے ہیں جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے دنیا اور خدا دونوں سے محبت ہے وہ جھوٹا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار جارہے تھے کہ چابک ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ کسی نے اٹھا کر دے دیا تو آپ نے اسے پچاس دینار دیئے۔ آپ کی سخاوت کا بڑا شہرہ تھا۔

اللہ تعالیٰ سے وہ کس قدر ڈرتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے حضرت سفیان عیینہؒ کو حدیث روایت کرتے دیکھا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ لوگوں نے کہا آپ انتقال فرماگئے۔ حضرت سفیانؒ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو آج اس دور کا سب سے بڑا عالم وفات پاگیا۔

ایک دفعہ یوم لا ینطقون والی آیت جو قیامت کے بارے میں ہے کہ لوگ اس کے ہول بول نہ سکیں گے تلاوت کی گئی تو آپ کا رنگ زرد پڑ گیا، جسم پر رعشہ طاری ہوگیا۔ بالآخر بیہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو یوں دعا فرمانے لگے:

''اے خدا میں جھوٹوں کے مقام اور غافلوں کے اعراض سے پناہ مانگتا ہوں۔ تیرے حضور میں عارفوں کے دل جھکتے ہیں اور تیری ہیبت کے سامنے اہل شوق کی پیشانیاں ٹکتی ہیں۔ اے خدا مجھے اپنی عطا سے حصّہ دے، سایۂ رحمت میں جگہ دے، میری مدد فرما اور میری کوتاہیوں کو اپنے کرم سے معاف فرمادے''۔ آپ قلب اور اسرار و احوال قلب سے کس قدر آگاہ تھے، اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ریا کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا یہ ایک فتنہ ہے جس نے علماء کے دلوں

کی آنکھوں کو اندھا کردیا ہے۔ یہ لوگ نفسانی خواہشات کے تحت دیکھتے ہیں۔ اس طرح ریا سے ان کے اعمال جل جاتے ہیں۔

آپ کا قول ہے جب کبھی غرور وتکبّر کی کیفیت کا احساس کرو تو فوراً خیال دوڑاؤ کہ تم کس کی رضا کے طالب ہو، کن کن نعمتوں کی تمنا رکھتے ہو، کون سے ایسے اعمال ہیں جن کی سزا سے بچنا چاہتے ہو، کون کون سی عافیتیں ہیں جن کے شکرگزار ہو اور کیا کیا مصیبتیں ہیں جن کی یاد تمہیں ستارہی ہے۔

فقہ اور مناظرہ سے آپ کا مقصد شہرت یا عزت حاصل کرنا نہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس علم سے مستفید ہوں اور میری طرف سے اس میں سے کچھ بھی منسوب نہ کیا جائے۔

آپ کا قول ہے: میں نے مناظرہ میں کبھی یہ نہیں چاہا کہ فریق مخالف غلطی کرے بلکہ ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ وہ صحیح بات کہئے اور عنایت خداوندی کا مستحق ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے زبان سے ورنہ میری زبان سے سچائی کا اظہار کرادے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں میں ہر نماز کے بعد چالیس سال سے امام شافعیؒ کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

حضرت امام مالکؒ میں بھی مندرجہ بالا پانچوں خصوصیتیں بدرجہ کمال موجود تھیں۔ ایک دفعہ کسی نے آپ سے علم کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ حسن و جمال ہے جو ہر دم تمھارے ساتھ ہے، تم بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے چالیس سوال کئے گئے جن میں بتیس کے بارے میں آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ ایسا محتاط آدمی کہاں ملے گا۔ ان کا زہد وتقویٰ اور خوف خدا اس قدر مشہور اور معروف ہے کہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

یہ پانچوں خصوصیتیں امام اعظمؒ میں کس حد تک تھیں اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ آدھی رات عبادت کیا کرتے تھے۔ کسی کو کہتے سنا کہ وہ آپ کے بارے میں کہہ رہا ہے یہ ساری رات عبادت کرتے ہیں۔ اس دن سے ساری رات عبادت کرنے لگے۔ فرمانے لگے مجھے شرم آتی ہے کہ لوگ میری طرف ایسی بات منسوب کریں جو مجھ میں نہ ہو۔ یہی حال امام احمد بن حنبلؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا تھا۔ ان کا زہد وتقویٰ اور خوف خدا محتاج بیان نہیں۔ ہماری اس کتاب میں کہیں ایسی روایتیں آئیں گی جن سے ان بزرگوں کے حالات پر روشنی پڑے گی۔ اس دور میں لوگ ان پانچوں کی پیروی کے دعویدار ہیں۔ انہیں دیکھو کہ وہ کس حد تک اپنے دعوؤں میں سچے ہیں۔

ہر علم قابل تعریف نہیں ہے

جادو، طلسم، نجوم اور فلسفہ وغیرہ قابل تعریف علوم نہیں ہیں کیونکہ جادو سے مختلف قسم کے نقصانات پہنچتے ہیں۔ علم نجوم کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے فرماتے ہیں۔ نجوم کا ذکر ہو تو خاموش رہو۔ آپ نے ایسا اس لیے فرمایا ہے کہ انسان معاملات کو ظاہری اسباب کی طرف منسوب کرتا ہے جو صرف واسطہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ کہ لوگ مسبب الاسباب کو چھوڑ کر ستاروں کو کارساز سمجھ بیٹھیں۔ فلسفہ خلاف شروع مسائل تک پہنچتا ہے۔ البتہ علم ریاضی سے انکار نہیں کیا جاسکتا لہٰذا بقدر و ضرورت سیکھ لو۔ زیادہ کی طرف التفات نہ کرو۔ اسی طرح علم طبیعہ میں سے، طب و ہیئت میں سے منازل و دلائل قبلہ کی معرفت کافی ہے۔

آداب معلم و متعلّم

طالب علم کے آداب وفرائض بہت سے ہیں جنہیں ہم سات کلیات میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ بُرے اخلاق وعادات ترک کردے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔''

اس سے صرف کپڑوں ہی کا صفائی مراد نہیں ہے دل کی صفائی بھی مقصود ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

''مشرک نجس ہیں۔'' (التوبہ:۲۸)

اس آیت میں واضح ہے کہ نجاست صرف کپڑوں ہی میں نہیں ہوتی۔ جب تک کسی شخص کا باطن پاک نہ ہو وہ ایسا علم قبول نہیں کرسکے گا جو دین میں نفع بخشے۔ ایسا شخص علم کی روشنی سے فائدہ نہیں حاصل کرسکتا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: علم کثرت روایت کا نام نہیں، وہ تو ایک نور ہے جو دل کو روشن کرتا ہے۔

بعض محققین کا قول ہے: ہم نے اللہ کو چھوڑ کر علم حاصل کیا تھا مگر علم نے رب کے علاوہ کسی دوسرے سے رشتہ جوڑنے سے انکار کردیا۔ مطلب یہ کہ علم تو ہمیں نہیں ملا البتہ الفاظ وعبارت مل گئی،

حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکی۔

۲۔ تعلقات کو مختصر رکھے اور اپنے وطن سے دور رہے تاکہ حصول علم کے لئے فرصت مل سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ علم اس وقت تک اپنا جزو نہیں دیتا جب تک تم اسے اپنا کل نہ دے دو۔

۳۔ تحصیل علم کے لئے تکبر کو راہ نہ دے۔ اپنے استاد کے ساتھ حاکمانہ انداز اختیار نہ کرے بلکہ جس طرح مریض خود کو طبیب کے حوالے کردیتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو اپنے معلّم کے حوالے کردے۔ استاد سے کسی خاص علم کی تحصیل کے لئے تحکمانہ لہجہ اختیار نہ کرے بلکہ اس کی خدمت میں لگا رہے۔ روایت ہے کی ایک دفعہ زید بن ثابتؓ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد روانہ ہونے لگے تو ان کے لے سواری لائی گئی۔ ابن عباسؓ نے بڑھ کر رکاب تھام لیا تو حضرت زیدؓ نے فرمایا آپ رسول خدا ﷺ کے بھائی ہیں ایسا نہ کریں۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ ہمیں علماء اور بزرگوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے۔ حضرت زیدؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا ہاتھ چوم لیا اور کہا کہ ہمیں بھی اہل بیت کیساتھ اسی طرح برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ مومن کے اخلاق میں خوشامد کو راہ نہیں البتہ طلب علم کے لئے جائز ہے۔

۴۔ علماء کے اختلافات کی طرف التفات نہ کرے کیونکہ اس سے دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔ ابتدائے کار میں تو تعطل اور بے توجہی پیدا ہو جاتی ہے۔ مبتدی کے لئے منتہی کی اقتداء مفید نہیں۔ اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے جس نے ہم سے ابتدائی دور میں ملاقات کی وہ ہمارا دوست بن گیا اور جن نے انتہائی دور میں ملاقات کی وہ گم راہ ہوگیا۔ وجہ سے ہے کی انتہائی عمر میں انسان کے اعضاء سست پڑ جاتے ہیں لہٰذا بزرگوں نے فرائض کی ادائیگی پر کفایت کی اور نوافل کی جگہ سیر روحانی نے لے لی لہٰذا انہیں حضور قلب حاصل ہوگیا۔ عام لوگ سمجھے کہ وہ تعطل میں پڑ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

''تم پہاڑوں کو خیال کرو گے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں دواں ہیں۔'' (النمل:۸۸)

۵۔ محمود علوم کے ہر فن پر غور کرے تاکہ ان کا صحیح مقصد معلوم ہو جائے۔ پھر اگر زندگی میں وقت

ملے تو ان سب کو حاصل کرلے ورنہ اہم فنون کو اختیار کرلے۔ سارے فنون سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی اہم کا انتخاب ہوسکتا ہے۔

۶۔ ساری توجہ اہم علوم کی طرف رکھے۔ سب سے زیادہ اہم علم آخرت کا علم ہے۔ اس سے میری مراد معاملہ و مکاشفہ سے ہے۔ معاملہ سے اور مکاشفہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ معرفت ایک نورانی شعاع ہے جو ذکی القلب انسان کے دل پر عبادت ومجاہدہ کے بعد اللہ کی طرف سے پڑتی ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ایمان کے ایک حصہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایمان صدیقیؓ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: ''اگر تمام دنیا کے ایمان ایک پلے میں اور ابوبکرؓ کا دوسرے پلے میں رکھا جائے تو ابوبکرؓ کے ایمان کا پلّہ جھکا رہے گا۔ یہ ایک راز کی وجہ سے ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے سینے میں محفوظ ہے''۔ ایمان کا یہ مقام منطقی وعقلی دلائل سے نصیب نہیں ہو۔ تالوگ صوفیاء سے ایسی باتیں سنتے ہیں تو اسے لایعنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اس قسم کی حدیث ہوتے ہوئے لوگ کیا کیا کہتے ہیں۔ یہ اپنا ایمانی سرمایہ برباد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچ کر رہو۔ اس راز کے دریافت کی سعی کرو جو فقہا و متکلمین کی پہنچ سے بالا ہے سچی طلب تمہاری رسائی کرسکتی ہے۔ اچھی طرح جان لو کہ بہترین علم وہ ہے جس کا مقصد معرفت الٰہی ہو۔ یہ ایک بے کراں سمندر کی طرح ہے۔ اس کا بڑے سے بڑا مقام انبیاء اولیاء کے لئے ہے اور پھر ان لوگوں کے لئے جو اس مقام سے قریب ہوں۔

کہتے ہیں دو عبادت گزار حکماء کے ہاتھوں میں ایک ایک رقعہ تھا۔ پہلے میں لکھا تھا کہ اگر تم نے سب کچھ جان لیا ہے تب بھی یہ خیال نہ کرو کہ تم سب کچھ جان گئے ہو جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہ پہچان لو اور یہ نہ جان لو کہ وہی سبب الاسباب اور وہی موجد اشیاء ہے۔ دوسرے عابد کے ہاتھ میں جو رقعہ تھا اس میں لکھا تھا کہ مجھے معرفت خداوندی سے پہلے پیاس لگتی تھی اور میں پیا کرتا تھا۔ جب عرفان حاصل ہوگیا تو بغیر پیے سیراب ہوگیا۔

۷۔ تحصیل علم کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ خدا تک رسائی ہو۔ باطن کو اس طرح آراستہ کرے کہ ملائے اعلیٰ میں جگہ ملے۔ دنیوی جاہ مال لے لئے علم طلب نہیں نہ کرنا چاہیئے۔

استاد کے فرائض

مرشد معلم کو اس قول کا مصداق ہونا چاہیے، ''جس نے تحصیل علم کی اور عمل کیا عالم ملکوت میں صاحب عظمت کا لقب پایا''۔

استاد کو سوئی کی طرح نہ ہونا چاہیئے کہ دوسروں کی تن پوشی کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے اور نہ چراغ

کی بتی کی طرح کہ خود تو جلتی ہے مگر روشنی دوسروں کو مہیا کرتی ہے۔

صرت کانی ذبالۃ نصبت　　تضیئی للناس وھی تحترق

میں بتی کی طرح ہوگیا ہوں　　کہ لوگوں کو روشنی دیتی ہے اور خود جلتی ہے

جو شخص معلّمی کا پیشہ اختیار کرتا ہے وہ ایک بڑی بھاری ذمہ داری لیتا ہے اسے چاہیے کہ اس منصب کے فرائض وآداب کی پابندی کرے۔

پہلا فرض: طالب علموں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور شفقت کا برتاؤ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں'۔ استاد حقیقی باپ ہے کیونکہ باپ فانی زندگی کا سبب ہے اور استاد حیات باقی کا۔ یہی وجہ ہے استاد کا حق ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے۔ دنیا کے واسطے تعلیم دینا طالب علموں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اگر تعلیم اللہ کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ طالب علموں میں محبت اور رفاقت کا جذبہ پیدا ہو کیونکہ علماء اور آخرت کے متلاشی راہِ خدا کے مسافر ہیں اور ماہ وسال اس راہ کی منزلیں ہیں۔

جب دو مسافر ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے ہیں تو ان میں رفاقت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے تو جو لوگ اللہ اور جنت الفردوس کی طرف سفر کرنے والے ہوں گے ان میں کیسے محبت پیدا نہ ہوگی۔ وہ جنت جہاں عدم گنجائش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ طالب علموں میں مخالفت ومنافست کا جذبہ نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

مومن بھائی بھائی ہیں (الحجرات:۱۰)

دوسرا فرض: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا

ہم تم سے اس تعلیم پر نہ شکریہ چاہتے ہیں نہ صلہ (الدھر:۹)

استاد کو چاہیے کہ تعلیم کی کوئی اجرت نہ لے کیونکہ اگر استاد کا طالب علموں پر یہ احسان ہے کہ انہیں علم وایمان کی تعلیم دی تو طالب علموں کا بھی معلم پر یہ احسان ہے کہ ان کی وجہ سے استاد کو قرب الٰہی میسر آیا اور اس سے ایک بڑی نیکی کا عمل صادر ہوا۔

تیسرا فرض: نصیحت کا کوئی حصہ بعد کے لئے اٹھا نہ رکھے۔ جیسے کسی مرتبہ سے طالب علموں کو قبل از استحقاق روکنا یا علم جلی میں کمال سے پہلے علم خفی میں غور وخوض سے باز رکھنا۔

چوتھا فرض : طالب علموں کو بری باتوں سے صراحۃً نہیں اشارۃً روکے کیونکہ صراحت سے نصیحت کرنے سے شرم زائل ہو جاتی ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ خود اپنے اعمال کو درست رکھے پھر طالب علموں کو اس طرف دعوت دے ورنہ نصیحت بیکار جائے گی۔ اعمال کی پیروی اقوال کی اقتداء سے زیادہ بااثر ہوتی ہے۔

آفاتِ علم، عُلماءِ آخرت، عُلماءِ سوء

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم پر ہوگا جس کے علم سے خود اُسے فائدہ نہ پہنچا ہو“۔ نیز فرمایا: ”جس شخص کا علم زیادہ ہوا اور راست روی زیادہ نہ ہوئی اسے اللہ سے دوری زیادہ ہوتی جائے گی“۔

اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ تفکّر وتدبر کی وجہ سے صاحب علم ایک پر خطر مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہوتی ہیں یا سعادت ابدی یا ہلاکت دائمی۔

خلیل بن احمدؒ نے فرمایا کہ لوگ چار طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ جو شخص کچھ علم رکھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ عالم ہے، یہ درحقیقت عالم ہے اس کا اتباع کرو۔

۲۔ جو شخص کچھ علم رکھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ عالم ہے، وہ محو خواب ہے اسے جگاؤ۔

۳۔ جو شخص کچھ جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ نہیں جانتا یہ طالبِ ہدایت ہے، اسے علم سکھاؤ۔

۴۔ جو شخص کچھ نہیں جانتا ہے اور یہ بھی نہیں جانتا ہے کہ وہ نہیں جانتا، وہ جاہل ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔

علم عمل کو دستک دیتا ہے اگر عمل نے جواب دیا تو فبہا ورنہ علم رخصت ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰا اٰيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا

”سنا دو انہیں اس شخص کا حال جسے ہم نے اپنی آیات ونشانیاں دیں پھر وہ ان سے دور جا پڑا“ (الاعراف: ۱۷۵)

علمائے آخرت وہ ہیں جو آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی کمائی کے پیچھے نہیں پڑتے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا نہیں خریدتے۔ وہ جانتے ہیں کہ آخرت قیمتی ہے اور دنیا بے قیمت۔ جس شخص نے دنیا و

آخرت کے تضاد کو نہ پہنچانا وہ عالم نہیں ہو سکتا اور جس نے اس حقیقت سے انکار کیا اس نے ایک ایسی سچائی سے انکار کیا جس پر قرآن حدیث، آسمانی صحیفے اور تمام انبیاء کے اقوال شاہد ہیں اور جس نے یہ بات جانتے ہوئے عمل نہ کیا وہ شیطان کے ہاتھوں اسیر ہے۔ اسے خواہشات نفس نے ہلاک کر دیا اور بدقسمتی اس پر غالب ہے۔ جو کوئی ایسے عالم کی اقتداء کرے گا ہلاک ہوگا۔ ایسا شخص عالم کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔

حضرت داؤد علیہ اسلام کی مناجات میں ہے:

”کیا تمھیں معلوم ہے کہ جب کسی علم پر ہماری محبت کے مقابلہ میں خواہش نفس غالب آجاتی ہے تو ہم اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ اے داؤد! ہم اُسے اپنی ہمکلامی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اے داؤد! ہم سے کسی ایسے عالم کے لئے کبھی سوال نہ کرنا جسے دنیا کے نشہ نے سرشار کر رکھا ہو۔ وہ تجھے ہماری محبت سے روک دے گا۔ ایسے لوگ ہمارے بندوں کے لئے رہزن ہیں۔ اے داؤد! جب تم کسی کو علم کی طلب میں مشغول دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ۔ جو کوئی دوڑ کر میری طرف آتا ہے میں اسے شہیدوں میں لکھ دیتا ہوں اور اسے ہرگز جہنم کا عذاب نہیں دیتا“۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، ”علماء کی سزا دل کی موت ہے اور دل کی موت آخرت کے اعمال کے ذریعہ دنیا کی طلب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے“

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔ ”جب کسی عالم کو محبت دنیا میں مبتلا دیکھو تو اپنے دین کے بارے میں اُسے وہمی ہی سمجھو کیونکہ ہر شخص اسی بات پر غور کرتا ہے جس سے اُسے محبت ہوتی ہے“۔

یحییٰ بن معاذ رازیؒ علمائے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اے علم والو! تمہارے محل قیصری ہیں، تمہارے مکان کسروی، تمہارے دروازے ظاہری، تمہارے جوتے جالوتی، تمھاری سواریاں قارونی، تمہارے برتن فرعونی، تمہارے تعویذ جاہلی اور تمہارے مذہب شیطانی ہیں۔ کہاں تم، کہاں شریعت محمدیہ ﷺ۔

وراعی الشاۃ یحمی الذئب عنھا   فکیف اذاالرعاۃ لھا ذئاب

چرواہے بکریوں کو بھیڑیوں سے بچاتے ہیں اگر چرواہے، بھیڑیئے بن جائیں تو کیا ہوگا۔

اے علماء! اے نمک عالم، اگر نمک ہی خراب ہو جائے اس کی کون اصلاح کرے گا“۔

عقل وشرف عقل

عقل منبع علم ہے۔اس کے شرف پر یہ حدیث دلیل ہے: ''اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اور کہا سامنے آتو وہ سامنے آئی پھر کہا واپس جا تو وہ واپس ہوگئی فرمایا مجھے اپنے عزّت وجلال کی قسم میں نے تجھ سے بہتر کوئی چیز پیدا نہیں کی میں تیرے ہی ذریعہ لوں گا اور دوں گا۔ تیرے ہی واسطے سے جزاء سزا دوں گا''۔

رسول کریمؐ نے فرمایا ہے۔''میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا سیادت کی بنیاد کیا ہے؟ کہا عقل''۔

عقل کی حقیقت پوشیدہ ہے۔اس کے وسیلہ سے نظریات کا علم ہوتا ہے۔وہ نور باطن ہے جو ادراک کی استعداد مہیا کرتا ہے اور مختلف طبیعتوں میں مختلف درجہ پر ہوتا ہے۔

باب۲

عقائد

عقیدہ اہل سُنّت ، پہلا حکم:

اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،وہ بے مثل اور بے نظیر ہے،طاق ہے اس کا جفت نہیں ، یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں،قدیم ہے اس کی کوئی انتہا نہیں، ہمیشہ سے ہے اس کی کوئی ابتدا نہیں، ہمیشہ رہے گا اس کا کوئی آخر نہیں، قیوم ہے اس کا کوئی اختتام نہیں، دائم ہے اس کا کوئی اور چھور نہیں، ہمیشہ صفات جلال سے متصف رہیگا، نہ ختم ہوگا نہ انتہا ہوگی نہ اختتام کی گھڑی آئے گی وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر وہی باطن۔

تنزیّہ : وہ جسم نہیں کہ اس کی صورت ہو، جوہر نہیں کہ حد ومقدار ہو، نہ وہ پیائش وانقسام کو قبول کرتا ہے۔نہ جوہر ہے نہ جوہر اس میں حلول کرتے ہیں، نہ عرض ہے نہ عرض اس میں حلول کرسکتے ہیں،وہ کسی موجود کی طرح نہیں اور نہ کوئی چیز اس کی طرح ہے، پیائش کی حدود اُسے گھیر نہیں سکتیں، نہ اطراف وجہات اسے محیط ہوسکتی ہیں، نہ زمین آسمان کی وسعتیں اسے اپنے اندر سما سکتی ہیں۔وہ عرش پر اس طرح متمکن ہے جیسے اس نے کہا اور جو کچھ اس نے مراد لیا۔تماس، استقرار، تمکن، حلول اور انتقال کے ہر مفہوم سے بالا ہے۔عرش اُسے اٹھائے ہوئے نہیں ہے بلکہ عرش اور حاملین عرش اس کی قدرت سے قائم ہیں اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔وہ عرش کیا ہر چیز کے اوپر ہے۔نہ وہ عرش و فلک سے قریب تر ہے نہ زمین وتحت الثریٰ سے بعید تر ہے بلکہ عرش سے بلند وبالا ہے جس طرح کہ ثریٰ سے بلند ہے، اس کے باوجود ہر موجود سے قریب ہے، ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے۔اس کی قربت جسموں کی قربت کے مشابہ نہیں ہے جیسے اس کی ذات اجسام کی ذات کے مشابہ نہیں ہے۔وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا نہ کوئی شے اس میں حلول کرتی ہے۔زمان ومکان سے برتر ہے۔زمان ومکان اس کی حد بندی نہیں کرسکتے کیوں کہ وُہ زمان ومکان کے پیدا کرنے سے پہلے موجود تھا۔جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔

مخلوق جیسی صفات اس میں نہیں ہیں۔اس کی ذات میں اس کے سوا کوئی نہیں، نہ اس کی ذات کسی ماسوا میں ہے۔عوارضات،تغیرات اور انتقالات سے پاک ہے۔حوادث وعوارض اس پر طاری

نہیں ہوتے۔ ہمیشہ سے موصوف بہ صفت جلال ہے۔ زوال سے منزہ ہے۔ اپنی صفاتِ کمالیہ میں کسی تکمیل کا محتاج نہیں۔ عقل کے ذریعہ ہم نے اس کی ذات کو پہچانا اور آخرت میں اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ یہ اولیاء کے لیے اس کی عنایت ہوگی تا کہ اس کے دیدار سے تکمیلِ لذّت و نعمت ہو۔

حیات و قدرت

وہ حَی و قادر اور جبّار و قاہر ہے۔ کمی، عجز، نیند اور غفلت سے پاک ہے۔ اسے فنا اور موت نہیں ہے۔ اُسے مالکیت اور مالکانہ اقتدار حاصل ہے۔ وہ خالق و آمر ہے اور سارے آسمان اس کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خلق و اختراع میں یکتا ہے۔ ایجاد و ابداع میں یگانہ ہے۔ اس نے مخلوقات اور اعمال کو پیدا کیا۔ ان کی روزی مقرر کی۔ موت کا وقت معین کیا۔ اس کی قدرت کا شمار نہیں اور معلومات کا حدو حساب نہیں۔

علم

زمین کی پستی اور آسمان کی بلندی پر جو کچھ ہے سب پر اس کا علم احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ تاریک رات میں سیاہ چٹان پر کالی چونٹی کی چال تک کا علم رکھتا ہے۔ ذرّہ ذرّہ کی حرکت سے واقف ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بات بھی جانتا ہے۔ دلوں کے حال، خطراتِ قلب اور پوشیدہ اسرار سے آشنا ہے۔ اس کا علم قدیم اور ازلی ہے۔ ہمیشہ سے حاصل ہے اور بطور حدوث و حلول و انتقال حاصل نہیں ہوا۔

ارادہ

وہ صاحب ارادہ و تدبیر ہے۔ اس کے ملکیت نامہ میں کوئی قلیل و کثیر، صغیر و کبیر، شر و خیر، ضرو نفع، کفر و ایمان، انکار و عرفان، فوز و خسران، زیادتی و نقصان، طاعت و عصیان ایسا نہیں ہوسکتا جو اس کے ارادے، اس کی قضا، اس کی حکمت قدرت اور اس کی مشیت سے باہر ہو، اسکی مشیت کے بغیر پلک نہیں جھپک سکتی اور نہ دل دھڑک سکتا ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا اور دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کرسکتا اور نہ اس کے فیصلوں کو ملتوی کرسکتا ہے۔ کسی کو اسکی نافرمانی کی مجال نہیں اور نہ اطاعت سے کا یارا۔ جب تک اسکی مشیت اور توفیق شامل حال نہ ہو، اگر سارے جن و انس، ملائکہ و شیاطین متحد

ہو کر یہ چاہیں کہ ایک ذرہ کو حرکت دے دیں تو ایسا نہیں کر سکتے۔ اس کا ارادہ ہمیشہ سے اس کی صفات کی طرح اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ ازل سے صاحب ارادہ ہے جس چیز کیلئے اس نے جو ارادہ کرلیا وہ اپنے مقرر وقت پر ہوتی رہتی ہے اور ارادے میں تسلسل بغیر تقدم و تاخیر کے باقی رہتا ہے۔ اس نے سارے کاموں کی تدبیر کر رکھی ہے اور بغیر ترتیب افکار و ترتیب زمان کے کر رکھی ہے لہٰذا اسے ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔

سمع و بصر

وہ سمیع و بصیر ہے۔ سنتا اور دیکھتا ہے۔ ہلکی سے ہلکی آواز اور باریک سے باریک چیز کو سن لیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے۔ دوری و نزدیکی کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بغیر آنکھوں اور پلکوں کے دیکھتا ہے اور بغیر کانوں اور پردوں کے سنتا ہے۔ بغیر قلب کے علم رکھتا ہے بغیر ہاتھ کے پکڑتا ہے اور بغیر آلات کے بناتا ہے۔ اس کی صفات مخلوق کی سی صفات نہیں ہیں جیسے اس کی ذات مخلوق جیسی ذات نہیں ہے۔

کلام

وہ متکلم، آمر، مانع اور وعدہ وعید کرنے والا ہے۔ اس کا کلام ازلی و قدیم ہے جو اس کی ذات میں ہے۔ اس کا کلام مخلوق سا کلام نہیں۔ اس کی آواز ہوا اور جسموں کے ٹکراؤ سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے کلام میں وہ حروف نہیں جو ہونٹوں کے ملنے اور زبان کی حرکت سے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن، تورات، انجیل و زبور اللہ کا کلام ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل کیں۔ قرآن زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، اوراق پر لکھا جاتا ہے اور دلوں میں محفوظ رہتا ہے۔ اس کے باوجود یہ قدیم ہے اور ذات خداوندی میں قائم ہے۔ قابل افتراق و انفصال نہیں ہے، اگرچہ قلوب و اوراق میں منتقل ہوگیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے بغیر آواز و حروف کے اللہ کا کلام سنا ہے جیسے اولیاء اللہ بغیر جوہر و عرض کے ذاتِ خداوندی کو دیکھ لیتے ہیں۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی بعض صفات یہ ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام لہٰذا وہ ان صفات کی وجہ سے ہی عالم قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے، مجرد ذات نہیں ہے۔

افعال

اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ اس کے افعال نت نئے ہیں۔ پورے کمال و عدل و نظم کے

ساتھ نظامِ عالم کو چلا رہا ہے۔اس کے افعال حکیمانہ اور عادلانہ ہیں۔اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سب کچھ اس کی ملکیت ہے البتہ بندہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے لہٰذا ظلم ہو جاتا ہے۔ اسی نے بغیر کسی ساجھی کے سارے عالم کو وجود بخشا۔ جن و انس، ملائکہ و شیاطین، آسمان و زمین، حیوانات و نباتات، جمادات، جوہر و عرض، مدرک و محسوس ہر ایک کو اسی نے نیست و ہست کیا، ازل میں صرف وہی موجود تھا اور کوئی نہ تھا۔اس کے بعد اپنے ارادے کی تکمیل اور اظہار قدرت کے لیے پردۂ عدم سے سب کچھ پیدا کیا۔ایسا اس نے کسی ضرورت کی بناء پر نہیں کیا کیونکہ وہ ضرورت و احتیاج سے بالا ہے۔

وہ خلق و اختراع کرتا ہے مگر ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔انعام و اکرام کرتا ہے مگر اس پر ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔اگر وہ ساری مخلوق پر عذاب نازل کر دے تب بھی عدل ہی ہوگا ظلم نہ ہو گا۔وہ ہماری بندگی پر اپنے کرم سے ثواب عطا فرماتا ہے، یہ اس پر لازم نہیں ہے۔اپنے بندوں پر اس نے پیغمبروں کے ذریعہ جو طاعت لازم کی ہے وہ ان پر واجب ہے چاہے کسی کی عقل میں نہ آئے۔اس نے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے معجزات کو صداقت کی نشانی ٹھہرایا۔پیغمبروں نے اس کے اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید کو مخلوق تک پہنچا دیا۔مخلوق پر ان کی تصدیق لازم ہے۔یہ پہلے کلمہ لآ الٰہ الا اللہ کے معنی ہیں۔

دوسرا کلمہ: دوسرے کلمہ یعنی رسالت محمدیؐ کے اقرار کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امی نبی، ہادی برحق قریشی و ہاشمی کو اپنی رسالت دے کر سارے عرب و عجم اور جن و انس کے لیے بھیجا۔ان کی شریعت سے ساری پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور جن احکامات کو باقی رکھنا تھا باقی رکھا۔اللہ نے آپ کو سید البشر اور افضل الانبیاء قرار دیا ہے اور حکم دے دیا ہے کہ جب تک لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ رسالت محمدیؐ کا اقرار نہ کیا جائیگا ایمان کامل نہ ہو سکے گا۔مخلوق پر لازم کر دیا ہے کہ آپؐ دنیا و آخرت کے بارے میں جو کچھ بتائیں، اس کی تصدیق کرے۔

کسی انسان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر مابعد الموت پر ایمان نہ لائے ان سب میں سب سے پہلے نکیرین کا سوال ہے۔
منکر و نکیر دو ہیبت ناک فرشتے ہیں۔وہ قبر میں روح و جسم کے ساتھ ہر مردے کو سیدھی طرح بٹھا کر توحید و رسالت کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔ پوچھتے ہیں، تیرا پروردگار کون ہے؟ دین کیا ہے؟ نبی کون ہے؟ نکیرین، امتحانِ قبر اور ان کے سوال و جواب پر ایمان رکھنا چاہیے۔ایمان رکھنا

چاہیے کہ عذاب قبر برحق ہے اور حکمت و عدل پر مبنی ہے۔عذاب، جسم و روح پر ہوگا۔موت کے بعد زندہ کیا جائے گا اور پھر اٹھایا جائے گا جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔اسی طرح ہڈیوں کے چونا بن جانے کے بعد بھی دوبارہ پیدا کر دے گا اور مرنے سے پہلے جسم کی جو حالت تھی اسی طرح روح اس میں داخل کر دی جائے گی اور پوری شخصیت پھر سے پیدا ہو جائے گی۔

میزانِ عدل قائم ہوگی۔اس کے دونوں پلڑے اتنے بڑے ہوں گے جیسے زمین و آسمان۔اس میں اعمال تولے جائیں گے۔باٹ ذروں اور رائی کے برابر ہوں گے تاکہ پوری طرح تول ہو سکے۔ نیکیوں کے صحیفے نور کے پلڑے میں ڈالے جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک جو ان نیکیوں کی قدرت منزلت ہوگی اسکے مطابق پلڑا جھک جائے گا۔بدی کے صحیفے ظلمت کے پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہ عدل خداوندی کے موجب ہلکے پڑیں گے۔قیامت اور صراط پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صراط جہنم کے اوپر ایک پل ہے تلوار سے تیز اور بال سے باریک۔اس پر کافروں کے قدم ڈگمگائیں گے اور وہ جہنم کی راہ لیں گے مگر ایمان والے آسانی سے گزر کر جنت کی راہ لیں گے۔

ایمان رکھنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حوض ہے جس پر صراط سے گزر جانے اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے مومنین وارد ہوں گے۔جو بھی اس سے ایک بار پی لے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس حوض کی چوڑائی ایک ماہ کے مسافت کے برابر ہوگی اور اس کا شربت دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔اس کے اردگرد پیالے دھرے ہوں گے جو ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔اس حوض میں دو دھارے کوثر سے گرتے ہوں گے۔

ایمان رکھنا چاہیے کہ حساب لیا جائے گا۔کسی سے سخت، کسی سے نرم اور بعض لوگوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔اللہ جن پیغمبروں سے چاہے گا، تبلیغِ رسالت کے بارے میں سوال کرے گا اور جن کافروں سے چاہے گا، ان کی تکذیب کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔ اہل بدعت سے سنتوں کے چھوڑنے کے بارے میں سوال ہوگا اور اہل ایمان سے اعمال کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ایمان رکھنا چاہیے کہ ہر اہلِ ایمان سزا پانے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا اور کوئی بھی دوزخ میں باقی نہیں رہے گا۔

ایمان رکھنا چاہیے کہ انبیاء، علما، شہداء اور پھر سارے اہلِ ایمان حسب مرتبہ شفاعت کریں گے اور جو بھی ایمان والا اس کے بعد بھی جہنم میں رہ جائیگا، وہ اللہ کے فضل سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔جس کے دل میں ذرا بھی ایمان ہوگا جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

ایمان رکھنا چاہیے کہ رسول اللہؐ کے بعد سب سے افضل صدیق اکبرؓ ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمان غنیؓ اور

پھر علیؓ۔ سارے صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھے اور انکی تعریف کرے، جیسے کہ اللہ اور رسول نے ان کی تعریف کی ہے۔

یہ ساری باتیں حدیثوں سے ثابت ہوتی ہیں اور آثارِ صحابہ سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ جو شخص ان پر اعتقاد رکھے گا وہ اہل حق اور سنت کی اتباع کرنے والا ہوگا اور گم راہی سے دور رہے گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو ایمان وثباتِ دین عطا فرمائے۔ وہ ارحم الرحمین ہے۔

ارشاد کے مدارج: اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر بچہ ابتدائے عمر میں فطرت الٰہی پر ہوتا ہے۔ وہ ہر بات کو بغیر کسی دلیل کے قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا یہ مناسب ہے کہ اُسے عقائد سے آگاہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ تھوڑا تھوڑا یاد کرتا رہے گا اور دل میں جاگزیں کرتا رہے گا۔ اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ اہل عقل کو کبھی دلیل کی ضرورت پڑ جاتی ہے کہ کہیں اشکال پیدا ہو جاتا ہے تو اسے دفع کرنے کے لیے غور وخوض کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

علم کلام کے مسائل میں ابتدا ہی میں مشغول ہو جانا بُرا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دریا میں اک دم تیرنے کے خیال سے کود پڑے۔ ہوسکتا ہے کہ علم کلام کی بحثوں میں الجھ کر اپنے اعتقاد ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہاں امّت میں ایسے لوگ ضرور رہنے چاہئیں جو لوگوں کے شُبہات کو دور کر سکیں اور بدعتوں کا ازالہ کر سکیں۔

اسلام وایمان:۔ اسلام کے معنٰی یقین وتسلیم کے ہیں اور ایمان کے معنٰی دل سے قبول کرنے کے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ان دونوں کو ایک ہی معنٰی میں استعمال کیا گیا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ

ہم نے وہاں سے ایمان لانے والوں کو نکال لیا تو سوائے مسلمانوں کے ایک ایک گھر کے اور نہ پایا۔ (الذریٰت: ۳۵)

حالانکہ یہ صرف ایک ہی گھرانہ تھا، دوسری جگہ دونوں کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

بدّوؤں نے کہا ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے تم ابھی ایمان نہیں لائے، البتہ یہ کہو کہ مسلمان ہو گئے ہو۔ (الحجرات: ۱۴)

یعنی تمہیں یقین تو آ گیا مگر تمہیں پوری طرح اطمینانِ قلبی نصیب نہیں ہوا۔

باب ۳

اسرارِ طہارت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”وضو ایمان کا ایک جز ہے“ نیز فرمایا: ”دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے“۔ مزید فرمایا: ”نماز کی کنجی طہارت ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا

ان میں سے ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی سے محبت کرتے ہیں (التوبہ: ۱۰۸)

طہارت کے چار مرتبے ہیں:

۱۔ ظاہر کی پاکیزگی
۲۔ اعضاء کا گناہوں سے پاک ہونا
۳۔ قلب کا برائیوں سے پاک ہونا
۴۔ باطن کا ماسوا اللہ سے پاک ہونا

آخری درجہ انبیاء اور صدیقین کی طہارت کا ہے۔ طہارت اپنے ہر مرتبہ میں اس مرتبہ کے مطابق اعمال کا آدھا حصّہ ہوتی ہے اس لیے کہ ہر مرتبہ میں اپنے درجہ کے اعتبار سے صفائی اور تزئین ہے۔ یعنی کچھ چیزوں کا ترک اور کچھ کا اختیار کرنا ہے۔ اس طرح ترک نصف عمل ہے۔ لیکن اختیار یعنی تزین کا دارومدار بھی ترک یعنی صفائی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ

اللہ کہو اور پھر سب کو چھوڑ دو (الانعام: ۹۲)

اس آیت میں ”ذرھم“ سے ماسوا اللہ کے ترک کی طرف اشارہ ہے۔ قلب کی صفائی بھی ضروری ہے کہ برے اخلاق سے پاک ہو۔ اس کے بعد اسے اچھے اخلاق سے اسے مزیّن کیا جائے۔ اعضاء کے گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد طاعت سے ان کی زینت ہوگی۔ ان چاروں میں اسے ہر ایک اپنے بعد والے مرتبے کے لئے شرط کی مانند ہے۔ دوسرے الفاظ میں پہلے طہارت ظاہری، پھر طہارت روحانی، پھر طہارت قلبی اور پھر طہارتِ باطنی نصیب ہوگی۔

دل میں یہ خیال نہ آئے کہ طہارت سے مراد صرف ظاہری طہارت ہے ورنہ مقصد ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ صرف آرزو کرنے سے کام بن جائے گا اور تن آسانی و سہل انگاری سے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اگر ساری عمر کی جدوجہد سے بھی صحیح طہارت کا ایک حصہ تمہیں مل جائے اور یہ بھی بڑی کامیابی ہے۔

طہارت ظاہر

ظاہری طہارت پہلے استنجاء پھر وضو، غسل و تیمم سے حاصل ہوتی ہے لہذا پہلے ہم طہارت ظاہری کے آداب وسنت بیان کریں گے۔ قضائے حاجت سے ابتدا کریں گے کیونکہ اس کے بعد وضو ضروری ہو جاتا ہے۔

قضائے حاجت کے آداب

اگر کھلے میدان میں جانا پڑے تو لوگوں کی نظروں سے دور چلے جاؤ اور اگر آڑ مل سکے تو کسی چیز کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ کپڑوں کو اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ ٹھیک مقام پر نہ پہنچ جاؤ۔ قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرو، چاند یا سورج کا سامنا نہ کرو البتہ کسی بیت الخلا کے اندر ہو تو مجبوری ہے مگر وہاں بھی اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ٹھہرے پانی میں، پھل دار درخت کے نیچے یا پتھر پر پیشاب نہ کرو۔ نہ ہی سخت جگہ اور ہوا کے رخ پر پیشاب کرو کیونکہ چھینٹیں پڑیں گی۔ بیت الخلا میں داخلے کے وقت پہلے بائیاں پاؤں پھر دائیاں رکھو اور جب نکلو تو اس کا الٹا کرو۔ کھڑے ہو کر یا غسل کی جگہ میں پیشاب نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: غسل خانے میں پیشاب کرنے سے وسوساس پیدا ہوتے ہیں۔ پاخانے میں ایسی کوئی شے نہ لے جاؤ جس پر اللہ یا رسول ﷺ کا نام لکھا ہو۔ کھلے سر نہ جاؤ۔ پاخانہ میں قدم رکھنے سے پہلے یہ دعا پڑھو:

بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِا للّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

بنام خدا اللہ (کی مدد) سے خبیث وخبائث سے پناہ مانگتا ہوں

باہر نکلنے پر یہ دعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی فِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ

ہم اس خدا کی جس نے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور فائدہ دینے والی چیز کو باقی رکھا۔

دعا بیت الخلاء کے باہر پڑھے۔ بیٹھنے سے پہلے کپڑوں کو اچھی طرح سکیڑ لے اور پاخانے پر آب دست نہ کرے۔ اگر قطرے گرنے کا شبہ ہو تو پانی کے چھینٹیں مار دے۔ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ

پیشاب کے قطروں کے شبہ کے وقت لنگی پر پانی چھڑک لیا کرتے تھے۔ گوبر یا ہڈی سے استنجاء نہ کرے۔ اگر ڈھیلے سے استنجا کرے تو تین لے اور بہتر ہے کہ بعد ازاں پانی استعمال کرے۔ آپ ﷺ ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ فرمان ہے کہ وضو پر صرف مسلمان ہی قائم رہتا ہے۔ پہلے مسواک کرے۔ ارشاد ہے کہ مسواک کر کے نماز پڑھنا بے مسواک کے نماز پڑھنے سے پچھتر درجہ بلند ہے۔ وضو کے لئے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھے۔ فرمایا جس نے اللہ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔ وضو کے لیے یہ دعا پڑھے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ هُمُزَاتِ الشَّيْطَانِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ

خدایا شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں اور ان کے پاس آنے سے پناہ چاہتا ہوں (المومنون: ۹۷-۹۸)

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین بار دھوئے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهِلْكَةَ

اے اللہ میں برکت وسعادت چاہتا ہوں اور بدبختی و ہلاکت سے پناہ مانگتا ہوں۔

نیت کرے کہ پاک ہو کر نماز پڑھوں گا۔ یہ نیت منہ دھونے تک باقی رکھے۔ دائیں ہاتھ سے چلو میں پانی لے کر تین بار کلی کرے۔ اگر روزے سے ہو تو کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ نہ کرے ورنہ خوب کلی کرے اور پانی ڈالے پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی قِرَاٰةِ كِتَابِكَ وَكَثْرَةِ الذِّكْرِلَكَ

اے اللہ قرآن کے پڑھنے اور کثرت ذکر میں میری مدد فرما

اس کے بعد ایک چلو پانی لے اور ایک ہی چلو سے تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ناک صاف کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَوْجِدْلِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ

اے اللہ جنت کی خوشبو عطا فرما اس حال میں کہ تو مجھ سے راضی ہو

ناک سنکنے پر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِوَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ

اے اللہ جہنم کی بدبو اور برے ٹھکانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں

پھر چلو میں پانی لے کر پیشانی سے ٹھوری کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک منہ

دھوئے۔ کان کے اوپر والا حصّہ چونکہ سر کا حصہ ہے لہٰذا اس کا دھونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ کانوں کی لو تک پانی پہنچانا چاہیے۔ چار مقامات پر بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے، مونچھیں، بھویں، رخسار اور پلکیں۔ اگر داڑھی گھنی نہ ہو تو پانی بہا لینا کافی ہے ورنہ اچھی طرح پہنچائے۔ آنکھوں کو اچھی طرح دھوئے خوب صفائی کرے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِكَ یَوْمَ تَبْیَضُّ فِیْهِ وُجُوْهُ اَوْلِیَائِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ بِظُلُمَاتِكَ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَائِكَ

اے اللہ میرے چہرے کو منور کر جس دن تیرے دوستوں کے چہرے منور ہوں گے۔
میرے چہرے کو سیاہ نہ کر جس دن تیرے دشمنوں کے چہرے کالے پڑ جائیں گے

داڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے۔ پھر تین بار ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے۔ انگوٹھی پہنے ہو تو اسے گھمادے۔ پہلے داہنے ہاتھ کو دھو کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

اے اللہ مجھے اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دینا اور حساب آسان لینا

اس کے بعد بائیں کو دھوئے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْمِنْ وَّرَائِ ظَھْرِیْ

اے اللہ پناہ مانگتا ہوں کہ میرے بائیں ہاتھ میں میرا اعمال نامہ دیں یا پیٹھ کے پیچھے سے

بعد ازاں پورے سر کا مسح کرے، ہاتھوں کو بھگو کر، دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے بائیں کے سروں کو ملا کر سر کے اگلے حصے پر رکھے اور پچھلے حصّے تک لے جائے۔ پھر اسی طرح واپس لائے۔ تین بار کرے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلَّكَ

اے اللہ! اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، اپنی برکت نازل کر اور اپنے عرش کے نیچے جگہ دینا
جس روز تیرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا

اس کے بعد اپنے دونوں کانوں کا مسح کرے کہ انگشت شہادت کانوں میں ڈال کر گھمائے اور انگوٹھے کان کے اوپر پھیرے۔ اس کے بعد ہتھیلی کان پر رکھے اور تین بار یہ عمل کرے بعد ازاں یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ

اے اللہ! مجھے اچھی بات سن کر عمل کرنے والوں میں سے بنا دے۔ اے اللہ نیکیوں کے ساتھ جنّت کے منادی کی آواز سنوں

اس کے بعد گردن کا مسح کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ گردن کا مسح قیامت کے دن عذاب سے امن دلائے گا۔ یہ دُعا تین بار پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ

''اے اللہ! میری گردن کو آگ سے بچا میں طوق و سلاسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

پھر داہنا پاؤں تین بار دھوئے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرے۔ داہنے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور بائیں کی چھوٹی پر ختم کرے اور یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلٰی صِرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ

''اے اللہ! میرے قدم صراط پر قائم رکھ جس دن نارِ جہنم میں قدم لڑکھڑائیں گے''

بائیں پاؤں کو دھوتے ہی یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ یَّزِلَّ قَدَمِیْ مِنَ الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ

''اے اللہ پناہ مانگتا ہوں کہ قدم صراط سے لڑکھڑائیں جس دن منافقوں کے پاؤں ڈگمگائیں گے''

آدھی پنڈلی تک پانی پہنچائے، وضو سے فارغ ہونے پر یہ دُعا پڑھے:

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

''گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بے شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں''

پھر یہ دُعا پڑھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ فَاغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ

وَجْعِلْنِیْ صُبُوْرًا شُکُوْرً وَاجْعَنِیْ اَذْکُرُکَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَاُسَبِّحُکَ بُکْرَۃً وَ اَصِیْلًا

اس طرح وضو کرنا صحت کی ضمانت ہے۔ اس کو عرش کے نیچے تسبیح کرنے کی جگہ ملے گی اور قیامت تک اسکے اعمال نامہ میں ثواب لکھا جاتا رہے گا۔

کسی عضو کو تین بار سے زیادہ دھونا مکروہ ہے، زیادہ پانی نہ بہانا چاہیئے۔ ہاتھ جھٹک کر چھینٹیں نہیں اڑانی چاہئیں۔ وضو میں باتیں بھی نہ کرنی چاہئیں۔

غسل

استنجا اور وضو سے مذکورہ بالا طریق پر فارغ ہولے۔ البتہ پاؤں غسل کے بعد دھوئے۔ دائیں اور پھر بائیں پہلو پر تین تین بار پانی بہائے، بدن کو ملے، بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے کیونکہ ان کے نیچے ناپاکی ہوتی ہے۔ اگر کسی عورت کو یقین ہو کہ بالوں کی جڑوں تک پانی نہیں پہنچے گا تو چوٹی کھول دے ورنہ نہیں۔ اس امر کا خیال رکھے کہ عضو مخصوص کو نہ چھوئے کیونکہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غسل کے بعد بدن کو صاف کرے۔ ابتدائے غسل میں نیت کو نہ بھولے۔

وضو میں نیت منہ دھونے کے وقت واجب ہے۔ اور وضو میں چار چیزیں فرض ہیں۔ منہ، کہنیوں تک ہاتھ اور دونوں پاؤں کو دھونا اور سر کا مسح کرنا اور چار غسل واجب ہیں، منی نکلنے پر، عورت کے اعضائے مخصوصہ کے ملنے پر، اختتام حیض پر، نفاس کے بند ہو جانے پر، ان کے علاوہ سارے غسل سنت ہیں۔ جیسے عیدین، جمعہ کا غسل، احرام باندھنے کا غسل اور وقوفِ عرفہ و مزدلفہ کا غسل، مکہ میں حاضری کا غسل، ایامِ تشریق کے تین غسل، طواف وداع کا غسل، کافر کے اسلام لانے پر غسل، مجنون کے افاقہ پانے پر غسل، مردے کو غسل دینے پر یہ سب مستحب ہیں اچھی طرح سمجھ لو فائدہ ہی پہنچے گا۔

تیمّم

اگر کوئی شخص پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو خواہ وجہ کوئی بھی ہو جیسے پانی بہت دور ہو، پانی تک پہنچ ممکن نہ ہو، درندہ کا خوف ہو یا ناقابل عبور رکاوٹ ہو یا پانی ہو مگر صرف پینے کی ضرورت کے مطابق ہو یا کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو بہت قیمت طلب کرتا ہو یا بیمار کو عذر ہو کہ بیماری، زخم یا درد میں اضافہ ہو جائے گا۔ یا کسی اور نقصان کا خطرہ ہو تو ضروری ہے کہ نماز کے وقت کا انتظار کرے اور کسی پاک جگہ پر جہاں مٹی یا غبار اس قدر ہو کہ ہاتھوں کو لگ جائے دونوں ہاتھوں کو اس پر مارے، انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں یہ نیت کرے کہ نماز کے جائز ہونے کے لئے تیمم کر رہا ہوں۔ پھر دونوں

ہاتھوں کو منہ پر پھیرے، بالوں کی جڑوں تک مٹی کو پہنچانا ضروری نہیں ہے، ایک بار سے زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دونوں ہاتھوں کی چوڑائی سے چہرے کی چوڑائی زیادہ نہیں ہوتی۔ انگوٹھی کو اتار دینا چاہیئے بعد ازاں دوسری بار ہاتھ مارے اور پہلے دائیں ہاتھ پر کہنیوں تک اور پھر بائیں پر مخالف ہاتھوں کو پھیرے، پہلے انگلیوں کا خلال کرے پھر کلائی کے گرد ہاتھ کو گھمائے پھر کہنیوں تک ہاتھ کو باہر کی جانب سے لائے پھر اندر کی طرف سے انگلیوں تک واپس لے جائے اگر ایک بار میں یہ کام پورا نہ ہو سکے تو دوسری بار مٹی پر ہاتھ مار سکتا ہے تیمّم سے صرف ایک ہی وقت کے فرض و سنت وغیرہ پڑھے جاسکتے ہیں دوسرے وقت کے لئے نئے تیمّم کی ضرورت ہے۔

صفائی

سر، کان، ناک اور انگلیوں کی صفائی ضروری ہے۔ ناخنوں کو زیادہ دنوں تک صاف نہ کرنا مکروہ ہے۔ چالیس دن سے زیادہ بغل اور زیر ناف بالوں کو چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔ حمام میں نہانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اپنے یا دوسرے شخص کے ستر پر نظر پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ حمام میں اس نیت سے جائے کہ نماز کے لئے صفائی مطلوب ہو۔ حمام میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت وہی دعائیں پڑھے جو بیت الخلا کے لئے تعلیم کی گئی ہیں۔ ناخن تراشتے وقت داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے اور بعد ازاں بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرے انگوٹھے پر ختم کرے۔ سرمہ لگائے تو سلائیوں کی تعداد طاق رکھے۔ رسول خدا ﷺ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو بار سلائی لگاتے تھے تا کہ تعداد طاق رہے۔

اپنے کسی کام کو نظم و ضبط اور تربیت سے خالی نہ رکھو۔ حیوان اور انسان میں یہی فرق ہے۔ جانور اپنی مرضی کرتا ہے اور آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ نومولود لڑکوں کا ختنہ سات دن کے بعد کرنی چاہیئے تا کہ یہودیوں کے رواج کے خلاف ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کے لئے ختنہ سنت اور عورتوں کے لئے عزت ہے۔

امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے لمبی داڑھی والوں پر حیرت ہوتی ہے۔ داڑھی کو درمیانی حالت میں کیوں نہیں رکھتے۔ ہر کام میں میانہ روی پسندیدہ طریقہ ہے۔ داڑھی پر سیاہ خضاب لگانا، دوا سے سفید کرنا، بالوں کو ریا اور بزرگی کے اظہار کے لئے بڑھانا اور گھٹانا مکروہ ہے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، ''آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو داڑھیوں کو کبوتر کی دم کی طرح بنالیں گے اور جوتوں کو پتلیوں کی طرح کھڑکائیں گے۔ ان لوگوں میں کوئی بھلائی نہ ہوگی''۔

باب۴

آدابِ نماز، اسرار و ضروریات

فضیلت اذان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''قیامت کے روز تین لوگ معطر مشک کے ٹیلے پر ہوں گے، نہ حساب دیں گے، نہ حیران و پریشان ہونگے۔ ایک وہ جسؓ نے رضائے خداوندی کے لیے قرآن پڑھا، دوسرا وہ جو غلامی میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی آخرت کے اعمال سے غافل نہ رہا اور تیسرا مؤذن''۔

نیز فرمایا:

جب تک اذان دینے والا اذان دیتا رہتا ہے، اللہ کا ہاتھ اس کے سر پر رہتا ہے۔

کہتے ہیں مندرجہ ذیل آیت سے مراد مؤذن ہیں:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ

اس سے بہتر قول والا کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا ہو (حم السجدہ: ۳۳)

اذان سنو تو جو کلمہ مؤذن کہے اسے دہراؤ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ادا کرو۔ اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے جواب میں کہو اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ۔ تثویب کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہو۔ اذان کے بعد یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ

فرض نمازوں کی فضیلت

حدیث پاک میں آیا ہے'' نمازیں ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے پرہیز کیا جائے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: '' ہم اور منافقوں میں صبح و عشاء کی نماز حد فاصل ہے۔ وہ ان دونوں

نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز دین کی بنیاد ہے، جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کی بنیاد گرا دی''۔

روایت ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے نمازوں کو دیکھا جائے گا، یہ مکمل ہیں تو نمازیں بھی قبول اور اعمال بھی قبول اور اگر یہ ناقص ہیں تو نمازیں بھی مردود اور اعمال بھی''۔

فضیلت ارکان نماز

حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''فرض نمازوں کی کیفیت ترازو جیسی ہے، جس نے پورا تولا پورا پایا''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے دو فرد نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں، دونوں کے رکوع و سجود ایک جیسے ہوتے ہیں مگر نمازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے''۔ اس حدیث میں خشوع و خضوع کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا: '' بدترین چور وہ ہے جس نے اپنی نمازوں میں سے چوری کی''۔

جماعت کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جماعت کی نماز بلا جماعت کی نماز سے ستائیس درجے بہتر ہے''

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے:

''جس شخص نے مؤذن کی اذان سنی اور اسے قبول نہیں کیا، اس نے بھلائی کا ارادہ نہیں کیا، اس کے ساتھ بھلائی نہیں کی جائے گی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے چالیس دن تک جماعت سے نماز پڑھی اور پہلی تکبیر نہ چھوڑی، اسے اللہ تعالیٰ دو چیزوں سے نجات دے گا، نفاق سے اور دوزخ سے''۔

سجدہ کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بندے کو اللہ سے قریب تر کرنے والی اور کوئی چیز بے ریا سجدے سے بہتر نہیں ہے''۔

روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے کہ مجھے آپ کی شفاعت نصیب ہو اور جنت میں رفاقت میسّر آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' کثرتِ سجود سے شفاعت میں

میری اعانت کرو"۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

"انسان پروردگار سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، ایسے وقت زیادہ دعائیں کیا کرو"

فضیلت خشوع

حکم خداوندی ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ

مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو (طٰہٰ:۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"نماز، اظہار عاجزی، تأسف اور ندامت کا نام ہے اور اس کا نام ہے کہ میرے اللہ میرے اللہ کہہ کر پکارو، جس نے ایسا نہیں کیا اس کی نماز بے کار ہے"۔

نیز فرمایا "نماز پڑھو تو الوداعی انداز میں پڑھ"۔ یعنی نفس کو چھوڑو، خواہشات کو ترک کرو اور مولیٰ کی طرف بڑھو۔

حدیث شریف میں آتا ہے: "جسے نماز نے بے حیائی اور بری باتوں سے نہیں روکا وہ اللہ سے دور تر ہی ہوتا گیا"۔

نماز اللہ سے سرگوشی کرنے کا نام ہے اور سرگوشی غفلت کے ہوتے نہیں کی جا سکتی۔ آپؐ نے فرمایا:۔ "اللہ تعالیٰ نماز کی طرف التفات ہی نہیں کرتا جب تک کہ بندہ بدن کے ساتھ قلب کو بھی حاضر نہ کرے"۔

جب حضرت ابراہیمؑ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دو میل سے ان کے دل کی دھڑکن سنی جاتی تھی۔

تعمیر مسجد

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے راہ خدا میں مسجد بنائی خواہ وہ چڑیا کے گھونسلے کے برابر ہو، اللہ اس کے لئے جنت میں محل بنوا دے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"زمین پر ہمارے گھر مساجد ہیں، ان میں رہنے والے اور انہیں آباد کرنے والے میرے ملاقاتی ہیں، بشارت ہو اس شخص کو جو اپنے گھر میں طہارت کر کے ہماری ملاقات کے لئے آیا، ہر شخص اپنے ملاقاتی کی تعظیم کرتا ہے"۔

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے مسجد کو اختیار کر لیا ہے تو گواہ رہو کہ وہ ایمان لے آیا ہے"۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس نے مسجد میں چراغ جلایا، فرشتے اور حاملین عرش اعظم اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ چراغ کی روشنی قائم رہتی ہے۔

نماز کے ظاہری اعمال

وضو کر لینے اور ظاہری و باطنی ناپاکی سے پاک ہو لینے، نماز کی جگہ کی پاکیزگی اور بدن کو گھٹنوں تک ڈھانپ لینے کے بعد، قبلہ رو کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اپنے دونوں پاؤں کے درمیان مناسب فاصلہ دے۔ باہم ملا نہ دے اس لئے کہ رسُول اللہؐ نے صَفَن اور صَفَد سے منع فرمایا ہے۔ صَفَد دونوں پاؤں کے ملانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "مقرنین فی الاصفاد" اور صفن ایک پاؤں کے اٹھا لینے کو بولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ

جب اس کے سامنے قدم اٹھائے ہوئے اچھے گھوڑے پیش کئے گئے (ص:۳۱)

نمازی کو سر جھکا کر مصلّے پر نظر رکھنی چاہئے اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے اگر سورۃ الناس پڑھ لے تو مضائقہ نہیں۔ نیت ضروری ہے۔ مثلاً نیت اس طرح کرے "اللہ کے لئے فرض ظہر پڑھ رہا ہوں"۔ اس طرح نیت کر لینے سے یہ نماز دوسری نمازوں سے ممتاز ہوگی۔ کوشش کرنی چاہئے کہ نیت آخر تکبیر تک بدستور قائم رہے۔

بعد ازاں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کی طرف اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو تک اور انگلیاں کانوں کے سرے تک رہیں۔ ایسا کرنے سے ساری روایتوں پر عمل ہو جائے گا۔ بہ تکلف انگلیوں کو پیوستہ یا منتشر رکھنے کی ضرورت نہیں۔ پھر حضور قلب کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔ اس کے بعد ہاتھوں کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد دائیں ہاتھ کو اٹھا کر بائیں ہاتھ کے اوپر رکھے اور ہاتھوں کو سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر باندھ لے۔ اس طرح دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا

حلقہ بائیں ہاتھ کی کلائی کے گرد اس طرح ہو گویا اسے اٹھائے ہے۔ شہادت کی انگلی درمیانی انگلی کے ساتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر کھلی ہوئی ہو۔ پہلے ثناء پڑھے بعد ازاں اَعُوذُ باللہ کے بعد سورۃ فاتحہ تلاوت کرے۔ تلاوت میں ساری حرکات وسکنات، مخارج حروف درست ہوں۔ کوشش کرے کہ ''ض'' اور ''ظ'' میں فرق ہو۔ آخر میں آمین کو ذرا کھینچ کر کہے مگر ولا الضآلین کے ساتھ ملا کر نہ کہے۔

نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھے، نماز مغرب میں چھوٹی اور باقی میں درمیانی، جیسے سورۃ طارق و بروج یا اس طرح کہ دوسری سورتیں۔ سفر میں نماز فجر میں قل الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے۔ اسی طرح فجر کی سنتوں، طواف، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کی رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھے۔

رکوع

قرآت کے بعد رکوع کرے۔ رکوع میں چند باتوں کا خیال رکھے۔ اللہ اکبر کہے ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کہتے ہی رکوع میں چلا جائے۔ رکوع میں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر ٹیک دے۔ انگلیوں کو نیچے کے رخ پر کھلا چھوڑے پیٹھ سیدھی رکھے ایسے کہ پیٹھ، گردن اور سر ایک تختہ کی طرح ہو جائیں۔ عورتیں کہنیوں کو سمیٹ لیں اور مرد کہنیوں کو پہلوؤں سے الگ رکھیں۔

رکوع میں تین بار تسبیح پڑھے۔ اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو بہتر اس سے زیادہ پڑھے۔ بعد ازاں سیدھا کھڑا ہو جائے اور کہے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه۔ پھر یہ دعا پڑھ:

رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ مِلْأَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ

صبح کی نماز میں قنوت کے لئے قیام وقومہ طویل کرے۔

سجدہ

بعدازاں سجدہ کے لئے تکبیر کہتا ہوا جھکے، تکبیر کو اتنا کھینچے کی سجدہ میں جانے تک سلسلہ تکبیر جاری رہے۔ سجدے میں اپنے دونوں گھٹنے، ہتھیلیوں کی طرف سے دونوں ہاتھ اور پیشانی زمین پر رکھے۔ پہلے گھٹنے ٹیکے، پھر ہاتھ رکھے، پھر ناک اور پیشانی زمین پر ٹیک دے۔ دونوں پہلوؤں سے کہنیوں کو جدا رکھے مگر عورت ملائے رکھے۔ پیروں کو جوڑے نہیں کھلے رہیں، البتہ عورت ذرا کھلی نہ رہے۔ ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھے، انگلیوں کو پھیلائے نہیں، ہاتھوں کو کتے کی طرح زمین پر نہ بچھائے ایسا کرنا منع ہے۔ سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو زیادہ بار کہہ سکتا ہے۔ پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے سے سر اٹھائے اور اطمینان کے ساتھ بائیں پاؤں کو بچھا کر دائیں پیر کو

کھڑا کر کے بیٹھے، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ لے، انگلیوں کو ملانے کی کوشش نہ کرے پھر یہ دعا پڑھے:

رَبِّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَارْزُقْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَاعْفُ عَنِّي

اسی نہج پر دوسرا سجدہ کرے اس کے بعد ذرا سا آرام کر کے کھڑا ہو جائے تکبیر کو کھڑے ہونے تک جاری رکھے۔

تشہد

دو رکعتوں کے بعد بدستور تشہد کے لئے بیٹھے۔ تشہد کے بعد درود پڑھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی بند رکھے سوائے انگشتِ شہادت کے۔ جب بوقت تشہد لا الہ الا اللہ کہے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کرے۔ آخری رکعت کے تشہد کے بعد کوئی دعا پڑھے اور بائیں پیر پر بیٹھنے کی بجائے بائیں کولھے پر بیٹھے۔ نماز سے فارغ ہونے پر دائیں بائیں سلام پھیرے اس طرح کہ گال نظر آسکے۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہے۔ دل سے نماز سے فارغ ہونے کی نیت کرے۔ دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے فرشتوں اور مسلمانوں پر سلام کی نیت رکھے۔ سلام کو بہت کھینچ کر نہ کہے۔

مندرجہ بالا باتوں میں سے بارہ چیزیں فرض ہیں:

۱۔ نیت ۲۔ تکبیر ۳۔ قیام ۴۔ فاتحہ ۵۔ رکوع میں اتنا جھکنا کہ ہتھیلیوں سے گھٹنے چھو جائیں ۶۔ رکوع سے باطمینان کھڑا ہو۔ ۷۔ سجدہ اطمینان کے ساتھ کرنا ۸۔ سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنا ۹۔ آخری تشہد کیلئے بیٹھنا ۱۰۔ تشہد ۱۱۔ رسول اللہ پر درود بھیجنا ۱۲۔ ایک طرف سلام پھیرنا۔

نماز کے باطنی اعمال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھا کرو''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ انہیں سوائے تھکان کے کچھ بھی نہیں ملتا۔

درحقیقت نماز اللہ کی یاد، قرآت ومناجات اور اللہ سے گفتگو کے سوا کچھ نہیں۔ یہ باتیں بغیر حضور قلب کے ممکن نہیں۔ قرآت کو سمجھے بغیر اللہ کی عظمت و ہیبت، امید وبیم و ندامت کی کفیت قلب پر طاری کئے بغیر اس کی تکمیل کیسے ہوسکتی ہے۔ بقدر فہم وعلم اللہ کا خوف زیادہ ہوگا اور حضور قلب بڑھے گا۔

اذان کی آواز سنو تو قیامت کے منادی کو یاد کرو اور ظاہر و باطن سے مؤذن کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایسے لوگ قیامت کے دن نرمی سے بلائیں جائیں گے اگر مؤذن کی اذان سن کر

دل خوش ہوتا ہے اور تیزی سے اس طرف قدم بڑھانے کو تیار ہوتا ہے تو قیامت کے دن بھی منادی کی آواز پر یہی کیفیت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اے بلال ! ذرا ہمیں خوش کردو۔ رسول اللہ کی مسرت نماز میں تھی اس لئے آپ ﷺ نے ایسا فرمایا۔

طہارت دراصل باطن کے ماسوااللہ سے طہارت ہے اور اسی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ظاہر کی پوشیدگی تو کپڑوں سے کرلو گے۔ باطن کو اللہ سے کیسے چھپاؤ گے۔ لہٰذا اس کے سامنے ادب واحترام سے آؤ اور یقین رکھو کہ وہ دلوں کے اسرار پر مطلع ہے۔ اس لئے ظاہر و باطن سے اس کے سامنے عاجزی کرو، سوچو اگر تم کسی بادشاہ کے آگے کھڑے ہو تو کیا کیفیت ہوگی۔ حالانکہ دنیوی بادشاہ اس کے سامنے کیا حثیت رکھتے ہیں۔ یہ تو سب اس کے بندے ہیں۔

نماز پڑھنے لگو تو خیال رکھو تم نے ”میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں“ کا اقرار کیا ہے۔ اپنے حنیف و مسلم ہونے اور مشرک نہ ہونے کا اقرار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ”میری عبادت و نماز، حیات و موت اللہ ہی کے لئے ہے“۔ دیکھو یہ سارے اقرار جھوٹے ثابت نہ ہوں ورنہ سب ہلاکت بن جائیں گے۔ رکوع و سجدہ میں اس کی کبریائی کا خیال کھو اور یقین جانو کہ تم اس سے باتیں کر رہے ہو۔ اس کی بارگاہ میں ادب اور حضور قلب میں کوتاہی نہ ہو۔

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

انسان نماز پڑھتا ہے اور اس کی نماز میں سے نصف، ثلث، ربع، خمس، سدس حتّٰی کہ دسواں حصّہ بھی نہیں لکھا جاتا۔ نمازی کی نماز سے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے جتنا کہ وہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے۔ انسان نماز پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کر رہا ہوں حالانکہ وہ ایک ہی سجدے سے اتنے گناہ سمیٹ لیتا ہے کہ اگر اس کے شہر کے سارے باشندوں پر یہ گناہ تقسیم کر دیا جائے تو سب ہلاک ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا۔ وہ خدا کو سجدہ کرتا ہے مگر دل باطل میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، جس میں وہ ہمیشہ غرق رہتا ہے۔

امامت

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ ایسے شخص کو نماز نہ پڑھانی چاہیئے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ جب تک کوئی شخص مؤذن بننا پسند کرتا ہو امام نہ بنے مگر امامت یقیناً افضل ہے بشرطیکہ اس سے سبکدوش ہو سکے۔ رسُول اللہ ﷺ نے ہمیشہ امامت

فرمائی۔

امام کو اوقات نماز کا خیال رکھنا چاہیئے۔ نماز اول وقت میں پڑھے اس لئے کہ یہ رضائے خدا کا وقت ہے اور آخری وقت عضو کا ہے اور رضا عضو سے بہتر ہے۔

امام کو چاہیئے کہ نماز کے دوران تین وقفے کرے۔ حضور ﷺ سے ایسے ہی مروی ہے۔ پہلا وقفہ نماز کی ابتدائی دعاؤں کے شروع کرنے سے پہلے، دوسرا سورۃ فاتحہ کے بعد اور قرآت سے پہلے، یہ وقفہ پہلے سے آدھا ہو اور تیسرا ختم قرآت پر رکوع میں جانے سے پہلے، یہ وقفہ قلیل ہونا چاہیئے۔

مقتدی پر لازم ہے کہ امام سے پہلے سجدہ و رکوع نہ کرے۔ جب تک امام رکوع کے لئے نہ جھکے مقتدی نہ جھکے۔ سارے ارکان میں ایسا ہی کرے۔ کہتے ہیں ایک جماعت سے لوگ تین قسم کی نمازیں ختم کر کے نکلتے ہیں۔ کچھ لوگ پچیس نمازیں لے کر، یہ وہ ہیں جو امام کے بعد رکوع و سجود کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک نماز لے کر، یہ وہ ہیں جو امام کے ساتھ ساتھ ادائے ارکان کرتے ہیں۔ کچھ لوگ بغیر نماز کے نکلتے ہیں، یہ وہ ہیں جو امام سے پہلے ارکان ادا کرتے ہیں۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ رکوع میں امام بعد میں آنے والے لوگوں کا انتظار کرے یا نہ کرے، اگر ایسا خلوص نیت سے ہے تو کوئی حرج نہیں جبکہ بظاہر تفاوت معلوم نہ ہو۔

صبح کی نماز میں جب امام دعائے قنوت پڑھے تو اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا تُقْضٰى عَلَيْكَ تک پڑھنے کے بعد مقتدیوں کو چاہیئے کہ یا تو آہستہ آہستہ دعا پڑھیں یا صرف اَشْهَدُ کہہ دیں۔

(نوٹ: شافعی مسلک میں فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے)

نماز جمعہ

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”جس نے مسلسل تین نمازِ جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دیں، اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے“۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اسلام کو پیچھے ڈال دیا۔

حضرت انسؓ روایت فرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبرائیل آئے، ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ جمعہ ہے، جسے اللہ آپ پر فرض کر رہا ہے تا کہ آپ ﷺ کے اور آپ کے بعد والوں کے لئے عید ہو۔ میں نے کہا ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟ کہا اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعائے خیر کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے قبولیت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ اگر اسی وقت نہ دیا جائے گا تو بہتر اجر محفوظ کر لیا جائے گا، ہم لوگ اسے

آخرت میں ''یوم المزید'' کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیوں؟ کہا اللہ نے جنت میں ایک وادی مشکِ ابیض سے بھی زیادہ معطّر بنا رکھی ہے۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے مقام بلند سے اس وادی میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔حتیٰ کہ لوگ دیدار سے مشرف ہوتے ہیں''۔

اچھی طرح جان لو کہ کسی آبادی پر نمازِ جمعہ اس وقت تک واجب نہیں ہوتی جب تک کی کم سے کم چالیس آزاد، بالغ اور مقیم مرد وہاں موجود نہ ہوں۔ یہ ایسے باشندے ہوں جو گرمی یا جاڑے کے موسم میں یہاں سے کہیں چلے نہ جاتے ہوں۔

ایک نماز جمعہ کے بعد دوسری نہیں ہوسکتی البتہ اگر کسی بستی کے آدمی اتنے زیادہ ہوں کہ ایک مسجد میں پورے نہ آسکتے ہوں تو پھر کئی مسجدوں میں نماز قائم کرنا جائز ہے۔نماز جمعہ کے دونوں خطبے فرض ہیں۔امام کے لئے دونوں خطبوں میں کھڑا ہونا اور دونوں کے درمیان بیٹھنا فرض ہے۔ پہلے خطبہ میں چار فرض ہیں:

ا۔حمدِ باری تعالیٰ، چاہے صرف ایک ہی جملہ ہو جیسے الحمدللہ۔

۲۔رسُول اللہ ﷺ پر درود پاک۔

۳۔نصیحت تقویٰ۔

۴۔کسی آیتِ قرآن کا پڑھنا۔

دوسرے خطبے میں بھی چار فرض ہیں۔ پہلے تین خطبۂ اوّل کی طرح ہیں۔ چوتھے میں قرآنی آیات کے بجائے دعائیں پڑھے۔خطباتِ جمعہ کا سننا واجب ہے۔

جمعہ کے روز درج ذیل امور مسنون اور مستحب ہیں:

غسل کرنا مستحب ہے۔سفید کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور مسجد کی طرف سبقت کرے۔رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جمعہ کے دن پہلی ساعت میں جو شخص مسجد میں آگیا گویا اس نے ایک اونٹ قربان کیا، جو دوسری میں آیا اس نے گائے قربان کی، جو تیسری میں آیا اس نے مینڈھا، جو چوتھی میں آیا اس نے مرغی اور جو پانچویں میں آیا اس نے انڈے کی قربانی دی۔ جب امام مسجد میں آگیا تو دفتر لپیٹ لئے گئے، قلم اٹھا لئے گئے اور سارے فرشتے منبر کے پاس جمع ہو کر ذکرِ خدا سننے لگے۔اس کے بعد جو شخص آیا حق نماز ادا کرنے آیا، اس سے زیادہ اجر کا وہ مستحق نہیں''۔

جب زوال کے بعد مؤذن اذان دے اور امام منبر پر بیٹھ جائے تو سوائے تحیۃ المسجد کے کوئی نماز نہ پڑھے۔

جب امام خطبہ شروع کردے تو گفتگو نہ کرے۔

ساعاتِ جمعہ

روزِ جمعہ کی ساعت مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) صبح صادق سے طلوع آفتاب تک

(۲) آفتاب کے بلند ہوجانے تک

(۳) آفتاب کی دھوپ پھیل جانے تک

(۴) تمازت آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک

جامع مسجد میں لوگوں کی گردنوں سے پھلانگ کر نہ گزرے اور نہ ہی کسی نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرے۔ ایسی جگہ بیٹھے کہ دوسرے اس کے سامنے سے نہ گزریں۔ جہاں تک ہوسکے پہلی صف میں بیٹھے۔نماز کے بعد بکثرت ذکر کرے اور ساعتِ جمعہ کا اطمینان سے انتظار کرے اور کثرت درود پڑھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''شبِ فروزاں اور شاداب دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو''۔ مطلب یہ کہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات اور جمعہ کے دن۔

خصوصی طور پر بروز جمعہ صدقہ مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے پہلے چار رکعت پڑھے جن میں دو سو بار سورۃ اخلاص پڑھے۔اگر ہوسکے تو جمعہ کے دن کو آخرت کے لئے مخصوص کردے اور دنیا کا کوئی کام نہ کرے۔ جس نے ایسا کرلیا پچھلے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ دے دیا۔روایت ہے کہ جس نے جمعہ کی رات میں سفر شروع کیا، جمعہ کے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد سفر حرام ہے البتہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو جائز ہے۔

نوافل

نوافل کو ترک نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ فرائض کی تکمیل ہیں۔نوافل نفع کی مانند ہیں اور فرائض اصل زر ہیں۔رواتب کو نہ چھوڑے جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔چاشت کو ترک نہ کرے۔اس کی دو یا چار

رکعتیں ہیں، جتنی چاہے پڑھ لے۔ تہجد کو بھی ترک نہ کرے۔ نمازِ عشاء سے پہلے نفل ضرور پڑھے۔ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ ان کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔

عیدین

عیدین کی نمازیں سنت موکدہ ہیں اور شعارِ اسلام میں سے ہیں۔ ان میں چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

تین تکبیریں ایسی ترتیب و نظم کے ساتھ یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلاً لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ تکبیروں کی ابتدا عید الفطر کی رات سے کرے اور عید کی نماز تک جاری رکھے۔ عید الضحیٰ کی تکبیریں یوم عرفہ کی نماز صبح کے بعد سے شروع کی جاتی ہیں اور آخر ایام تشریق یعنی ۱۳ ذی الحجہ کی شام تک جاری رہتی ہیں۔ یہ تکبیریں ہر فرض نماز کے بعد اور بعض کے نزدیک نوافل کے بعد بھی کہی جائیں۔

عید کے دن غسل کرنا اور نماز کے لئے زیب و زینت کرنا مستحب ہے۔ نماز کے لئے بچے اور بوڑھے بوڑھیاں بھی جائیں۔ ایک راستے سے جانا اور دوسرے سے واپس لوٹنا مستحب ہے۔ مکہ، بیت المقدس وغیرہ شہروں میں نماز کے لئے کھلے میدانوں میں جانا چاہئے البتہ ایسے شہروں میں جہاں بارش ہو مساجد کے اندر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

طلوع آفتاب سے زوال تک نماز کا وقت ہے اور قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی صبح سے تیرھویں کی شام تک ہے۔ دسویں کو آفتاب کے طلوع ہو جانے کے بعد جب دو رکعت اور دو خطبوں کے بقدر وقت گزر جائے تب قربانی کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ عید الضحیٰ کی نماز جلدی پڑھنا مستحب ہے تاکہ قربانی جلدی کی جا سکے اور عید الفطر کی دیر کر کے پڑھنا مستحب ہے تاکہ نماز سے پہلے صدقہ فطر پوری طرح ادا ہو جائے۔ عیدین کے دن لوگوں کو چاہیے کہ تکبیریں کہتے ہوئے گھروں سے نکلیں۔ جب امام عید گاہ میں پہنچ جائے تو نہ بیٹھے نہ نفل پڑھے بلکہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اگر لوگ نفل پڑھ رہے ہوں تو جلدی سے ختم کر دیں۔ چاہے کہ کوئی شخص بلند آواز سے پکار دے الصلوٰۃ جمعہ۔

اس کے بعد امام دو رکعتیں نماز پڑھائے۔ پہلی میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے علاوہ سات تکبیریں زائد کہے اور دو تکبیروں کے درمیانی وقفہ میں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہے، پہلی کے بعد اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ پڑھے۔ اس کے بعد ساری زائد تکبیریں تمام کر لے پھر آعوذ باللہ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ قٓ پڑھے، دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد اقترب الساعۃ پڑھے اور پانچ تکبیریں زائد کہے۔ امام نماز کے بعد دو خطبے پڑھے جن کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے۔ جس شخص کی عید کی نماز چھوٹ جائے وہ قضا پڑھے۔ نماز سے فارغ ہونے بعد جلدی قربانی کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے مینڈے کی قربانی دی تھی اور فرمایا بسم اللہ اللہ اکبر۔ یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری امت میں جس نے قربانی نہ دی اس کی طرف سے ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: اگر کسی کا ارادہ قربانی کا ہے تو ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ناخن یا بال نہ ترشوائے۔

نمازِ کسوف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان میں کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا، گرہن ہو تو اللہ کی یاد اور نماز کی طرف بڑھو۔ گرہن لگے تو آدمی ''الصلواۃ جمعہ'' پکار دے۔ پھر امام دو رکعت پڑھائے اور بجائے ایک کے دو رکوع کرے۔ پہلا رکوع دوسرے سے طویل ہو۔ قرأت بلند آواز سے قرات کرے۔ مستحب یہ ہے کہ نماز کو اتنا طویل کر دے کہ گرہن کا وقت ختم ہو جائے۔

نماز استسقاء

اگر بارش بند ہو جائے اور طلب باراں کے لئے استسقاء کی ضرورت پڑے تو امام کو چاہیے کہ لوگوں کو تین روزے رکھنے کی ہدایت کرے۔ زیادہ سے زیادہ عبادت، توبہ اور استغفار کی تاکید کرے اور ظلم و حق تلفی سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔ چوتھے دن بوڑھوں بچوں سمیت شہر سے باہر نکلے۔ لوگ صاف ستھرے کی بجائے پھٹے ہوئے اور پرانے کپڑے پہن کر نکلیں۔ عیدین کی طرح شان و شوکت سے نہ نکلیں بلکہ عاجزی و مسکنت کا اظہار ہو۔ عیدین کی نماز کی طرح امام دو رکعت پڑھا کر دو خطبے دے اور دونوں خطبوں کے درمیانی وقفہ میں بیٹھے۔ دونوں خطبوں میں توبہ و استغفار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت طلب کرے۔ دوسرے خطبے میں لوگ قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائیں اور بدن کی چادر کو الٹا کر اوڑھ لیں۔ اسے ''تحویل رداء'' کہتے ہیں۔ یہ رسول کریم کی سنت مبارک ہے۔ چادر کا دایاں کنارا بائیں طرف اور بایاں کنارہ دائیں طرف کر دیں۔ اوپر والے حصے کو

نیچے اور نیچے والے کو اوپر کر دیں۔ اسی حالت میں امام ومقتدی دعا کریں مگر آواز کو آہستہ رکھیں۔ اس کے بعد امام خطبہ ختم کر دے۔ چادروں کو اسی طرح الٹا رہنے دیں البتہ جب کپڑے اتاریں تو چادروں کو بدل دیں۔ آخر میں دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ كَمَا اَمَرْتَنَابِدُعَائِكَ وَوَعَدْتَنَا بِاِجَابَتِكَ فَقَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا اَمَرْتَنَا وَاَجِبْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا اَللّٰهُمَّ فَامْنُنْ عَلَيْنَا بِمَغْفِرَةِ ذُنُوْبِنَا وَاِجَابَتِكَ سُقْيَانَا وَسَعَةِ رِزْقِنَا بِرَحْمَتِكَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

باب ۵

زکوٰۃ واسرارِ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ زکوٰۃ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک اور پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: اے ابوذر! جن لوگوں کے پاس بہت کچھ ہے قسم خدا کی وہی گھاٹے میں ہیں۔ میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جن کے پاس مال بہت ہے یہی نقصان میں رہیں گے البتہ وہ نقصان میں نہیں رہیں گے جو کھلے ہاتھوں خرچ کرنے کے عادی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے داہنے بائیں آگے پیچھے مال لٹانے کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر فرمانے لگے ایسے بہت ہی کم ہیں۔ جس شخص کے پاس اونٹ، گائے اور بکریاں ہوں اور زکوٰۃ نہ دے تو روز حشر یہ جانور بڑے بڑے اور بہت موٹے لائے جائیں گے۔ وہ اسے اپنے سینگوں سے ماریں گے اور اپنے کھروں سے روندیں گے۔ وہ باری باری آئیں گے اور مسلسل ایسا ہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ حساب ختم ہو جائے۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

مسائلِ زکوٰۃ

جانوروں کی زکوٰۃ، سونے چاندی کی زکوٰۃ، مالِ تجارت کی زکوٰۃ، خزانوں کی زکوٰۃ، زکوٰۃ عشری، اور صدقۂ فطر، ہر ایک کا بیان درج ذیل ہے:

خواہ کسی قسم کی زکوٰۃ ہو، یہ صرف آزاد مسلمان پر واجب ہے عاقل و بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ پاگل اور بچے کے مال پر بھی زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

جانوروں کی زکوٰۃ:

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

۱۔ صرف اونٹ، گائے اور بکری پر ہی زکوٰۃ ہے۔ بشرطیکہ بقدر نصاب پورے سال ملکیت میں رہیں۔ اور چرنے کیلئے جاتے ہوں۔ بکری اور ہرن کی مشترکہ نسل اور گھوڑے وغیرہ کی مشترکہ نسل پر زکوٰۃ نہیں۔

۲۔ جو جانور باہر چرنے نہ جاتے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۳۔ پورا نصاب ہو، مقررہ تعداد سے کم نہ ہو۔

۴۔ پورا سال ملکیت پر گزرا ہو۔

۵۔ مکمل قبضہ ہو، کسی کی امانت یا قبضۂ ناقصہ نہ ہو۔

اونٹوں کی زکوٰۃ

چار پر کچھ نہیں، پانچ پر ایک سالہ بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ پر تین، بیس پر چار، پچیس پر ایک سالہ اونٹ، چھتیس پر دو سالہ، چھیالیس پر تین سالہ، باسٹھ پر چار سالہ، چھہتر پر دو سالہ اونٹ اور دو راس، اکانوے پر تین سالہ اونٹ اور دو راس، ایک سو اکیس پر دو سالہ اونٹ اور تین راس، ایک سو تیس پر ہر چالیس کے اوپر ایک دو سالہ اور ہر پچاس پر ایک سہ سالہ اونٹ واجب ہے۔

گایوں کی زکوٰۃ

انتیس تک زکوٰۃ نہیں، تیس پر دو سالہ گائے، چالیس پر تین سالہ، ساٹھ پر یک سالہ دو راس، پھر ہر چالیس پر تین سالہ اور ہر تیس پر دو سالہ۔

بکریوں کی زکوٰۃ

انتالیس تک کچھ نہیں، چالیس سے ایک سو بیس تک یک سالہ بکری، اس سے اوپر دو سو تک دو بکریاں، دو سو سے اوپر تین سو ننانوے تک تین، چار سو سے اوپر ہر سو پر ایک بکری۔

عشری زکوٰۃ

جو فصل بارش سے تیار ہوئی ہو اس کے آٹھ سو من پر دسواں حصہ لیا جائے گا۔

سونے، چاندی کی زکوٰۃ

مکّی درہم کے حساب سے دو سو درہم چاندی پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور بیس مکّی درہم سونے پر زکوٰۃ ہے۔ بیس پر ایک چوتھائی درہم۔ سونے چاندی میں قدر نصاب پر جس قدر اضافہ ہوگا اسی

قدر زکوٰۃ بڑھ جائے گی۔ پکی چاندی اور غیر مستعمل زیور پر زکوٰۃ ہے۔ معدنیات میں سے صرف سونے چاندی پر زکوٰۃ ہے باقی پر نہیں۔ ان سب کا حکم عام مالیات کا سا ہے یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

صدقۂ فطر

حسب فرمانِ مصطفوی ﷺ ہر مسلمان پر صدقۃ فطر واجب ہے۔ ۲/۳ من جو غلّہ خود کھاتا ہے وہی دے۔ بوڑھے، بچے، لونڈی، غلام سب کی طرف سے ادا کرے۔ جو پاکستانی حساب سے ایک سیر سات چھٹانک بنتا ہے۔

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جن کے تم کفیل ہو ان سب کی طرف سے فطرہ ادا کرو۔

ادائے زکوٰۃ و شرائط

ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنا سب سے پہلی شرط ہے۔ بچے اور پاگل کی طرف سے اس کے ولی کی نیت کافی ہے اور مالک کی طرف سے اس کے مختار و مجاز کی۔ صدقۂ فطر کو عید کے بعد والے دن کے لئے بچا کر نہ رکھے۔ اس کا صحیح وقت رمضان کی آخری تاریخ کو غروبِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے۔ اگر وقت سے پہلے ادا کرنا ہو تو سارے رمضان میں جب چاہے ادا کر دے۔

اگر کسی شخص کو مال پر تصرّف حاصل تھا مگر اس وقت پر زکوٰۃ ادا نہ کی کہ مال ضائع گیا تو زکوٰۃ اس کے ذمہ باقی رہے گی۔ البتہ اگر کسی وجہ سے زکوٰۃ ادا کرنا ممکن نہ تھا اور پھر مال ضائع گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

مستحقین زکوٰۃ آٹھ ہیں۔ ان میں سے جتنے قسم کے آدمی اس کی بستی میں ہوں ان پر مناسب طور پر تقسیم کر دے۔ مستحقین زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب اور عاملین زکوٰۃ اکثر ملکوں میں معدوم ہو چکے ہیں، چار قسمیں یعنی فقراء، مقروض، مسافر، اور مساکین ہر جگہ موجود ہیں۔ غزاۃ مکاتب (بلغیر تنخواہ جہاد کرنے والے) بعض ملکوں میں ہیں بعض میں نہیں ہیں۔

ان قسموں میں سے جو بھی قسم مل جائے ان میں سے ہر طبقے کے تین تین کو مال زکوٰۃ دے دے، سب کو برابر دینا ضروری نہیں ہے۔ اگر ممکن ہو تو نیک لوگوں کو زکوٰۃ دے اگر عزیزوں میں سے کسی کو متقی پرہیزگار ضرورت مند دیکھے تو پوشیدہ طور پر ضرور دے۔ اگر زکوٰۃ لینے والوں میں یہ خوبیاں ہوں تو قبولیت کی زیادہ توقع ہے۔

مستحقین زکوٰۃ

مستحقین زکوٰۃ وہ آزاد مسلمان ہے جو ہاشمی یا مطلبی نہ ہو۔ مجنون و نابالغ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ اس کی طرف سے اس کا سرپرست زکوٰۃ قبول کرے۔ مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں ہیں:

۱۔فقیر: جس کے پاس نہ مال ہو نہ کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۲۔مسکین: جس کی آمد ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔

۳۔عاملین: جو مالِ زکوٰۃ کی وصولی یابی پر متعین ہوتے ہیں۔

۴۔مؤلفۃ القلوب: وہ شریف کافر جو مسلمان ہو گیا ہو اُس کے دینے سے اس کی قوم کو اسلام کی طرف رغبت ہو۔

۵۔مکاتب: وہ غلام جس کے آقا نے آزاد کرنے کیلئے کوئی رقم طلب کی ہو مگر آقا اسے زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

۶۔مدیرن: وہ جس نے جائز ضرورت سے قرض لیا ہو اور ادا نہ کر سکتا ہو۔

۷۔غزاۃ: راہ خدا میں جہاد کرنے والے جنھیں حکومت سے تنخواہ نہ ملتی ہو خواہ وہ مال دار ہی کیوں نہ ہوں۔

۸۔مسافر: جس کے پاس سفر میں ضرورت پوری کرنے کیلئے مال نہ ہو اگرچہ وہ اپنے گھر پر کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو، ان لوگوں میں سے فقیر، مسکین، مسافر اور غازی کا صرف کہہ دینا قابل اعتبار ہے کسی دلیل کے طلب کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر مسافر یا غازی شرط سفر یا شرط جہاد کو پورا نہ کریں تو ان سے رقم واپس لے لی جائے۔ رہیں باقی چار قسمیں انھیں تحقیقات کے بعد ہی زکوٰۃ دے جاسکتی ہے۔

نفل صدقات

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جہنم سے بچو خواہ کھجور کی ایک پھانک ہی دے دو، یہ بھی نہ ملے تو اچھی بات ہی کہہ دو''۔ لوگوں کو دین کی باتیں بتانا یہ بھی صدقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''جب کوئی شخص اچھا صدقہ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اچھا جانشین بنا دیتا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صدقہ، شر اور برائی کے ستر دروازوں کو بند کر دیتا ہے''۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا صدقہ کونسا ہے؟ فرمایا: ''اس کا دیا

ہوا جب کہ تندرست ہو، اپنے زندہ رہنے کی امید ہو، حال کی ضرورت ہو اور فقر کا ڈر بھی ہو۔ صدقے کو اس گھڑی تک کے لئے نہ اٹھا رکھو جب کہ تمھاری روح حلقوم میں آجائے اور کہو فلاں کو اتنا فلاں کو اتنا دے دینا''۔

صدقہ کو پوشیدہ دینا یا ظاہر دینا دونوں درست ہیں جیسے چاہے عمل کرے۔

حضرت ابراہیمؒ الخواص اور حضرت جنید بغدادیؒ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے سے صدقہ وصول کرنا زیادہ اچھا ہے۔ پہلی صورت میں فقراء کی حق تلفی ہوتی ہے اور اس کی بہت سی شرطیں ہیں جو اکثر پوری نہیں ہوتیں۔

بعض کی رائے ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنا زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس طرح لوگوں کو ادائے واجب پر تیار کرنا ہوتا ہے اور نفس کا غرور ذلت کیساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ غور کرو تو دونوں باتیں ایک ہی جیسی ہیں۔

باب ۶

روزہ اور اس کے اسرار

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں:

"ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ملتا ہے سوائے روزے کے کیونکہ یہ صرف میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزاء دوں گا"، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بد بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس بندے نے میرے لئے کھانا پینا اور نفسانی خواہشات کو چھوڑا، اس کا روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزاء دوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، بھوک سے اس کی راہ کو تنگ کر"۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ہمیشہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ کیسے؟ فرمایا بھوک سے۔ حدیث میں ہے: "اگر شیطان اولاد آدم کے دل کے اردگرد چکر نہ لگاتا رہتا تو لوگ عالم ملکوت کی کیفیت دیکھ لیتے"۔

روزہ شہوتوں کو توڑتا ہے۔ ہم کسرِ شہوتیں کے بارے میں اس کا ذکر کریں گے۔

موجبات ومفسدات

رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک عادل شخص کی گواہی کافی ہے، لیکن ہلال عید کے لئے کم از کم دو عادل آدمیوں کی گواہی ضروری ہے خواہ قاضی نے اس بارے میں فتویٰ صادر کر دیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں ہر شخص اپنے گمان غالب کے مطابق عمل کرے۔ رمضان کے روزے کیلئے رات ہی کو نیت کرنا ضروری ہے، اگر رات کو شک کی بنا پر روزے کی نیت کر لی کہ اگر رمضان ہوا تو رکھوں گا۔ اس طرح نیت کرنا درست نہیں۔

کسی چیز کے حلق سے نہ اترنے کا نام روزہ ہے، لہٰذا کھانے پینے، ناک سے کچھ چڑھانے اور حقہ لینے سے فاسد ہو جاتا ہے۔ فصد، پچھنے لگوانے، سرمہ لگانے، عضو تناسل کے سوراخ یا کان میں سلائی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کوئی قطرہ مثانہ میں پہنچایا جائے تو فاسد ہو جائے گا۔

بلا ارادہ کسی چیز کے حلق سے اتر جانے جیسے گردوغبار یا مکھی وغیرہ کے چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کلی کرتے یا ناک میں پانی ڈالتے اگر کچھ تھوڑا سا پانی خود بخود چلا گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوا۔ اگر ارادے سے قے کرے گا تو فاسد ہو جائے گا اور اگر بلا ارادہ قے آئی یا سینہ کا جما ہوا بلغم چلا گیا تو فاسد نہیں ہوا۔ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بحالت روزہ بالقصد جماع کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے کسی اور طریقہ پر اخراج منی سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ نہ کھانے پینے سے کفارہ لازم آتا ہے۔

کفارہ ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے۔ اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا تو فی کس ایک ایک مد (سواسیر) کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔

روزے کے درجے

روزے کے تین درجے ہیں:

۱۔ صوم عمم

۲۔ صوم خصوص

۳۔ صوم خاص الخاص

صوم عموم یہ ہے کہ شکم و جسم کو قضائے شہوت سے روک لے۔ صوم خصوص یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان کو گناہوں سے محفوظ رکھے اور صوم خاص الخاص یہ ہے کہ دل کو دنیوی افکار، مہمات اور ماسوا اللہ کے تصور سے محفوظ رکھے۔ تینوں قسم کے روزے ان باتوں سے ٹوٹ جاتے ہیں جن کی اوپر ممانعت کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

پانچ باتیں روزہ دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں، جھوٹ، غیبت، چغلی، جھوٹی قسم اور شہوت دیکھنا۔ لہٰذا صوم خواص میں اعضاء کو گناہوں سے بچائے رکھنا ضروری ہے۔

امید وبیم

کم کھانا چاہیے، بہت زیادہ کھانا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ روزے میں امید وبیم کی کیفیت طاری رکھے کہ قبول ہوتا ہے یا صرف بھوک پیاس اور تھکان ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ روزے کا

مقصد شہوت نفسانی سے محفوظ رہنا ہے تو خیال کرے شاید غیبت، چغلی، جھوٹ یا شہوت کی نظر کا ارتکاب ہو گیا ہو اور ان میں سے ہر بات روزے کو توڑ دیتی ہے۔

مستحب روزے

سوائے ممنوعہ ایام کے مستحب روزے ہمیشہ رکھے جاسکتے ہیں مگر ان میں سے ایام فاضلہ کے روزوں کی تاکید ہے۔ ایام فاضلہ یعنی فضیلت والے دن بعض ہر سال، بعض ہر ماہ اور بعض ہر ہفتہ آتے ہیں۔ مثلاً سالانہ آنے والے دنوں میں علاوہ رمضان کے روزوں کے یوم عرفہ، یوم عاشورہ، ذی الحجہ اور محرم کے عشرہ اول کے روزے بلکہ سارے شہور حرام کے روزے ہیں۔ رسول خدا ﷺ شعبان میں اس کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے کہ جیسے رمضان کا مہینہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے: ''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''رمضان میں ایک دن کا روزہ دوسرے دنوں کے تیس روزوں سے افضل ہے اور شہور حرام کا ایک روزہ دوسرے دنوں کے تیس روزوں سے افضل ہے۔ جس کسی نے شہور حرام کی جمعرات، جمعہ اور سنیچر کو روزے رکھے اللہ اس کے اعمال نامہ میں سات سو سال کی عبادت کا اجر لکھ دیتا ہے''۔

شہور فاضلہ، رجب، شعبان، ذی الحجہ اور محرم ہیں اور شہور حرام ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ ہر ماہ لوٹنے والے ایام فاضلہ، ابتدائے ماہ اور وسط ماہ یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ ہیں۔ جنہیں ''ایام بیض'' کہتے ہیں۔ ہر ہفتہ میں آنے والے ایام فاضلہ پیر، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ صوم دہر میں یہ تمام روزے شامل ہیں لیکن صوم دہر کے مکروہ ہونے پر اختلاف ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل روزہ میرے بھائی داؤد کا ہے''۔ شاید رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے:

''میرے سامنے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئی لیکن میں نے واپس کر دیں اور کہا ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا، جس دن سیر ہوں گا تیری حمد کروں گا اور جس دن بھوکا ہوں گا تیرے سامنے عجز و زاری کروں گا''۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان شریف کے روزوں کے سوا اور کبھی کسی مہینے کے پورے روزے کبھی نہیں رکھے۔

باب ۷

حج اور اس کے اسرار

اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

ترجمہ: آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام سے راضی ہوا (المائدہ:۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے صاحب حیثیت ہونے کے باوجود حج نہیں کیا اور مر گیا تو چاہے وہ یہودی مرا ہو یا نصرانی''۔ (مجھے اس کی پرواہ نہیں)

حج کی فضیلت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا

لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، تمھارے پاس دور دور سے لوگ آئیں گے (الحج: ۲۷)

رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے:

''عرفہ کے دن شیطان بڑا مغموم و ذلیل ہو جاتا ہے، اتنا کہ ایسا اور کسی دن نہیں دیکھا گیا''۔ فرماتے ہیں: ''جو شخص گھر سے حج یا عمرہ کے لئے نکلا اور اس دوران میں مر گیا، اسے قیامت تک حج یا عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا''

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر عرفہ جمعہ کے دن پڑ جائے تو میدان عرفات میں جمع ہونے والے سب کی بخشش فرما دی جاتی ہے اور یہ دنیا کا افضل ترین دن ہے۔

آپ ﷺ نے اسی دن حجۃ الوداع کیا تھا۔ آپ میدانِ عرفات ہی میں تھے جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

آج تمھارے لئے میں نے دین کو مکمل کر دیا (المائدہ:۳)

جب یہود و نصاریٰ نے کہا کہ اگر ہمارے ہاں ایسی کوئی آیت نازل ہوتی تو ہم اسے عید کا دن مقرر کر لیتے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ہمارے ہاں یہ آیت دوہری عید کے دن نازل ہوئی تھی اور آپ ﷺ عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں قیام فرماتے تھے''۔

رسُول اللہ ﷺ نے دعا کی ہے: ''اے اللہ حاجی کی بخشش فرما اور اس کے لئے بھی جس کے لئے حاجی نے مغفرت طلب کی ہے''۔

کہتے ہیں حضرت علی بن موفق نے رسُول اللہ ﷺ کی طرف سے کئی حج ادا کئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا اے ابن موفق کیا تو نے میری طرف سے حج کئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اچھا اس کا صلہ میں تجھے قیامت میں دوں گا۔ لوگ ابھی حساب کتاب کی پریشانی میں ہونگے کہ میں تجھے ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں پہنچا دونگا۔

فضیلت مکہّ و کعبہ

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے کعبہ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ افراد حج کریں گے جب کبھی تعداد اس سے کم ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج دیتے ہیں''۔ روزِ حشر، کعبہ ایک عروس کی طرح لایا جائے گا اور حاجی اس کے پردوں سے لگے ہوں گے اس کے اردگرد طواف کر رہے ہوں گے یہاں تک کہ کعبہ جنت میں چلا جائے اور یہ سب لوگ بھی ساتھ چلے جائیں گے۔

روایت ہے کہ حجرِ اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ حشر کے دن اسے دو آنکھیں اور ایک زبان عطا کی جائے گی۔ جس کسی نے اسے حق و صداقت سے چوما ہوگا یہ اُس کے لئے گواہی دے گا۔

رسُول اللہ ﷺ بکثرت حجرِ اسود کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اس کا بوسہ دیا اور فرمایا،'' مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر رسُول خدا کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو کبھی بوسہ نہ دیتا''۔ کسی نے آپ کو ایسا کہنے سے روکا۔ پیچھے دیکھا تو حضرت علیؓ کھڑے تھے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ایسا مت کہیے۔ آپ نے فرمایا ابوالحسن آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا امیر المومنین! یہ نفع نقصان پہنچا سکتا ہے، سوال کیا کیسے؟ فرمایا جب اللہ نے بنو آدم سے اقرار لیا تھا تو اس کا ایک نوشتہ تیار کیا گیا تھا جسے یہ پتھر نگل گیا۔ اب یہ ایمان والوں کے حق میں وفاداری کی اور کافروں کے حق میں انکار کی گواہی دے گا۔ اس پر آپ بے ساختہ رونے لگے۔

کہتے ہیں حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے لوگ جو یہ کہتے ہیں: ''اے اللہ تیرے اوپر ایمان لاتے

ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے ساتھ کئے ہوئے عہد کی وفاداری میں'' اس کا یہی مطلب ہے۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم کے صدقے کے مساوی ہے اور اسی طرح ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔'' رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بروز حشر زمین سے سب سے پہلے میں نکلوں گا پھر اہل جنت البقیع کے پاس آؤں گا وہ میرے ساتھ میدان حشر میں آئیں گے پھر اہل مکہّ کے پاس آؤں گا اور ان سب کو حرمین کے درمیان جمع کروں گا''۔

روایت ہے کہ ہر دن کوئی نہ کوئی ابدال طواف کعبہ کرتا ہے اور ہر رات کوئی نہ کوئی اوتاد۔ جس دن یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا کعبہ اٹھا لیا جائے گا۔ صبح لوگ دیکھیں گے کہ کعبہ کا کوئی نشان نہیں۔ ایسا اس وقت ہوگا جب کہ سات سال گزر جائیں گے اور کسی کو قرآن کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے گا۔ پھر لوگ شعر، گیت، گانے اور قصوں میں لگ جائیں گے۔ اس کے بعد دجّال برآمد ہوگا۔ پھر حضرت عیسیٰ تشریف لائیں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت قیامت ایسی ہوگی جیسے پورے مہینوں کی حاملہ ہو کہ ہر لحظہ وضع حمل کی امید ہو۔

(نوٹ: یہاں ترتیب اُلٹ لکھی گئی ہے۔ احادیث میں بیان کردہ علاماتِ قیامت میں درج ہے کہ حضرت مہدیؒ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک طویل عرصہ تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔ پھر مختلف قسم کے فتنے ظہور پذیر ہوں۔ علم اُٹھ جائے گا اور اخیر میں قیامت سے پہلے قرآن اور کعبہ اُٹھا لیا جائے گا)

قیامِ مکہّ

بعض لوگ گرانی و گنجانی کی وجہ سے مکہ میں قیام کرنا پسند کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ حج کے بعد حاجیوں کو واپس کر دیتے تھے کہ کہیں کعبہ سے مانوس ہو کر یہیں نہ رہ پڑیں۔ فرمایا کرتے تھے'' اے یمنیو اپنے یمن واپس چلے جاؤ، اے شامیو اپنے شام چلے جاؤ اور اے عراقیو واپس عراق چلے جاؤ''۔

اس طرح کعبہ سے دور رہ کر دوبارہ جانے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ وہاں رہ پڑنے سے گناہ سرزد ہو جانے کا خوف ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وہاں نہ ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا

لوگوں کے لئے ثواب وامن کی جگہ ہے (البقرہ: ۱۲۵)

البتہ جو شخص مکہ میں رہ کر وہاں کا حق ادا کر سکے اس کے لئے وہاں رہنا افضل ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان دلیل ہے:

"اے مکہ تو اللہ کی بہترین زمین ہے، اللہ کے ملکوں میں سب سے زیادہ تو مجھے پسند ہے، سب سے زیادہ مجھے تجھ سے محبت ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو کبھی نہ نکلتا"۔

فضیلت مدینہ

مکہ کے بعد مدینہ سب سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری مسجد کی نماز، مسجد حرام کی نماز کے علاوہ، دوسری مسجدوں کی نماز سے ہزار درجہ بہتر ہے"۔

مدینہ شریف کے بعد بیت المقدس کی فضیلت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"بیت المقدس میں نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے"۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں نماز دس ہزار نمازوں کے برابر، مسجد اقصیٰ میں نماز ایک ہزار نمازوں کی برابر اور مسجد حرام میں نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے"۔

شرائط، ارکان واجبات منوعات

حج کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ حج کرنے والا مسلمان ہو اور حج کا موسم ہو۔ لہٰذا بچے کا بھی حج ہو سکتا ہے اور بڑے کا بھی۔ لڑکا ہوشیار ہو تو احرام باندھے اور اگر بہت ہی چھوٹا ہو اس کا سرپرست باندھے پھر جو کچھ خود کرے اسے بھی کرائے۔ احرام کا وقت شوال، ذی قعدہ اور نویں ذی الحجہ سے ببد بانی کے دن کی طلوع فجر تک ہے، ان اوقات کے علاوہ اگر احرام باندھا ہے تو وہ عمرہ کا ہوگا۔ اس کے لئے ہر زمانے میں احرام باندھا جا سکتا ہے۔

حج کے ہونے کی پانچ شرائط ہیں: اسلام، آزادی، بلوغ، عقل اور موسم حج۔ اگر کسی بچے یا غلام نے احرام باندھا اور وہ مقام عرفہ یا مزدلفہ میں بالغ ہو گیا یا غلام تھا اور آزاد ہو گیا تو اس نے پھر سے احرام باندھا تو اگر دسویں ذی الحجہ کی صبح سے پہلے ہی وہ عرفہ میں واپس آ گیا تو اس کا یہ حج فریضہ حج کی تکمیل کر دے گا کیونکہ درحقیقت حج قیام عرفہ کا نام ہے مگر ایسی صورت میں اس پر کوئی قربانی واجب

نہیں ہوگی۔ عمرہ کے لئے مذکورہ بالا پانچ شرائط میں سے وقت کے سوا باقی چار شرطیں کافی ہیں۔

اگر کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے تو یہ ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنا فریضہ حج ادا کر چکا ہو۔ نفل حج وہ شخص کر سکتا ہے جو پہلے فریضہ حج ادا کر چکا ہو یا اگر حالتِ وقوف عرفہ میں حج کو فاسد کر چکا ہے تو اسے قضا کر چکا ہو اور اگر حج کی منت مانی ہو تو اسے پورا کر چکا ہو اور اگر حج بدل کرنا تھا تو کر چکا ہو، ان کے بعد ہی وہ نفل حج ادا کر سکتا ہے۔ حج میں مذکورہ بالا ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

حج کے فرض ہونے کی یہ شرط ہے کہ آزاد ہو اور حج کی استطاعت رکھتا ہو۔ یہ دونوں شرائط پائی جائیں گی تو حج واجب ہو جائے گا اور عمرہ بھی۔

اگر کوئی شخص تجارت یا زیارت کے لئے مکہ جاتا ہے تو احرام باندھنا لازمی ہے۔ اگر حج کا موسم ہو تو حج کر لے ورنہ عمرہ کر کے واپس ہو۔

استطاعت دو طرح کی ہے۔ ایک تو خود اپنی طرف سے حج کرنے کی استطاعت، اس کا مطلب یہ ہے کہ تندرست ہو، راہ پر امن ہو، آنے جانے کا پورا خرچ ہو، اپنے اور متعلقین کے لئے ضروری اخراجات کا پورا سامان ہو اور کسی قسم کا قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ استطاعت کی دوسری صورت یہ ہے کہ حج بدل کے لئے بھیجا جا رہا ہو۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ جسے حج کے لئے بھیجے وہ خود اپنا فریضہ حج ادا کر چکا ہو اور حج بدل کرنے والے کے پاس ادائے قرض سے فارغ ہو کر حج بدل کی اجرت اور اخراجات کیلئے روپیہ موجود ہو۔

اگر کوئی شخص صاحبِ استطاعت ہے تو وہ حج کو موخر کر سکتا ہے۔ لیکن اگر حج فرض ہو گیا تھا اور تاخیر کرنے کے بعد مر گیا تو گنہ گار ہوگا۔

ارکانِ حج

حج کے پانچ رکن ہیں: احرام، طواف، سعی بین الصفا والمروہ، وقوف عرفہ اور سر منڈانا۔ عمرہ میں وقوف عرفہ نہیں ہے۔ باقی چار شرطیں اس کے لئے بھی ہیں۔ واجبات میں جن کے ترک کرنے پر قربانی دینے سے تکمیل ہو جاتی ہے، چھ ہیں: اگر میقات پر احرام نہ باندھے تو ایک قربانی دے۔ اگر عرفات میں غروب تک نہ ٹھہرے تو ایک قربانی دے، اگر رمی جمار چھوٹ جائے تو ایک قربانی دے۔ رات کو منیٰ اور مزدلفہ میں نہ ٹھہرے یا طواف وداع چھوڑے تو قربانی دے۔

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں:

۱۔افراد، جب صرف حج کی نیت کرے

۲۔قران، جب حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے

۳۔تمتع، جب صرف عمرہ کی نیت کر کے داخل حرم ہو پھر وہیں رہے اور پھر حج کر لے

افراد سب سے افضل ہے یعنی صرف حج کی نیت کرے اور اس کی تکمیل کرے اس کے بعد حدود حرم سے باہر آئے پھر عمرہ کرے۔سب سے بہتر یہ ہے کہ جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھے، اس کے بعد تنعیم بہتر ہے اور اس کے بعد حدیبیہ۔افراد کرنے والے پر کوئی قربانی واجب نہیں، جی چاہے تو نفلی قربانی دے دے۔

حج کی دوسری قسم قران ہے یعنی حج وعمرہ دونوں ایک ساتھ نیت کرنا۔اس میں طواف دو بار کرنا پڑتا ہے۔باقی سارے ارکان ایک جیسے ہیں۔اگر حاجی مکہ کا باشندہ نہیں ہے اور اس نے قران کیا ہے تو قربانی واجب ہے۔

حج کی تیسری قسم تمتع ہے یعنی پہلے عمرہ کی نیت کرے اس سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے اور حج ادا کرے۔اس کیلئے پانچ شرطیں ہیں:

۱۔حاجی مکہ کا باشندہ نہ ہو کہیں اور کا رہنے والا ہو۔

۲۔عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرے۔

۳۔عمرہ حج سے پہلے ادا کرے۔

۴۔حج ادا کرنے سے پہلے حدود میقات سے آگے نہ جائے۔

۵۔اگر حج بدل کر رہا ہے تو حج وعمرہ دونوں ایک ہی شخص کی طرف سے ہو۔

ان شرائط کے ساتھ تمتع کر سکتا ہے۔تمتع کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہے۔اگر قربانی نہ دے سکے تو تین روزے ۹، ذی الحجہ تک اور سات روزے ایام تشریق کے بعد مسلسل یا بغیر تسلسل کے رکھے یعنی دس روزے رکھے۔سب سے افضل حج، افراد پھر قران پھر تمتع ہے۔

ممنوعات

حج اور عمرہ کے ممنوعات چھ ہیں:

۱۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا۔عورتوں کو سلے ہوئے کپڑے کی اجازت ہے، البتہ مونہہ ایسے نہ چھپائیں کہ نقاب چہرے سے لگے۔مرد نہ تو سلے کپڑے پہن سکتے نہ سر ڈھانپ سکتے ہیں البتہ چھتری وغیرہ کے سائے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔خوشبو لگانا، جسے بھی خوشبو شمار کیا جائے اس سے پرہیز کیا جائے۔

۳۔بال یا ناخن کٹوانا منع ہے۔سرمہ لگانے، حمام کرنے، پچھنے لگوانے اور کنگھی استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

۴۔جماع سے پرہیز۔

۵۔جنسی چھیڑ چھاڑ سے پرہیز۔

۶۔شکار سے اجتناب۔

اگر ان میں سے کسی بھی چیز کا ارتکاب کر لیا تو قربانی دینا واجب ہو جائے گا۔بعض صورتوں میں حج کے فاسد ہونے کا خطرہ ہے، بحالت احرام نکاح پڑھنا یا پڑھوانا منع ہے لیکن اگر کسی نے ایسا کیا تو قربانی لازم نہیں۔

ترتیب اعمالِ حج

پہلا مرحلہ، گھر سے میقات تک

پہلا مرحلہ گھر سے میقات تک ہے یعنی وہ مقام جہاں سے بغیر احرام کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس مرحلے میں آٹھ باتیں ضروری ہیں:

۱۔گناہوں سے توبہ، حق تلفی کا ازالہ، قرض کا ادا کرنا، گھر والوں کیلئے واپسی تک اخراجات کی فراہمی، امانتوں کی واپسی اور حلال زادِ راہ ساتھ لینا۔

۲۔ایسے رفیق حج کی تلاش کرنا جس سے دینی فائدہ کی توقع ہو۔

۳۔گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت پڑھنا جن میں سے پہلی میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھے۔فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَاَنْتَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ وَالْاَصْحَابِ احْفِظْنَا وَاِیَّاهُمْ مِنْ كُلِّ آفَةٍ وَعَاهَةٍ وَبَلِیَّةٍ

۴۔گھر کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْاَزِلَّ اَوْ اُزِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلِمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ اُجْهَلَ عَلَیَّ

۵۔سوار ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

۶۔ سنت یہ ہے کہ جب تک دن گرم ہو جائے منزل نہ کرے۔ رات میں سفر کرنا بہتر ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سفر اندھیرے میں کرو کیونکہ رات میں زمین کی طنابیں کھینچ دی جاتی ہیں، دن میں نہیں۔

۷۔ تنہا پیادہ سفر نہ کرے، کہیں کوئی لوٹ نہ لے۔

۸۔ بلندی پر جائے یا پستی کی طرف آئے یا وحشت وخوف محسوس کرے تو دعائیں پڑھیں۔

دوسرا مرحلہ

احرام: دوسرا مرحلہ احرام کا ہے یعنی میقات سے مکہ تک کا ہے اس میں پانچ امور ضروری ہیں:

۱۔ احرام باندھنے کے ارادے سے غسل کرنا، پورا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے حجامت بنوانے، ناخن ترشوانے اور ہر طرح کی صفائی کرلے۔

۲۔ سلے ہوئے کپڑے اتار دے، خوشبو لگائے، احرام کی حالت میں اگر یہ خوشبو باقی رہ جاتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۳۔ احرام کی نیت کافی ہے مگر مسنون یہ ہے کہ نیت کے ساتھ لبیک کہے۔ تلبیہ یہ ہے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

۴۔ احرام باندھنے کے بعد کہے "اے اللہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے، اسے میرے لئے آسان کردے، فرض کی ادائیگی میں میری مدد کر اور اسے قبول فرمالے"

تیسرا مرحلہ

مکہ مکرمہ میں داخلہ: تیسرا مرحلہ مکہ میں داخل ہونے سے طواف تک ہے، اس میں چھ باتیں ضروری ہیں:

۱۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ میں غسل کرے، حج میں نو غسل سنت ہیں، غسل احرام، مکہ میں داخل ہونے سے پہلے، طواف قدوم کا غسل، وقوف عرفہ کا غسل، وقوف مزدلفہ کا غسل، تینوں جمروں کی رمی کے تین غسل، طواف وداع کا غسل۔ جمرۂ عقبہ کی رمی کیلئے غسل نہیں

ہے۔ امام شافعی کے نزدیک طواف زیارت و وداع کے لئے غسل نہیں ہے۔ لہٰذا سات رہ جاتے ہیں۔

۲۔ شہر مکہ میں داخل ہونے سے پہلے دعا کرے۔

۳۔ بالائی گھاٹی سے داخل ہو جسے کداء گھاٹی کہتے ہیں رسول خدا ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا اور کدی گھاٹی کی طرف سے نکلے۔

۴۔ جب راس الروم تک پہنچے تو خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی یہ دعا پڑھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَدَارُکَ دَارُ السَّلَامِ تَبَارَکَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا بَیْتُکَ عَظْمَۃٌ وَکَرَمَۃٌ وَشَرَفَۃٌ اَللّٰھُمَّ فَزِدْہُ تَعْظِیْمًا وَّزِدْہُ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا

۵۔ باب بنی شیبہ کی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہو اور دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَمِنَ اللّٰہِ وَاِلَی اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

جب بیت اللہ کے قریب جائے تو دعا پڑھے:

۶۔ سیدھا حجر اسود کی طرف بڑھے بوسہ دے ورنہ دائیں ہاتھ سے مس کرے اور دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَمَانَتِیْ اَدَّیْتُھَا وَمِیْثَاقِیْ تَعَاھَدْتُہٗ اِشْھَدْلِیْ بِالْمُوَافَاةِ

اگر بوسہ بھی نہ دے سکے تو سامنے کھڑے ہو کر مذکورہ دعا پڑھے اور فوراً طواف قدوم میں لگ جائے۔ اگر فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو تو پہلے اس میں شریک ہو پھر طواف کرے۔

چوتھا مرحلہ

طواف: چوتھا مرحلہ طواف کا ہے کسی قسم کا بھی طواف ہو چھ باتیں ضروری ہیں:

۱۔ طواف نماز کی طرح ہے لہٰذا وضو وغیرہ کے جو شرائط نماز کیلئے ہیں، طواف کے لئے بھی ہیں۔ البتہ طواف میں باتیں کرسکتا ہے۔ ابتدائے طواف میں اضطباع کرے یعنی چادر کے درمیانی حصے کو داہنی بغل کے نیچے اور دونوں اطراف کو بائیں کاندھے پر ڈال لے۔ طواف شروع کرتے ہی لبیک کہنا بند کردے اور جو دعائیں ہم آگے لکھیں گے وہ پڑھے۔

۲۔ طواف کا یہ طریقہ ہے کہ دیوار کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ کی طرف کرکے تین قدم چھوڑ کر کعبہ کے اردگرد سات چکر لگائے۔ ابتداء حجر اسود کے چومنے سے کرے۔ دوسری بار کے چومنے تک ایک پھیرا ہوتا ہے۔ اسی طرح سات بار کرے۔

۳۔ابتدائے طواف میں یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۔تین پھیروں میں کاندھے کو ذرا جھٹکا کر چلے، باقی میں معمولی رفتار رکھے، ہر پھیرے میں حجر اسود اور رکن یمانی کا چومنا مستحب ہے۔

۵۔سات پھیرے لگانے سے طواف مکمل ہو جاتا ہے۔اب ملتزم پر آئے یعنی بعد کی دیوار کا وہ حصہ جو دروازہ و حجر اسود کے درمیان واقع ہے۔یہ قبولیت کی جگہ ہے۔یہاں پہنچ کر غلاف کعبہ کو پکڑ کر منہ کعبہ سے لگا کر دعا کرے، حضرت محمدؐ اور رسولوں پر درود بھیجے۔

۶۔بعدازاں مقام ابراہیم کی طرف آئے اور دو رکعت پڑھے۔پہلی میں سورۃ لاکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہر سات پھیرے کے لئے دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔

پانچواں مرحلہ

سعی: طواف سے فارغ ہونے کے بعد مسجد حرام کے باب صفا سے نکل کر کوہ صفا پر جائے بقدر قد آدم اس چھوٹی سی پہاڑی پر تھوڑا سا چڑھنا مستحب ہے۔رسول خدا ﷺ اتنا چڑھے تھے کہ کعبہ نظر آنے لگا تھا۔اس کے دامن میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔سعی کی ابتداء دامن کوہ سے کرے، یہی کافی ہے۔لیکن چند سیڑھیاں چڑھ جانا اچھا ہے۔یہاں سے کوہ مروہ کی طرف منہ کر کے سعی شروع کرے جب کوہ مروہ پر پہنچ گیا اور وہاں چڑھ کر صفا کی طرف منہ کر لیا تو ایک پھیرا مکمل ہو گیا۔پھر کوہ صفا پر واپس ہوا اور مروہ کی طرف متوجہ ہوا تو دوسرا پھیرا ہو گیا۔اس طرح سات پھیرے مکمل کر لے۔اب طواف قدوم اور سعی سے (جو سنت ہے) فراغت ہو گئی۔سعی میں بھی پاک اور باوضو ہونا چاہیے لیکن طواف میں پاک اور باوضو ہونا واجب ہے۔اگر سعی قدوم کر چکے تو وقوف عرفہ کے بعد سعی نہیں کرنی چاہیے۔بس سعی رکن حج ہے اور کافی ہے۔

چھٹا مرحلہ

وقوف عرفہ: چھٹا مرحلہ وقوف عرفہ کا ہے۔اگر کوئی حاجی ۹ ذی الحجہ کو پہنچ سکا اور عرفات ہی میں آکر شریک حج ہو سکا تو وقوف عرفہ سے پہلے نہ مکہ میں داخل ہوا اور نہ طواف قدوم کرے۔اگر اس سے

بیشتر مکہ آ گیا اور طواف کر چکا تو وہ اسی طرح احرام باندھے، ساتویں تک انتظار کرے۔ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کے بعد کعبہ کے قریب خطیب اعلان کرے۔کل یعنی آٹھویں کو منیٰ جا کر رات بسر کرے اور نویں کو عرفات جا کر وقوف کرے۔اس لئے کہ وقوف عرفہ فرض ہے۔یہ نویں تاریخ کے زوال سے پہلے دسویں کی صبح صادق تک ہے۔بس دراصل حج یہی ہے۔اگر یہ نہیں ہو سکا تو حج نہیں ہوا۔پھر قربانی دے کر عمرہ سے حلال ہو جانا چاہیے اور حج کو آئندہ سال کیلئے اٹھا رکھے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ عرفات میں قیام کرنے کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

ساتویں ذی الحجہ یوم الاعلان ۔ آٹھویں یوم الترویہ

نویں یوم عرفہ ۔ دسویں یوم النحر

گیارھویں یوم القرار ۔ بارھویں یوم النفر الاول

تیرھویں یوم النفر الثانی

ان دنوں کے اعمال حج یہ ہیں۔ترتیب کا خیال رکھنا چاہیے ورنہ قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

آٹھویں کو یوم الترویہ ہے۔اس دن بعد نماز فجر مکہ سے روانہ ہو کر منیٰ چلے جانا چاہیے۔اگر کوئی شخص سات ذی الحجہ کو آ جائے تو مضائقہ نہیں۔یہاں مسجد خیف میں آٹھویں کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں کی نماز فجر پڑھنی چاہیے۔اگر مغرب کی نماز وہاں نہ پڑھ سکے تو دوسری جگہ پڑھ لے لیکن منیٰ ہی میں رہے۔

یوم عرفہ یعنی نویں کو فجر کی نماز کے بعد عرفات کی طرف چلے جانا چاہیے اور زوال آفتاب سے پہلے پہنچ جانا چاہیے۔یہاں سوائے وادی عرفہ کے جہاں چاہے ٹھہر جائے۔میدان عرفات میں غسل کر کے باوضو داخل ہونا بہتر ہے۔زوال کے بعد امام دو خطبے دے گا اور ظہر و عصر کی نماز آگے پیچھے ایک ساتھ پڑھائے گا۔عرفات میں مغرب کی نماز کے وقت تک رہے اس کے بعد مزدلفہ روانہ ہو جائے۔عرفات کے قیام کے بعد سب سے اہم فریضہ ختم ہوا۔اگر کوئی شخص دسویں کی صبح تک نہیں پہنچ سکا تو اس کا حج نہیں ہوا۔

ساتواں مرحلہ

قیام مزدلفہ: مزدلفہ میں مغرب و عشاء ایک اذان اور اقامت سے پڑھی جاتی ہیں۔ان کے بعد سنت مغرب، عشاء کی سنتیں اور وتر پڑھے جاتے ہیں۔رات مزدلفہ میں گزارنی چاہیے۔اگر کوئی حاجی آدھی رات سے پہلے وہاں سے روانہ ہو گیا تو قربانی لازم ہوگی۔

یوم النحر ، یعنی دسویں کو مزدلفہ میں نماز پڑھ کر منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ راہ میں وادی محسر آتی ہے یہاں سے تیزی سے گزرنا چاہیے۔ مزدلفہ سے روانگی کے وقت چھوٹی چھوٹی ستر کنکریاں ساتھ لے لینی چاہئیں۔ ستر کافی ہیں، زیادہ لینے میں مضائقہ نہیں۔ کنکریاں چھوٹی ہوں، مشعر حرام تک پہنچے، جو کہ مزدلفہ کا آخر ہے تو کھڑے ہو کر دعا کرے۔ منیٰ سے آگے چل کر راہ پر تین مقامات پر چبوترے کے سے نشان ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر سات سات کنکریاں مارے۔ ضروری نہیں ہے کہ نشان پر ہی لگیں۔ طلوع آفتاب کے بعد ایسا کرنا چاہیے۔ رمی کے بعد تلبیہ ختم کر کے تکبیر وتحمید کرنی چاہیے۔ بعد ازاں قربان گاہ پر آ کر واجب یا مستحب یا نفل قربانی پیش کرے۔ قران یا تمتع والوں پر قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی نہیں کر سکتا تو سات، آٹھ اور نو ذی الحجہ کو روزے رکھے اور سات حج کے بعد مکہ میں یا گھر واپس آ کر۔ جو لوگ سادہ حج کرتے ہیں ان پر قربانی واجب نہیں ہے۔

قربانی کے بعد مردوں کو چاہیے کہ وہ بال منڈوالیں۔ اگر بال نہ ہوں تو استرا پھروالیں۔ عورتوں کو چاہیے کہ سر کے کسی حصے سے دو تین انگلیوں کے برابر بال کٹوالیں یا ایک ہی بال کٹوالیں۔ عورت کے لئے سر منڈوانا روا نہیں۔ بال منڈوانے کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے۔ اب سوائے شکار اور جماع کے سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔

اسی دن مکہ آ کر طواف زیارت کرے۔ یہ طواف رکن وطواف فرض کہلاتا ہے۔ اس کے لئے ۱۲ ذی الحجہ تک کی معیاد ہے لیکن بہتر ہے کہ دسویں ہی کو فارغ ہو لے۔ پھر واپس منیٰ آجائے اور رات یہیں گزارے۔ گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں رات یہیں بسر کرنا مسنون ہے۔ ان دونوں میں زوال کے بعد تینوں جگہ کنکریاں مارنے چلا جایا کرے۔ ۱۳ ذی الحجہ کو عصر کے بعد مکہ آجائے۔ اب حج کی تکمیل ہو گئی۔

آٹھواں مرحلہ

عمرہ: مکہ اور مدینہ کی راہ میں تین میل دور تنعیم پڑتا ہے۔ جب تک مکہ میں رہے جتنی بار ہو سکے وہاں جا کر عمرہ کا احرام باندھ لے اور مکہ آ کر طواف وسعی کر کے عمرہ کی تکمیل کیا کرے۔ عمرہ میں مندرجہ ذیل امور واجب ہیں۔ نیت، احرام، طواف، سعی اور سر منڈوانا۔ اس کے بعد عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔

نواں مرحلہ

طواف وداع: مکہ سے روانگی کے وقت، کعبہ سے رخصت ہو یعنی طواف وداع کرے۔ یہ بھی

عام طوافوں کی طرح ہوتا ہے۔ آخر طواف میں جو کہ سات بار ہوتا ہے توبہ واستغفار اور پھر حاضر ہونے کی دعا کرے۔ حج رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہیے۔ مخلوق خدا کو نفع پہنچائے، کوئی کاروبار یا تجارت نہ کرے اور دل کو دنیا کے معاملات سے خالی رکھے، اچھی طرح سمجھ لو۔

دسواں مرحلہ

زیارت مدینہ منورہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد زیارت کی گویا زندگی میں زیارت کی۔ مدینہ کا قصد ہو تو بکثرت درود پڑھے وہاں پہنچ کر دعا کرے۔

باب ۸

تلاوت قرآن

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص قرآن شریف پڑھے اور یہ خیال کرے کہ کوئی اس سے بڑھ کر نعمت بھی ہے تو اس نے اُس نعمت کی تحقیر کی جسے اللہ نے عظیم قرار دیا ہے‘‘۔ نیز فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن قرآن سے زیادہ بڑا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔ نہ کو نبی، نہ فرشتہ نہ اور کوئی دوسرا‘‘۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’’مخلوق کے دو ہزار سال پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے طٰہٰ اور یٰسین پڑھیں۔ فرشتوں نے سنیں تو کہا قابل مبارک باد ہے وہ قوم جس پر یہ نازل ہونگی اور مبارک باد کے قابل ہیں وہ سینے جوان سورتوں کے حامل ہوں گے اور وہ زبانیں قابل مبارک باد ہیں جوان کی تلاوت کریں گی‘‘۔

غافلوں کی تلاوت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ’’قرآن کے بہت سے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں جن پر قرآن لعنت کرتا ہے‘‘۔

ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں: ’’عذاب کے فرشتے بت پرستوں سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ان حاملینِ قرآن کو پکڑیں گے جو قرآن کے ہوتے ہوئے خدا کی نافرمانی کرتے ہیں‘‘۔

تورات میں ہے:

’’اے بندے! تجھے شرم نہیں آتی، اگر راہ چلتے بھی تجھے کسی بھائی کا خط ملتا ہے تو اس کے خط کو پڑھنے بیٹھ جاتا ہے، اسے بڑے غور سے پڑھتا ہے تاکہ اس کا کوئی حرف تیری نظر سے نہ رہ جائے اور یہ میرا خط ہے جو میں نے تجھ پر نازل کیا۔ دیکھ میں نے کتنی تفصیل سے بار بار باتیں بیان کی ہیں تاکہ تو اچھی طرح سمجھ سکے اور خوب غور کرے۔ تو پھر بھی اس سے منہ پھیرتا ہے۔ کیا میں تیرے نزدیک تیرے بھائی سے بھی کم تر ہوں؟ اے بندے، تجھ سے کوئی آدمی ایک بات بیان کرتا ہے تو دل سے اس کی بات سنتا ہے۔ ایسے میں اگر کوئی شخص باتیں کرنے لگتا ہے یا کوئی کام آن پڑتا ہے تو اشارہ کرتا ہے کہ ٹھہر جاؤ اور ادھر یہ حال ہے کہ تجھ سے باتیں کر رہا ہوں، تیری طرف ملتفت ہوں اور تو مجھ سے منہ موڑ کر دوسری طرف دل لگائے ہوئے ہے۔ کیا تو نے مجھے دوسرے آدمیوں سے بھی کم تر سمجھا

ہے؟‘‘

اللہ تعالیٰ اس بات سے بدرجہا بلند ہے۔

آدابِ تلاوت

تلاوت باوضو اور باادب بیٹھ کر کرنی چاہیئے یا احترام کے ساتھ کھڑے ہو کر۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ تلاوت نماز میں ہو۔ تلاوت میں جلدی نہ کرے کیونکہ رُسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’جس نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے سمجھ کر نہیں پڑھا‘‘۔

ایک رات میں ختم کرنے کو اچھا نہیں سمجھا گیا۔ ایک ہفتے میں ایک ختم بہتر ہے۔ تلاوت میں ترتیل مستحب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’قرآن درمندی کے ساتھ نازل ہوا لہٰذا پڑھو تو درمندی کے ساتھ پڑھو‘‘۔ دوران تلاوت میں آیات سجدہ کا خیال رکھے خواہ خود تلاوت کر رہا ہو یا کسی سے سن رہا ہو۔ اگر باوضو ہو تو فوراً سجدہ کرے۔ قرآن میں چودہ سجدے ہیں۔ دو سجدے سورۃ حج میں ہیں اور سورۃ صٓ میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

تلاوت کے وقت عظمتِ خداوندی کا خیال رہے، سمجھ کر پڑھے، یہ اللہ کی عنایت ہے کہ اپنے کلام کو مقام جلالت سے اتار کر ایسا کر دیا کہ بندے اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر اس کی صفت کلام، حروف میں پوشیدہ نہ ہوتی تو عرش بھی عظمتِ کلام کو برداشت نہ کر سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو نہ سنبھالتے تو وہ تابِ کلام نہ لا سکتے۔ تلاوت کرتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ربِّ ذوالجلال اس سے ہم کلام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قرآن کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، ایک شروع ہے اور ایک آخر‘‘۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ’’اگر قرآن کی تفسیر سے ستر اونٹ بھی بھر لو تو اسرار ختم نہ ہوں اور اس کے عجائبات تمام نہ ہوں‘‘۔

جس قدر دل پاک ہوگا اتنے ہی معانی کھلیں گے۔ قرآن کی طرح تفسیر کا تعلق نقل وسماع سے نہیں ہے۔ دیکھو رُسول اللہ ﷺ نے ابن عباسؓ کو دعا دی تھی کہ اے خدا! اسے دین میں سمجھ عطا کر اور تاویل کا علم دے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

’’اسے وہ لوگ جانتے ہیں جو تحقیق کرتے ہیں۔‘‘ (النساء: ۸۳)

اس سے اہل علم کے لئے تحقیق کا حق ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف نقل وسماع تک معانی قرآن کو محدود نہ سمجھنا چاہیئے۔

باب ۹

ذکرودعا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

''اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔'' (المومنون:٦٠)

نیز فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

''جب نماز ختم کر چکو تو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے رہا کرو۔'' (النساء:١٠٣)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''غافلوں کے درمیان ذکرخدا کرنے والا ایسا ہے جیسے مُردوں میں زندہ ہو''۔ نیز فرمایا: ''غافلوں میں خدا کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھی لکڑیوں میں سرسبز وشاداب شاخ''۔ فرماتے ہیں: ''جب کوئی گروہ اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو اسے فرشتے گھیر لیتے ہیں، ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور اللہ مقربین میں ان کا ذکر کرتا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور ذکر خدا نہ کیا نہ اللہ کے رسولؐ پر درود بھیجا تو یہ مجلس روز محشر ان کیلئے افسوس کا سبب ثابت ہوگی''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے جو سب سے بہتر بات کہی وہ لاالہٰ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی نے ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد اللہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا، پھر ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملکُ ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علےٰ کل شی قدیر کہہ کر سو کا عدد پورا کر دیا، اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''۔

روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! دنیا نے مجھ سے منہ موڑ لیا ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم فرشتوں کے درود اور خلائق کی اس تسبیح سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے جس کے ذریعہ لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے؟ راوی بیان کرتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا طلوع فجر سے نماز صبح تک

سو بار سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم وبحمدہ، استغفراللہ پڑھا کر دنیا تمھارے پاس جھک کر آئیگی، اس کے ہر کلمہ سے اللہ ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اس کی تسبیح کرتا رہے گا اور تمھیں اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ فرمایا: ''جب کوئی بندہ الحمدہ اللہ کہتا ہے تو ارض وسما بھر جاتے ہیں پھر دوبارہ کہتا ہے تو ساری کائنات بھر جاتی ہے اور جب تیسری بار کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے، مانگ کیا مانگتا ہے، دیا جائے گا''۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یہ کلمات نہ مٹنے والی نیکیاں ہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بَاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ''۔ ارشاد فرماتے ہیں یہ وہ کلمات ہیں کہ جس کسی نے کہے اس کے گناہ بخش دیئے گئے خواہ سمندہ کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ابن عمرؓ)

اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ جتنے بھی ذکر ہیں سب میں حضور قلب نافع ہے ورنہ فائدہ قلیل ہے۔ اس لیے کہ ان کا مقصد اللہ سے مانوس ہونا ہے اور اللہ کے ساتھ وہی مانوس ہوسکتا ہے جس کا دل حاضر ہو۔ اسی کے ذریعہ تم برے خاتمے سے محفوظ رہو گے۔

آدابِ دُعا

دعا کے لئے خاص اوقات کو نگاہ رکھے، باوضو، قبلہ رو ہو، آواز پست اور عاجزی وانکساری کا اظہار ہو، قبولیت کا یقین ہو اور آہ وزاری کے ساتھ دُعا مانگی جائے۔ دعا مانگنے سے پہلے مظالم کی تلافی کرے اور پہلے حمد خدا پھر درود شریف بھیجے پھر دعا کرے۔

دُرود کی فضیلت

روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو چہرہ مبارک پر خوشی اور بشاشت کے آثار ظاہر تھے۔ فرمایا: ''میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا اے محمدؐ! کیا یہ بات آپ کو پسند نہیں کہ آپؐ کی اُمت کا کوئی فرد ایک بار درود بھیجے تو میں اس پر دس بار درود بھیجوں''۔ فرماتے ہیں جو مجھ پر درود بھیجے گا فرشتے اس پر دس بار درود بھیجیں گے۔ اب چاہے کم بھیجو یا زیادہ۔

نیز فرمایا: ''جس کسی نے کسی تحریر میں درود لکھا فرشتے اسلئے دعائے مغفرت کریں گے، جب تک میرا نام اس تحریر میں موجود ہے''۔

فضیلت استغفار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

''جنہوں نے کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنے اوپر ظلم کیا پھر اللہ کو یاد کیا اور گناہوں کی معافی چاہی'' (آلِ عمران: ۱۳۵)

قرآن میں ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ

''جو صبح صبح استغفار کرتے ہیں'' (آلِ عمران: ۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں دن رات میں ستر بار استغفار کرتا ہوں اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں''۔

نیز فرمایا: ''جس نے دن بھر میں ستر بار استغفار کیا اس نے بھی کچھ زیادہ نہیں کیا''۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

''جس نے گناہ کیا اور یہ جان لیا کہ خدا آگاہ ہے، اس کا گناہ بخش دیا جائے گا۔ اگرچہ اس نے استغفار نہ کیا ہو''۔

فرماتے ہیں: ''اللہ فرماتا ہے اے بندو! تم سب گنہگار ہو سوائے ان کے جنھیں معاف کردوں۔ مجھ سے مغفرت چاہو معاف کردوں گا۔ جس نے یقین کیا کہ میں بخشنے کی قدرت رکھتا ہوں میں اسے بخش دیتا ہوں اور ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا''۔

حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہے: جس کسی نے سُبْحَانَكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَعَمِلْتُ سُوْٓءً فَاغْفِرْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ کہا، اس کے گناہ بخش دیئے گئے اگرچہ چیونٹیوں کے برابر ہوں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں۔ ''گناہ ترک کیے بغیر استغفار جھوٹوں کی توبہ ہے''۔

بہتر یہ ہے کہ دُعا کی ابتداء ان الفاظ سے کرے:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَی الْوَهَّابُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا

بعد ازاں یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ شَیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَشِرْكِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ

دُعائیں بہت سی ہیں۔ جس کسی سے حضورِ قلب میسر ہوا کرے وہی پڑھ لیا کرو۔

باب ۱۰

اوراد و وظائف

اوراد

یہ زمین اللہ نے اپنے بندوں کے لئے اس لیے بنائی ہے تاکہ یہاں وہ رہ کر آخرت کا توشہ مہیا کریں اور جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے بچتے رہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ یہ عمرِ رواں اس طرح ہمیں لے جا رہی ہے جیسے کشتی۔ ہماری حثیت مسافر کی سی ہے۔ اس سفر کی پہلی منزل گہوارہ اور آخری گور ہے۔ اصلی وطن جنت ہے یا دوزخ۔ اس سفر کی مسافت کا نام عمر ہے۔ سال سفر کی منزلیں ہیں، مہینے فرسنگ اور دن میلیں، سانس قدم، طاقت حق دولت، وقت سرمایہ اور شہوتیں وغیرہ راہزن ہیں۔ سفر کا نفع، جنت، آسائش جنت اور دیدار خدا ہے اور خسارہ دوزخ، عذاب اور اللہ سے دوری ہے۔ اس لئے جو شخص بھی ایک لحظہ غفلت میں گزارتا ہے وہ بڑے بھاری نقصان میں مبتلا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور ایسی ناکامی میں پھنس گیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔

فضیلت، ترتیب، احکام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"آپ کے لیے دن میں طویل تسبیح ہے اپنے رب کے نام کو یاد کرو اور سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ" (المزمل: ۷۔۸)

اگر تم ایسی کامیابی چاہتے ہو جس کے بعد ناکامی کا منہ نہ دیکھو تو دن رات اطاعت خداوندی میں صرف کرو۔ رسول خدا کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی گئی تھیں پھر بھی آپ کو اطاعت کا حکم تھا تو اچھی طرح سوچ لو تمہیں کس قدر اطاعت کی ضرورت ہے اور کتنے خطرے درپیش ہیں۔ دنیوی امور میں بقدرِ ضرورت وقت صرف کرو باقی آخرت کے لیے رکھو۔ تہجد کو نہ چھوڑو۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"قیام الیل ضرور کرو خواہ اتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جتنی دیر ایک بکری دوہی جاتی ہے۔"

نرم بستر استراحتِ نفس کے لئے تیار نہ کرو۔ نماز اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو حتیٰ کے نیند غالب آ جائے۔

رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم سوتے ہو تو شیطان پیشانی پر تین گرہ لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ پر مہر ہوتی ہے تاکہ ساری رات سوتے رہو۔ اگر اٹھ کر اللہ کو یاد کر لیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر وضو کیا تو دوسری اور پھر نماز پڑھی تو تیسری بھی۔ ایسا شخص صبح کو خوش خوش اٹھتا ہے ورنہ صبح کے وقت خباثت و تھکان کے ساتھ بیدار ہوتا ہے"۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ "رسول اللہ ﷺ کے حضور ایک ایسے شخص کا ذکر ہوا جو ساری رات سوتا رہا، فرمایا اس کے کان میں شیطان پیشاب کر گیا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بندہ رات کی تاریکی میں جو دو رکعت پڑھتا ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ اگر مجھے اُمت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو انھیں فرض کر دیتا"۔

فضیلت بھری راتیں

فضیلت والے دنوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ اب ہم صاحب فضیلت راتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ سال میں پندرہ ہیں: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتیں، سترھویں کی رات کیونکہ اس رات کو باطل وحق کے درمیان تفریق ہوئی اور میدان بدر میں دونوں طاقتیں ٹکرائیں۔ رمضان شریف کے علاوہ دوسری راتیں یکم محرم اور عاشورہ کی راتیں ہیں۔ رجب کی پہلی، پندرھویں اور ستائیسویں یہ شب معراج ہے۔ اس رات کی نماز کے بارے میں ارشاد رسول ﷺ ہے: "اس رات میں نیکی کرنے والے کیلئے سو سال کی نیکی کا اجر ہے"۔ شب معراج میں بارہ رکعتیں پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ قٓ پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھے اور اسلام پھیرے۔ سو بار استغفار اور سو بار درود شریف پڑھے۔ پھر جو دعا مناسب سمجھے دنیوی ہو یا اخروی اللہ کے حضور پیش کرے اور صبح کو روزہ رکھے۔ اللہ اس کی ساری دعائیں قبول کرے گا بشرطیکہ معصیت کی دعا نہ ہو۔

پندرھویں شعبان کی رات میں سو رکعت پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد دس بار سورۃ اخلاص پڑھے۔ عیدین کی رات میں جاگنا اور ذکر الٰہی کرنا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "جس نے عیدین کی راتوں کو زندہ رکھا اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہو گا جس دن اوروں کے دل مردہ ہوں گے"۔ ماہ ذی الحجہ کی آخری رات کی بھی بڑی فضیلت ہے۔

باب ۱۱

کھانے پینے کے آداب

کھانا پینا اس ارادے سے کرو کہ قوت حاصل ہو اور خدا کی بندگی کر سکو۔ صرف حلال غذا کھانی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

"اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور بھلے کام کرو" (المومنون:۵۱)

اللہ کے لئے کھاتے ہو تو پہلے ہاتھ پاک کرو۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے: "کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینا فقر کو دور کرتا ہے اور بعد میں دھونا جنون کو دور کرتا ہے"۔ کھانا دستر خوان پر رکھ کر کھائے یہ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو زمین پر رکھ کر تناول فرماتے۔ اس طرح عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ فرماتے تھے: "میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا، میں ایک بندہ ہوں اور اس طرح کھاتا پیتا ہوں جیسے غلام کھاتے ہیں"۔

آپ کے بعد چار نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں: (۱) تپائیاں (۲) چھلنیاں (۳) اشنان (ایک قسم کی گھاس جو بطور صابن ہاتھ دھونے کے لیے استعمال کی جاتی ہے) (۴) شکم سیری۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تپائی پر کھانا منع ہے کیونکہ ہر نئی چیز منع نہیں ہوتی۔

دستر خوان پر شروع سے لے کر آخر تک اطمینان سے بیٹھا رہے۔ آپ اسی طرح کرتے تھے۔ کبھی دونوں گھٹنے موڑ کر بیٹھتے اور کبھی ایک پائے مبارک کو بچھا کر داہنا پاؤں کھڑا کر کے بیٹھتے۔ لیٹ کر یا تکیہ لگا کر کھانا مکروہ ہے۔ سوائے فواکہ کے ان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کھانے میں کم کھانے کا ارادہ رکھنا چاہیئے کیونکہ بسیار خوری سے عبادت نہیں ہو سکتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اولادِ آدم نے پیٹ سے بدتر اور کوئی ظرف نہیں بھرا، انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پیٹھ سیدھی رہ سکے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ایک تہائی شکم کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے واسطے اور ایک تہائی سانس کے لیے چھوڑ دے"۔

جب تک خوب بھوک نہ لگے نہ کھائے کیونکہ پیٹ بھرے پر پھر پیٹ بھر لینا دل کو سخت کر دیتا

ہے۔ پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ روک لینا چاہیئے۔ کھانے پر اچھے سالن اور اچھے کھانے کا انتظار کرنا روٹی کی توہین ہے۔ جہاں تک ہو سکے کھانے والے زیادہ سے زیادہ ہوں۔ کوئی اور نہ ہو تو اپنے اہل و عیال ہی کو شریک کر لینا چاہیئے۔ بہتر کھانا وہ ہے جس میں کھانے والے زیادہ ہوں۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ تنہا کھانا تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

کھانے کا طریقہ

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور کھا چکے تو الحمد للہ کہے۔ بہتر ہے کہ ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہے تاکہ یادِ خدا قائم رہے۔ پہلے پر بسم اللہ، دوسرے پر بسم اللہ الرحمان اور تیسرے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے۔ بسم اللہ آواز سے کہے تاکہ دوسروں کو بھی یاد آ جائے۔ دائیں ہاتھ سے کھائے، شروع اور آخر میں نمکین چیز کھائے۔ لقمے چھوٹے لے اور ہر لقمہ اچھی طرح چبائے۔ سامنے کا کھانا چھوڑ کر دور کی رکابیوں کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ کسی کھانے کو برا نہ کہے۔ جو اچھا لگے کھا لے جو اچھا معلوم نہ ہو چھوڑ دے۔ حضور ﷺ کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے۔

ایک طرف سے کھانا لے، طشت کے بیچ سے نہ لے۔ روٹی یا گوشت کو چھری سے نہ کاٹے اس کی ممانعت آئی ہے۔ روٹی پر پیالہ نہ رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روٹی کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی برکت نازل فرمائی ہے۔ روٹی سے ہاتھ صاف نہ کرنے چاہئیں۔ اگر لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اسے اٹھا لینا چاہیئے۔ صاف کر کے کھا لو شیطان کیلئے نہ چھوڑو۔ کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر دو۔ گرم کھانے میں پھونک نہ مارو اس کی ممانعت ہے۔ پھل طاق عدد میں کھاؤ۔ کھجوریں کھا کر گٹھلیاں کھجوروں کے ساتھ برتن میں نہ رکھو۔ پینے کے لئے برتن دائیں ہاتھ میں تھامو۔ بسم اللہ پڑھو اور آہستہ آہستہ گھونٹ پیو۔ تین سانسوں میں پیو۔ پینے کے بعد یہ دعا پڑھو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَہٗ عَذْبًا فُرَاتًا وَّلَمْ یَجْعَلْ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا

اگر کوئی چیز تقسیم کرو تو داہنی سمت سے شروع کرو۔ کھانے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جمع کر لو۔ کہتے ہیں جس نے رکابی صاف کی اسے غلام کی آزادی کے برابر ثواب ملا۔ جب تک دستر خوان نہ اٹھا لیا جائے کھڑے نہ ہو البتہ اگر اور لوگوں کو دستر خوان پر کھانا ہے، تو کھڑے ہو جاؤ اور یہ دعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَتَنَزَّلُ الْبَرَکَاتُ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْہُ قُوَّۃً عَلٰی مَعْصِیَتِکَ

پھر سورۃ اخلاص و ایلاف پڑھے۔ اگر کھانا کسی دوسرے کے گھر کھایا ہو تو کہے:

اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَاَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ

یہ پڑھنا بھی مستحب ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَآوَانَا سَیِّدُنَا وَمَوْلَانَا

اس کے بعد فارغ ہو کر ہاتھ دھوئے۔

اگر کہیں کھانا کھانے کا بہت سے لوگوں کے ساتھ اتفاق ہو تو بڑوں کو ابتدا کرنے دو۔ البتہ اگر وہاں تمھاری حثیت متبوع و مخدوم کی سی ہو تو تم ابتدا کرو۔ آپس میں اچھی اچھی باتیں کرو، کسی کو کھانے کی قسم نہ دو۔ حضرت حسن بن علیؓ نے فرمایا ہے کھانا قسم سے کم تر ہے۔ البتہ کھانے کے لیے تین بار اصرار کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص تعظیماً تمھارے سامنے طشت اٹھا کر پیش کرے تو اس میں سے کچھ نہ کچھ قبول کر لو۔ ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ثابت بنانیؒ ساتھ کھانے بیٹھے تو انسؓ نے طشت پیش کیا۔ ثابت نے ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت انسؓ نے فرمایا اگر تمہارا کوئی بھائی اکرام کرے تو اسے قبول کر لو اور اس کے اکرام کو واپس نہ کرو۔ اللہ عزت دیتا ہے۔

سب کو چاہیے کہ ایک ہی برتن میں ہاتھ دھوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اس سے یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ میزبان کو چاہیے کہ وہ پانی ڈالے اور دائیں سے بائیں پانی کا برتن گھمائے۔ دسترخوان پر ایسی حرکتیں نہ کرو جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں،۔ جیسے لوگوں کے چہروں کی طرف دیکھنا، ہاتھ کو برتن میں جھٹکنا یا کم خوری دکھانے کے لئے کھانے سے جلدی ہاتھ کھینچ لینا۔ حضرت جعفر بن محمدؒ نے فرمایا ہے: ''جب کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھو تو دیر تک بیٹھے رہو، یہ ساعتیں تمہاری عمر میں شمار نہ ہونگی''۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

فرشتے تم پر اس وقت تک رحمت بھیجتے ہیں جب تک تمھارے سامنے دسترخوان دھرا رہتا ہے۔''

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: ''انسان جو کچھ اپنے اور اپنے ماں باپ پر خرچ کرتا ہے اس کا حساب ہوگا، لیکن جو اپنے بھائیوں کے کھانے پر صرف کرتا ہے وہ دوزخ کے لئے حجاب بن جائے گا''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ''ایک سیر کھانے پر میں اپنے بھائیوں کو جمع کر لوں یہ بات ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے''۔

لوگ جب کبھی قرآن کی تلاوت کے لیے جمع ہوتے تو کچھ نہ کچھ کھا پی کر ہی منتشر ہوتے ہیں

تھے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ دریافت کرے گا اے خدا میں کیسے تجھے کھلاتا تُو تو سارے عالم کا پروردگار ہے۔ اللہ فرمائے گا تیرا فلاں بھائی بھوکا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا، اگر اسے کھلاتا تو مجھے ہی کھلاتا''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جنت میں ایسے حجرے بھی ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی اندر سے دکھائی دیتا ہے۔ یہ ان کے لیے جو نرم گفتگو کرتے ہیں، لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور جب لوگ سوتے رہتے ہیں، اس وقت نماز پڑھتے ہیں''۔

دعوت میں بغیر بلائے نہیں جانا چاہیئے البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ میزبان اسے دیکھ کر خوش ہوگا تو مضائقہ نہیں۔ رسُول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر بلائے کھانے گیا وہ فاسق کی چال چلا اور اس نے حرام کھایا سوائے اس شخص کے جسے معلوم ہو کہ میزبان اسے دیکھ کر خوش ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور ابوالہیثم بن تیہانؓ کے گھر بغیر بلائے کھانے کے لیے گئے اور وہ بھوکے تھے۔

اگر کوئی شخص کسی عزیز قریب یا دوست کے گھر جائے اور صاحب خانہ موجود نہ ہو اور یہ جانتا ہو کہ وہ خوش ہوگا، تو وہ کھا سکتا ہے۔ میزبان سے کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرنی چاہیئے یہ اچھی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے اس کے لیے دشواری پیدا ہو جائے۔ البتہ اگر یہ یقین ہو کہ میزبان کو کوئی دشواری نہ ہوگی تو جائز ہے۔ اگر میزبان دو چار کھانوں میں سے کسی کو انتخاب کرنے کا اختیار دے تو آسان کو ترجیح دے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میزبان مہمانوں سے ان کی اپنی اپنی پسند کے بارے میں دریافت کرے۔ یہ تو بڑے ثواب کی بات ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: ''جس کسی نے اپنے بھائی کو اس کی پسند سے لذت یاب کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہزاروں نیکیاں لکھ دیتا ہے، ہزاروں گناہ بخش دیتے ہیں اور اسے تین جنتوں سے متمتع کرتے ہیں، جنتِ فردوس، جنت عدن، جنت خُلد۔''

مہمان سے یہ نہ دریافت کرے کہ کھانا لادوں بلکہ سامنے لا کر رکھ دے۔ پسند آئے گا تو کھالے گا ورنہ اٹھالے۔ امام ثوریؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

آداب ضیافت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہمان کے لیے تکلف نہ کرو۔ جس نے تکلف کیا اس نے مہمان سے

نفرت کی اور جس نے مہمان سے نفرت کی، خدا اسے نفرت کی اور جو خدا سے نفرت کرتا ہے خدا اس سے نفرت کرتا ہے۔

ضیافت خواہ امیر کی ہو یا غریب کی، قبول کرنا مناسب ہے۔ بعض آسمانی کتابوں میں ہے: ''ایک میل چل کر مریض کی عیادت کرو، دو میل تک جنازے کا ساتھ دو اور تین میل چل کر دعوت قبول کرو''۔

حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے: ''اگر میں کراع میں بھی دعوت پر بلایا جاؤں تو قبول کروں گا''۔ کراع مدینے سے چند میل دور ہے۔ اگر کسی نے نفل روزہ رکھا ہے اور دعوت پر بلایا گیا ہو تو روزہ توڑ دے کیوں کہ کسی کے دل کا خوش کرنا اس سے بہتر ہے۔ اگر دعوت کرنے والا فاسق، ظالم، بدعتی، نام ونمود کا خواہاں ہو یا اس کی روزی مشتبہ ہو تو دعوت قبول نہ کرے۔ کہیں دعوت پر جائے تو میزبان کی اجازت سے واپس ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم عہد رسالت میں چلتے پھرتے کھاتے اور کھڑے ہو کر پانی پیا کرتے تھے۔ جس گھر میں کوئی مر جائے، وہاں کھانا پہنچانا مستحب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۱۲

آدابِ نکاح

اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ایک گوشہ میں عبادت کے لیے بیٹھ جانے سے یہ بہتر ہے کہ، انسان بیوی بچوں والا ہو۔ بعض کا قول ہے کہ نکاح یقیناً افضل ہے لیکن اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ اپنے آپ پر پوری طرح قابو رکھ سکے گا تو نکاح نہ کرنا اور گوشہ نشین ہو جانا بہتر ہے۔ اس دور میں چونکہ ذرائع آمدنی مشتبہ ہیں اور عورتوں کے اخلاق بھی اچھے نہیں اس لیے بعض علماء اس دور میں نکاح نہ کرنے کو بہتر کہتے ہیں۔ مگر ترغیب نکاح میں قرآن شریف کی آیات دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط

''اور نکاح کر دو جو تمہارے اندر بیوائیں ہوں اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کا''۔

(النور: ۳۲)

قرآن میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

''اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔'' (الفرقان: ۷۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''نکاح میری سنت ہے جو میری پیروی کرتا ہے اسے میری سنت پر چلنا چاہیے''۔

نکاح سے بچنے پر آپ کا یہ قول دلیل ہے: ''دو سو سال کے بعد اچھا آدمی وہ ہلکا پھلکا شخص ہوگا جس کے نہ بیوی ہو نہ بچہ''۔ نیز فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ انسان کی تباہی بیوی، بچے اور والدین کے سبب ہوگی۔ یہ لوگ عزت کا طعنہ دے کر ایسے اخراجات میں پھنسا دیں گے جو اس کے بس سے باہر ہوں گے لہذا وہ شخص ایسے ذرائع آمدنی اختیار کرے گا جس سے اس کا دین ضائع ہو جائے گا اور وہ برباد ہو جائے گا۔

مصائب وفوائد نکاح

اس کے بہت سے فائدے ہیں۔ صالح اولاد پیدا ہوتی ہے، شہوت پر قابو رہتا ہے، گھر کا نظام درست رہتا ہے۔ گھر کے افراد بڑھتے ہیں تو اخراجات کے لیے آدمی کوشش کرتا ہے، اس کا ثواب ملتا ہے۔ اگر اولاد صالح ہوئی تو اس کے لیے دعا کرتی ہے اور اگر مرگئی تو اس کے لیے شفیع ہوگی۔

نکاح کے نقصانات یہ ہیں کہ انسان کی آمدنی حلال نہ ہو، اخراجات کی تنگی ہو اور اہل وعیال کی صحیح کفالت نہ ہوسکتی ہو جو کہ واجب ہے۔ ان کے حقوق ادا نہ ہوسکتے ہوں۔ اہلِ خانہ کے ساتھ نرم سلوک ضروری ہے۔ اس پر اعلیٰ کردار کے انسان ہی قادر ہوسکتے ہیں۔

نکاح کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اہل عیال کی فکر، ذکر الٰہی و امور آخرت سے غافل کر دیتی ہے۔ اکثر بیشتر انسان بخیل ہوجاتا ہے اور یہ بات انسان کو برباد کردیتی ہے۔

ہم نے مصائب وفوائد دونوں بیان کردیئے ہیں، ہر شخص کے حالات مختلف ہیں اپنی حالت پر غور کرکے جو آخرت کے لیے مناسب ہے کرلو۔

شرائط نکاح

عقدِ نکاح کی چار شرطیں ہیں:

ا۔ سرپرست کی اجازت
۲۔ ایجاب وقبول
۳۔ عادل گواہوں کی موجودگی
۴۔ عورت کی رضامندی

اگر ولی نہ ہو تو حاکم کی اجازت ضروری ہے۔ ایجاب وقبول صاف صاف غیر مشتبہ ہو اور ایسے الفاظ کے ذریعہ ہو جو نکاح وتزویج کے لیے خاص ہیں۔ عادل گواہوں کا یہ مطلب ہے کہ وہ بظاہر عادل ہوں۔ کوئی بات خلاف عدل معلوم نہ ہو۔ لہٰذا مستورالحال گواہوں کی گواہی سے نکاح ہوجاتا ہے۔ اگر عورت بالغ بیوہ ہو یا مطلقہ ہو تو صراحتہً اسکی رضامندی ضروری ہے۔ عورت وکیل نکاح یا شاہد نکاح نہیں ہوسکتی۔

یہ بات آداب نکاح سے ہے کہ پہلے عورت کے سرپرست کو پیغام دیا جائے۔ عدت کے زمانے میں پیغام نہ دیا جائے۔ نہ کسی دوسرے کے پیام پر پیام دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا

ہے۔ ایجاب وقبول سے پہلے ایک خطبہ پڑھا جائے جس میں حمد وثنا اور درود وسلام ہو۔ بوقتِ ایجاب وقبول گواہوں کے علاوہ اچھے لوگوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔

یہ مستحب ہے کہ کنواری کے سامنے بھی اس کے ہونے والے شوہر کے سارے اخلاق وعادات وغیرہ بیان کردیئے جائیں۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھ لے۔ نکاح سے یہ مقصود ہو کہ اس کی نظریں قابو میں رہیں۔ صالح اولاد پیدا ہو اور امت محمدیہ کی وسعت ہو۔

اگر کوئی آزاد مرد، آزاد عورت کے مہر کے ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے باندی سے نکاح نہیں کرنا چاہیے۔ رضاعت سے حرمتِ نکاح اسی طرح ہوجاتی ہے جیسے نسب سے۔ اگر کوئی بچہ پانچ گھونٹ دودھ کسی عورت کا پی لیتا ہے تو یہ بات ثبوتِ رضاعت کے لیے کافی ہے۔ اس سے کم یہ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ نکاح کے بعد عورت میں یہ آٹھ باتیں خوشگوار زندگی کے لیے ضروری ہیں: دین، اخلاق، حسن، مناسب مہر، کنوارپن، عمدہ خاندان والی ہونا اور قریبی عزیز نہ ہونا۔

حسن معاشرت

مرد کو چاہیے کہ نکاح کے بعد ولیمہ کرے۔ فرمانِ نبویؐ ہے کہ نکاح کرو تو ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی ذبح کرسکو۔ شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا چاہیے، سزا اور تادیب میں بھی نرم سلوک کرے، وظائف زوجیت کے بارے میں بھی اچھائی سے پیش آئے۔ عزل یعنی حمل کو روکنا مکروہ ہے۔ بچہ پیدا ہو تو کان میں اذان دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔ بچے کا اچھا سا نام رکھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم حشر کے روز اپنے ناموں سے پکارے جاؤ گے، اچھے نام رکھو''۔ اگر ناپسندیدہ نام ہو تو اسے بدل دے۔ حضور ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میرا نام اور میری کنیت ایک ساتھ اختیار نہ کرو''۔ بچہ پیدا ہو تو کھجور یا کوئی میٹھی چیز اس کے تالو کو لگا دینی چاہیئے۔

عورت کو مرد کی اطاعت کرنی چاہیئے، ہر حال میں اس غم خوار رہے، اس کے مال حفاظت کرے، اس کے رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرے۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوسکے گا پھر بھی میں اپنی داہنی طرف دیکھوں گا تو ایسا معلوم ہوگا ایک عورت مجھ سے آگے جاری ہے۔ میں دریافت کروں گا یہ کون ہے جو مجھ سے آگے دروازے کی طرف بڑھتی جارہی ہے جواب دیا جائے گا اے محمدؐ! یہ ایک نیک عورت ہے جس کی نگرانی میں یتیم بچے تھے۔ اس

نے ان کی پرورش کی حتیٰ کے وہ جوان ہو گئے تو اللہ نے اسے اس نیکی کا صلہ عطا فرمایا''۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''کسی عورت کے لیے خدا اور رسول پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں کے مرنے والے کا سوائے شوہر کے تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔ لازم ہے کہ اس مدت میں عورت شوہر کے گھر میں رہے''۔

باب ۱۳

آدابِ کسب

آدابِ کسب

رزق حلال تلاش کرنے کا حکم ہے۔ جدوجہد کی فضیلت کے لیے حضور ﷺ کا یہ قول دلیل ہے: ''بعض ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش میں جدوجہد ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایماندار تاجر بروز حشر صدیقوں اور شہدا کے ساتھ ہوگا''۔ حدیث نبوی ہے: ''اللہ تعالیٰ ایماندار اہل حرفہ کو پسند کرتا ہے''۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھ پر یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں، بلکہ یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کروں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں حتیٰ کہ موت آجائے''۔

اچھی طرح ذہن نشین کرو کہ سوال کرنا برا ہے لہٰذا کسب بہتر ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کی مصروفیت سے امت کا نقصان ہو تو یہی بہتر ہے کہ خدمت قوم میں لگ جائے اور بقدرِ ضرورت بیت المال سے حاصل لے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو لوگوں نے ان سے تجارت چھڑا کر بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

معاملات کی درستی

بیع تین ارکان سے منعقد ہوتی ہے، بائع اور مشتری، مال اور الفاظِ معاملہ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ تینوں واضح اور صاف ہوں، مشتبہ نہ ہوں۔

۱۔ بائع (مال فروخت کرنے والا) اور مشتری (مال خریدنے والا) کی یہ شرائط ہیں کہ نابالغ، بچہ، پاگل غلام اور نابینا نہ ہو۔ کافر سے معاملہ جائز ہے۔ البتہ قرآن اور مسلمان غلام کو اس کے ہاتھ نہیں بیچا جا سکتا۔ اسی طرح برسرِپیکار کافر کے ہاتھوں سامانِ حرب فروخت کرنا منع ہے۔

۲۔ مال کے یہ شرائط ہیں کہ شراب، ناپاک چربی، اور ہاتھی دانت کی خرید وفروخت نہ کی جائے۔ اگر کسی تیل میں کوئی نجس چیز شامل ہو گئی ہو تو خریدار کو مطلع کر کے اسے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ کتے، حشرات الارض اور کھیل کود کے سامان وغیرہ کی بیع و شرعاً ناجائز

ہے۔ باتصویر کپڑے کی بیع جائز ہے کیونکہ اسے بچھایا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ایسے کپڑے کے بارے میں فرمایا تھا کہ اسے بچھا کیوں نہیں لیتی ہو۔
مال کا جائز ملکیت میں ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے قبضہ دیا جا سکے۔ مال معین اور معلوم ہو۔

۳۔ الفاظ معاملہ یعنی بیع وشراء کے لیے واضح الفاظ ہونے چاہئیں۔ فروخت کرنے والا بیچنے کا اعلان کرے اور خریدار اقرار کرے۔ روز مرہ کی چیزوں میں اشارہ اور قبضہ کافی ہے۔ سود کی سخت ممانعت اور وعید ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ بیع سلم اور اجارہ جائز ہے۔ اس کی شرائط فقہ کی کتابوں میں سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

معاملات میں بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ مفتی یا قاضی صحت کا حکم لگا دیتے ہیں لیکن دوسرے فریق کی حق تلفی ہو جاتی ہے۔ گو فقہی اعتبار سے معاملہ درست ہی ہو لہٰذا بندہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جن معاملات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان میں سے ایک ذخیرہ اندوزی ہے۔ خصوصاً جب کھانے پینے کی چیزوں میں ہو تو بندہ لعنت اور عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مال کے عیب کو چھپانا بھی داخل خیانت ہے۔ ناپ تول میں پوری احتیاط ضروری ہے۔ جو لوگ کم ناپتے تولتے ہیں ان پر سخت عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ

''خرابی ہے کم تولنے والوں پر'' (المطففین:۱)

دھوکے اور فریب کی ہر صورت حرام ہے۔ یہ بھی جائز نہیں کہ جس چیز کی خریداری مقصود نہ ہو خواہ مخواہ اس کے قیمت لگاتا پھرے یا کسی چیز کی بھاری قیمت مانگے تاکہ لوگ متوجہ ہوں۔ بیع وشراء میں آسان اور بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ اس پر رحم فرماتا ہے جو آسانی سے خریدے اور آسانی سے بیچے، آسانی سے فیصلہ کرے اور آسانی سے مطالبہ کرے''۔

اس طرح جو کوئی اللہ اور رسول کی دعا حاصل کرے گا ظاہر ہے دنیا اور آخرت دونوں میں نفع ہی نفع پائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے گا یا مطالبہ چھوڑ دے گا، اللہ اس سے حساب کتاب آسانی سے لے گا۔

احسان کا درجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص معاملہ طے کر کے معاملہ توڑ دینا چاہے تو اسے قبول کر

لے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے اپنا معاملہ بیع کو کسی نادم شخص سے توڑ دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش کو معاف فرمائے گا۔

ایسا نہ ہو کہ کاروبار دنیا میں ہی لگے رہو اور آخرت کے سرمایہ کو ضائع کر دو اور خسارہ ہی خسارہ اٹھاؤ۔ تجارت سے نیت، کسبِ حلال، سوال سے بچنا اور آخرت کا توشہ جمع کرنا ہو۔

ایسے کام جو اپنی جگہ پر عبادت ہیں، سلف نے ان پر اجرت لینے کو ناپسند کیا ہے۔ جیسے مردے کو غسل دینا، میت کو دفن کرنا، نماز تراویح وغیرہ پڑھانا وغیرہ۔ تجارت کرو لیکن دنیاوی بازار آخرت کے بازار یعنی مسجد سے تمہیں غافل نہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے''
(النور:۳۷)

صبح سے طلوعِ شمس تک مسجد کو نہ چھوڑو۔ اس کے بعد بھی نمازوں کے اوقات پر مسجد میں حاضر رہو۔ بعض اہل حرفہ ایسے ہیں اذان کی آواز سنتے ہی آلات کو ہاتھ سے چھوڑ کر مسجد کی راہ لیتے ہیں۔ بازار میں بھی رہو تو اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ حدیثوں میں ایسے لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''جو شخص بازار میں آکر یہ دعا پڑھ لے، اللہ اس کے لیے ہزاروں نیکیاں لکھ دیتا ہے''۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَ يُمُوْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ہمیشہ اس امر کا خیال رہے کہ کسی کا حق تو نہیں مارا جاتا اور کسی ایسی صورت میں تو مبتلا نہیں ہو گیا جس سے قیامت کے دن چھٹکارہ ناممکن ہو۔ اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔

باب ۱۴

حلال وحرام

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے: ''حلال روزی کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ کاہل انسان یہ سوچ کر ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہتا ہے کہ اس دور میں حلال کا ذریعہ ہی کون سا رہ گیا ہے۔ ایسا کرنا اور سوچنا جہالت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''حلال واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، ان دونوں کے درمیان جو امور ہیں وہ مشتبہات سے ہیں''۔

حلال کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور بھلے کام کرو (المومنون: ۵۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس شخص نے چالیس دن رزق حلال کھایا، اللہ اس کے دل کو روشن کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے دل سے زبان پر جاری کر دیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی آلودگیوں سے محفوظ کر دیتا ہے۔ روایت ہے حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ میرے مستجاب الدعوات ہونے کے لیے دعا فرمائیں تو فرمایا حلال کھاؤ دعا قبول ہوگی۔

حضرت ابنِ عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے جو ہر رات آواز دیتا ہے کہ جو شخص حرام کھائے گا اس کی طرف سے فرض و نفل کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا''۔

فرمانِ مصطفوی ﷺ ہے: ''جس کسی نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم بھی حرام کا ہوا تو جب تک وہ اس کپڑے کو پہنے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا''۔ یہ بھی فرمایا: ''جو گوشت حرام رزق سے اگتا ہے وہ دوزخ کے قابل ہوتا ہے''۔ نیز فرمایا: ''جو کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ مال کس طرح کمایا، اللہ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کس طرح جہنم میں جا گرا''۔

حدیث شریف میں آیا ہے: (یہ روایت موقوف و مرفوع دونوں طرح سے ہے،) عبادت کے

دس حصے ہیں، جن میں سے نو حصے طلبِ رزق حلال کے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس کسی نے معصیت کے ذریعے مال پایا، پھر اسے عزیزوں پر صرف کیا، یا راہ خدا میں دیا یا صدقہ کیا، اللہ روزِ محشر میں سب کو جمع کر کے اسے جہنم میں جھونک دے گا''۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوبکر صدیقؓ کے پاس ان کا غلام دودھ لایا۔ جو آپ نے پی لیا۔ غلام سے پوچھا تو اس نے کہا میں لوگوں کو جوتش کی باتیں بتائی تھیں۔ مجھے اس کے معاوضہ میں ملا۔ آپ نے فوراً انگلی گلے میں ڈال کر قے کر دی۔ قے اس قدر شدت سے کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا ان کی روح پرواز کر جائے گی اور اس وقت تک قے کرتے رہے جب تک کہ یقین نہ آ گیا کہ سارا دودھ نکل گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے، اے خدا! میں توبہ کرتا ہوں اور مغفرت چاہتا ہوں اس جزو سے جو آنتوں اور رگوں میں رہ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو فرمایا، تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ صدیق حلال وطیب کے علاوہ اپنے شکم میں کچھ بھی داخل نہیں کرتے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں: ''اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جس پیٹ میں حرام ہو''۔ حضرت سہیلؓ نے فرمایا ہے: ''جو کوئی یہ چاہے کہ اس پر صدیقوں کے احوال واشگاف ہوں اسے چاہیے کہ حلال کے سوا اور کچھ نہ کھائے اور سنت وفرض کے علاوہ کوئی کام نہ کرے''۔

درجات حلال

کافروں سے جنگ میں جو مال غنیمت حاصل ہو حلال ہے۔ شکار کا جانور حلال ہے۔ معدن سے نکلا ہوا مال حلال ہے بشرطیکہ مالِ غنیمت اور معدنی مال سے پانچواں حصہ راہِ خدا میں دے دیا جائے۔ وہ مٹی جو کھائی جاتی ہے اگر اس سے نقصان نہیں پہنچتا تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مٹی حرام ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔

مراتب حلال وحرام

یوں تو ہر حرام برا ہے لیکن بعض حرام دوسروں سے بدتر ہیں۔

اسی طرح سارے حلال پاکیزہ ہیں مگر بعض بدوسروں سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ حلال وحرام کا سب سے کم درجہ وہ ہے جسے فقہا نے حلال یا حرام بتایا ہے۔ لہٰذا ایسے حرام سے بچنا چاہیے جسے فقہا نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر دوسرا درجہ صالحین کا ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ مفتی ظاہر کو دیکھ کر حلال ہونے کا فتویٰ صادر کر دے مگر وہ شبہ سے خالی نہ ہو اور اس پر حرمت کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ صالحین ایسی چیزوں سے پرہیز

کرتے ہیں۔تیسرا درجہ یہ ہے کہ فتویٰ یا شبہ حرام قرار نہیں دیتا لیکن خطرہ ہے کہ بات حرام تک جا پہنچے۔ایسی چیزوں سے بھی بچنا چاہیے۔چوتھا درجہ یہ ہے کے فتوے،شہادت اور حرام تک پہنچنے کا کوئی خطرہ نہ ہو لیکن کھانے والا خدا کے حکم کی تعمیل میں نہیں غیر اللہ کی رضا مندی کے لیے کھائے ،اور کھانے سے مقصود عبادت یا عبادت میں سہولت نہ ہو۔ایسا کھانا بھی تحریمی کراہت رکھتا ہے اور معصیت میں داخل ہے۔اس سے پرہیز کرنا صدیقوں کا مقام ہے۔

مراتب شہادت

رسول اکﷺ نے فرمایا: ”حلال و حرام واضح ہیں۔ان دونوں کے درمیان متشابہ اُمور ہیں جنہیں بہت سے آدمی نہیں جانتے۔جو کوئی مشتبہ اُمور بچتا رہا۔اس نے اپنی عزت اور اپنا دین بچالیا اور جو مشتبہات میں گر گیا وہ حرام کے قریب پہنچ گیا۔جیسے ممنوعہ حدود کے قریب جانور چرانے والے کے بارے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ ممنوعہ حدود میں داخل ہو جائیں“۔

حلال حرام کے درمیان جو امور ہیں وہ مشتبہ، متشابہ یا شبہ کے امور ہیں۔جیسے بارش کا پانی جب تک کسی شخص کی ملکیت میں نہ آئے حلال ہے اور شراب خواہ کسی صورت سے بھی ملے حرام ہے۔ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں۔شبہ کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ اس کے سبب محلل ومحرم میں شک واقع ہو۔اس کی دو صورتیں ہیں۔یا دونوں برابر ہوں گے یا ایک احتمال غالب ہوگا۔اگر دونوں برابر ہیں تو وہی حکم ہوگا جو بیان کیا گیا اور اگر ایک کا غلبہ ہوگا تو غالب پر حکم لگایا جائے گا۔اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ اس کی حرمت تو معلوم ہو لیکن اسکی وجہ حلال ہونے میں شبہ ہو۔جیسے ایک جانور کو تیر مارا اور وہ پانی میں کود گیا۔جب ہاتھ لگا تو مرا پایا۔اب معلوم نہیں کہ تیر کے زخم سے مرا یا پانی میں ڈوبنے سے، لہٰذا یہ شکار حرام ہے۔اگر مرنے کی معینہ صورت میں شبہ واقع ہو تو یقینی بات کو شک کی بنا پر نہیں چھوڑا جائے گا۔

۲۔ حلت معلوم ہے مگر وجہ حرمت میں شک پیدا ہو گیا ہے۔جیسے دو آدمیوں نے ایک چڑیا کو اڑتے دیکھا۔ایک نے کہا یہ کوّا ہوگا تو میری بیوی کو طلاق، تو دوسرے نے کہا کی اگر کوّا نہ ہوا تو میری بیوی کو طلاق۔ چڑیا اڑ گئی اور پتہ نہ چلا کہ کوّا تھا یا کچھ اور، تو کسی کی عورت کو طلاق نہیں ہوگی کیونکہ حرمت کی وجہ مشکوک ہے۔

۳۔ دراصل حرام ہو مگر اس پر ایسی کفیت طاری ہو چکی ہو جو غالب ظن کے مطابق سبب حلت

قرار پا سکے،اس کے بعد کوئی شک کی صورت پیدا ہو جائے۔جیسے شکار کو تیر مارا اس کے بعد شکار آنکھوں سے چھپ گیا ملا تو مر چکا تھا۔بدن پر تیر کے نشان کے علاوہ کوئی نشان نہ تھا لیکن شبہ ہے کہ گرنے کے صدمہ سے مرا یا تیر سے، ایسی صورت میں امام شافعی کے دو مختلف اقوال ہیں۔قول مختار یہ ہے کہ ایسا شکار حلال ہے۔

۴۔ اصل میں حلت ہو لیکن اس پر ایسی کیفیت طاری ہو جو حرمت کی وجہ بن سکے۔اس کے بعد اس کفیت کے اختتام میں شبہ پیدا ہو جائے۔جیسے دو برتنوں میں سے ایک ناپاک ہونے کا امکان غالب ہو اور خصوصی علامت سے اس کی پہچان ہو۔اس کے بعد وہ علامت مشتبہ ہو گئی تو ان دونوں کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ پینا بھی منع اور وضو بھی ناجائز ہوگا۔

حلال اور حرام اس طرح مخلوط ہوں کہ امتیاز ممکن نہ ہو سکے۔اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔اگر یہ اختلاط بصورت آمیزش ہے جیسے پانی یا دودھ میں کوئی ناپاک شے مل گئی یا سفوف میں پڑ گئی تو بالاتفاق حرام ہے۔لیکن اگر قابل شمار چیز میں اختلاط ہوا ہے تو اس کی تین شکلیں ہیں:

۱۔ محدود حرام عدد، محدود حلال میں مل گیا، جیسے دس ذبح کردہ جانوروں میں ایک مردار مل گیا یا دس عورتوں میں ایک محرمہ ہے اور کسی طرح پتہ نہ چل سکے تو دسوں کو حرام قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ حرام عدد محصور، لاتعداد حلال میں مل گیا جیسے شریک رضاعت عورتیں کسی پوری آبادی میں ہوں اور پتہ نہ چل سکے کہ وہ کونسی ہیں تو بستی کی ساری عورتوں سے نکاح حرام نہ ہوگا کیونکہ حلال ہونے کی علت غلبہ اور ضرورت موجود ہے یا جیسے ایک شخص جانتا ہے کہ کہ لوگوں کے پاس حرام مال بھی موجود ہے تو کھانا پینا اور خرید و فروخت حرام نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جب عہد رسالت میں ڈھال اور عبا کی چوری ہوئی تھی تو لوگوں نے ڈھال اور عبا خریدنے بند نہیں کر دیئے تھے کیونکہ دین میں سختی نہیں ہے۔

۳۔ لاتعداد حرام میں لاتعداد حلال میں مل جائے جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو حکم یہ ہے کہ جب تک کوئی خاص علامت حرمت نہ پائی جائے، حلال ہے اور اگر کوئی علامت پائی جائے تو پرہیز گاری کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔

حرمت کی بہت سی نشانیاں ہیں مثلاً یہ کہ وہ شے ظالم بادشاہ کے قبضے میں ہو۔عہد رسالت میں لوگوں کے پاس سود اور شراب کا روپیہ تھا مگر کاروبار معطل نہیں کر دیا گیا تھا۔ذمیوں کے پاس مشتبہ مال

تھا جو سود اور شراب سے حاصل کردہ تھا۔

حلال وحرام کی تحقیقات

حلال وحرام کی تحقیقات اور لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا نہ ہر حال میں محمود ہے نہ ہر حال میں مذموم۔ وقت اور موقع کا جو تقاضا ہو اس کے مناسب کرنا چاہیئے۔ جس شخص کے ہاتھ سے مال آرہا ہے، اگر بظاہر صالح ہے تو ٹھیک ہے اور اگر بظاہر فاسق ہے تو اس کی ظاہری حالت کھلی دلیل ہے۔ اگر بظاہر ظالم وفاسق یا صالح ہونے میں امتیاز نہ ہوسکے تو محض مسلمان ہونا کافی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے اگر مال ایسے ہاتھوں میں آرہا ہے جو حرام کا مالک ہے یا اس کے پاس بادشاہ کا مال ہو، کسانوں سے وصول کی ہوئی رقم ہو تو تقوی کا یہ تقاضا ہے کہ پرہیز کیا جائے۔ بعض علماء کہتے ہیں کثرت وقلت پر نظر کی جائے گی۔ اگر اس کی زیادہ آمدنی حلال کی ہے تو حلال ہے ورنہ حرام۔ حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں اپنے عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں پوچھ گچھ مت کرو، مبادا ایسی بات کا پتہ چل جائے جو چھپی ہوئی ہو اور بات جھگڑے تک طول کھینچ جائے۔ جس شخص کے پاس حرام اور حلال دونوں مال ہوں اس کے بارے میں پوچھ گچھ بیکار ہے خصوصاً خود اس سے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ جھوٹ بولے لہٰذا اگر پوچھنا ہی ہے تو دوسروں سے پوچھو۔

حرام کا مصرف

اگر کوئی شخص تائب ہوتا ہے اور اس کے قبضہ میں پہلے سے حرام مال ہو تو اس پر دو فرائض عائد ہوتے ہیں:

۱۔ حرام کو علیحدہ کردے۔

۲۔ حرام کو ٹھکانے لگادے۔

پہلے فرض یعنی حرام کو علیحدہ کرنے کی یہ صورت ہے کہ اگر مال معین ہے، جیسے کچھ امانت کا ہو کچھ عقب کا تو اسے علیحدہ کردے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوسکتا جیسے جھوٹ بول کر تجارت کی یا خیانت سے مال حاصل کیا تو جس پر اس کا ظن غالب ہو اسے علیحدہ کردے۔ دوسرے فرض کی ادائیگی کی یہ صورت ہے اگر مال معین ہاتھوں میں ہے تو اس کے وارثوں کے حوالے کردے۔ اگر وہ باہر گیا ہوا ہے تو واپسی کا انتظار کرے۔ کسی طرح اس تک پہنچادے۔ اگر مخصوص مالک نہ ہو تو مال خیرات کردے یا مفاد عامہ میں لگادے۔ اگر بددیانت ہو تو ذمہ داری ختم نہ ہوگی۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے مالِ حرام صدقہ کر دے۔ آپ ﷺ کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی۔ اس بکری نے خود ہی کہہ دیا کہ میں مالِ

حرام ہوں تو آپ ﷺ نے اسے قیدیوں کے لیے بھیج دیا۔

عطیاتِ شاہی

اگر عطیات مسلمانوں سے لیے گئے خراج سے ہیں یا سرکاری خزانہ کی عام آمدنی سے ہیں تو ان کا نہ لینا بہتر ہے اور اگر مواریث، لاوارث مال سے یا غنیمت وجزیہ سے ہیں تو لے لے بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ جو مال اسے دیا جارہا ہے مصلحتِ عامہ کے مطابق صحیح ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ رائے ہے کہ بیت المال میں ہر شخص کا حق ہے۔ جزیہ کی دولت سے 4/5 اُمت کے مصالح کے لیے ہوتا ہے اور 1/5 معین مصارف کے لیے۔

اگر کوئی شخص بادشاہ سے مال لے کر صدقہ دیتا ہے تو بعض اولیاء اللہ نے اس کے لینے سے پرہیز کیا اور بعض نے قبول کیا ہے۔ اگر اس مال کو حلال نہیں سمجھتا اور اس میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں رکھتا تو لے لینا بہتر ہے لیکن دوسروں کو اس کی ریس نہ کرنی چاہیے اور نہ کسی ولی اللہ کے اسے قبول کر لینے سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ حلال ہے۔

باب ۱۵

باہمی محبت

اللہ کے لیے آپس محبت کرنا اور دینی بنیاد پر اخوت قائم کرنا سب سے بڑی قربانی ہے اور حسن خلق کا ثمر ہے۔ حسنِ خلق واخوت دونوں قابلِ عزت تعریف ہیں۔ حسنِ خلق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنَّكَ عَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

''آپ خلق عظیم پر ہیں'' (القلم:۴)

اخوت کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

''تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے'' (آل عمران:۱۰۳)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ

''اگر آپ زمین کا سارا سرمایہ بھی خرچ کر دیتے ہیں تو ان کے دلوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے''۔ (الانفال:۶۳)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھ سے وہ شخص قریب تر ہے جو سب سے بہتر اخلاق رکھتا ہو، نرم خو، خوش خلق ہو، ایسا کہ لوگ اس سے محبت کریں اور وہ لوگوں سے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان والا محبت رکھتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے، جو شخص کسی سے الفت نہ کرے نہ لوگ اس سے محبت کریں اس میں کوئی بھلائی نہیں''۔ فرماتے ہیں: ''اللہ جس کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے اچھا دوست عطا فرماتا ہے کہ اگر وہ بھول جائے تو یاد دلا دے، یاد رکھے تو اس کی مدد کرے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی صرف خدا واسطے بھائی چارہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں ایسا مرتبہ دیتا ہے جسے وہ اور کسی عمل سے نہیں پا سکتا تھا۔

اللہ کی خاطر (للّٰھی) محبت وعداوت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''روحیں ایک لشکر کی طرح ہیں۔ جو باہم متعارف ہو گئیں محبت

ہو گئی اور جو ایک دوسرے سے نا آشنا ہیں عداوت ہو گئی''۔ فرماتے ہیں کہ دو ایمان والوں کی روحیں ایک دن کی مسافت پر بھی ایک دوسرے سے مل سکتی ہیں اگرچہ ایک دوسرے کو کبھی نہ دیکھا ہو۔

جب کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے یا اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرتا ہے، جیسے کوئی شخص کسی صاحبِ جمال سے محبت کرے یا کسی اُخروی یا دنیوی غرض سے محبت کرتا ہے یا ان میں سے کوئی بھی وجہ نہیں ہوتی بلکہ صرف خداوندی کی وجہ سے محبت کرتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اسے للّٰھی محبت کہتے ہیں۔ جس طرح للّٰھی محبت ضروری ہے للّٰھی بغض بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے اس بنا پر محبت رکھتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کا محبوب ہے تو اس کے دشمنوں سے بھی دشمنی رکھے گا۔ یہ للّٰھی عداوت کہلاتی ہے۔ مجنونِ عامری کہتا ہے میں لیلیٰ کے دریا سے گزرتا ہوں تو در و دیوار کو چومتا ہوں مجھے در و دیوار سے کوئی محبت تھوڑی ہے بلکہ ان کے رہنے والے سے ہے۔

صحبت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے ہم نشین بنایا جائے۔ انسان اپنے دوست کے دین مذہب پر ہوتا ہے دوست بنانے سے پہلے دیکھ لیا کرو کسے دوست بنا رہے ہو۔ دوست میں چند خصوصیات ہونی چاہئیں، مثلاً دانا اور خوش اخلاق ہو، فاسق، بدعتی یا دنیا کا طالب نہ ہو۔ انسان کا سرمایہ عقل ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: کسی جاہل سے دوستی نہ کرو، اس سے دور ہی رہو۔ بہت سے جاہل اچھے بھلے دوست کو برا بنا دیتے ہیں۔ جیسا انسان خود ہوتا ہے ایسے ہی اس کے دوست ہوتے ہیں۔ آدمی کو اس کے دوستوں پر قیاس کرو۔ بیوقوف سمجھتا ہے کہ میں نفع پہنچا رہا ہوں لیکن درحقیقت نقصان کر بیٹھتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

انی لآمن من عدو عاقل
واخاف خلاً یعتریه جنون

میں دانا دشمن سے بے خوف رہتا ہوں اور پاگل دوست سے ڈرتا ہوں۔

فالعقل فن واحد و طریقه
ادری فارصد والجنون فنون

کیونکہ عقل کا ایک ہی طریقہ کار ہے لہٰذا میں اس سے بچ سکتا ہوں مگر جنون تو بڑی نیرنگیوں والا ہے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ احمق سے ترکِ تعلق قربِ خداوندی کا سبب ہے یہی حال فاسق کا ہے۔ جسے خوفِ خدا ہوگا گناہ کبیرہ پر اصرار نہیں کرے گا، مگر جو خدا سے نہیں ڈرتا اپنے آپ کو اس سے محفوظ نہ سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

''اس کی فرمانبرداری نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنا رکھا ہے اور وہ خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔'' (الکھف:۲۸)

طبیعت در پردہ دوسری طبیعت سے کچھ نہ کچھ لیتی رہتی ہے۔ بدعتی کی صحبت سے بھی بچنا چاہیے۔

حسنِ خلق

حضرت علقمہؒ نے بوقتِ وفات جو نصیحت اپنے فرزند سے کی تھی قابلِ غور ہے۔ فرمایا جان پدر، اگر تمہیں دوستی کی ضرورت ہو تو ایسے شخص کی دوستی اختیار کرو کہ اگر اس کی خدمت کرو تو تمہیں برائیوں سے محفوظ رکھے، اس کی صحبت تمہیں بھلائیوں سے آراستہ کر دے، تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو اسے پورا کر دے۔ اسے دوست بناؤ کہ اگر تم بھلائی کا ہاتھ بڑھاؤ تو وہ بھی بڑھائے، تمہاری خوبیوں کو روشن کرے اور برائیوں کو مٹا دے۔ اگر تم کبھی کچھ مانگو تو عطا کر دے، نہ مانگو تو بڑھ کر خود مدد کرے۔ آفت آئے تو رفیق ثابت ہو اور تمہیں اپنے اوپر ترجیح دے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

ان اخاك الحق من كان معك — و من يضرّ نفسه لينفعك

تمہارا سچا بھائی وہ ہے جو تمہارا ساتھ دے — اور نقصان برداشت کر کے نفع پہنچائے۔

ومناذاريب الزمان صدعك — شتت فيه شمله ليجمعك

اور جب تمہیں مصائب پارہ پارہ کر دیں — تو وہ تمہیں جوڑنے کے لیے ٹکڑے ہو جائے۔

سلف صالحین اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس سال تک اس کے پسماندگان کی سرپرستی کرتے تھے اور ان کی ضرورتوں کو اسی طرح پورا کرتے کہ بچے اپنے باپ کے دور سے زیادہ سکھ پاتے۔ خدا ترس ہونے کے ساتھ ساتھ دوست کا عالم ہونا بھی ضروری ہے تا کہ اس کے علم سے استفادہ کیا جا سکے۔

حضرت لقمانؒ کا قول ہے: ''بیٹے! عالموں کے پاس بیٹھو اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرو۔ دل، علم حکمت سے اس طرح زندہ ہو جاتے ہیں جیسے مردہ زمین بارش سے''۔

حقوقِ صحبت

عقدِ نکاح کی طرح دوستی کا معاہدہ بھی ایک مقدس عہد ہے۔ جب کسی سے دوستی ہو جائے تو اس کے حقوق واجب ہو جاتے ہیں۔ مال، جان، زبان اور دل پر بھی درگزر، دعا، اخلاص، وفاداری اور ترکِ تکلف کرنا چاہیے۔ اب ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

مال

تمہارے مال میں تمہارے دوست کے حقوق ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں: سب سے کم یہ کہ دوست کا مقام غلام برابر ہو، اس کے ضروریات کی تکمیل تمہارے لیے اہم ترین ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے اپنی برابر سمجھو کیونکہ دوستی شرکت و مساوات چاہتی ہے۔ اس کا اعلیٰ ترین مرتبہ یعنی تیسرا درجہ یہ کہ اسے اپنی ذات پر بھی ترجیح دو اور اس کی حالت کے درست کرنے کی خاطر اپنے بگڑ جانے کی بھی پرواہ نہ کرو۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب دو انسان ایک دوسرے کے دوست بنتے ہیں تو خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کے ساتھ سب زیادہ نرم خلق ہو''۔

جان

دوست کی دل و جان سے خدمت کرنا، اس کی ضروریات کی تکمیل کرنا اور اس کی فرمائش سے پہلے اس کا کام کر دینا حقِ اخوت ہے۔ اس کے بھی مال کی طرح تین درجے ہیں۔

طرزِ عمل

کسی سے ایسی بات نہ کہو جو اسے ناپسند ہو۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کے ساتھ اس طرح پیش نہ آتے تھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

ایک بات ملحوظِ خاطر رکھو کہ اگر تم ایسا رفیق چاہتے ہو جو ہر عیب سے پاک ہو تو یہ ناممکن ہے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اطاعت خداوندی کرتا ہو مگر نافرمانی کا ارتکاب نہ کرتا ہو یا نافرمانی کرتا ہو مگر کبھی بھی اطاعت نہ کرے۔ لہذا جس کی اطاعت، معصیت پر غالب ہو وہ عادل ہے۔ جو شخص اللہ کے حقوق میں عادل ہوگا تمہارے حقوق میں عادل ہوگا۔ تم بھی یہی طریقہ اختیار کرو

کہ خوبیوں کو اجاگر کر دو اور برائیوں پر پردہ ڈال دو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی دعا سکھائی ہے: ''اے خوبیوں کے ظاہر کرنے والے اور اسے برائیوں پر پردہ ڈالنے والے''۔ خوب سمجھ لو کہ اچھا آدمی وہ ہے جو اخلاقِ خداندی رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ستار عیبوں پر پردہ ڈالنے والا اور گناہ معاف کرنے والا ہے۔

ایمان کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرو۔ ایسا کون ہے جو اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا نہ چاہتا ہو۔ دوست کے راز کی حفاظت کرو۔ یہ کتنا ہی اچھا معقولہ ہے کہ شریف آدمی کا سینہ رازوں کا مدفن ہوتا ہے۔

احمق کا دل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور دانا کی زبان اس کے دل میں۔ ابن المعتزؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ومستودعی سراً تبوأت کتمه　　فادوعته صدری فصارله قبری

''میں جب راز کے چھپانے کا ارادہ کرتا ہوں۔ اسے اپنے سینے میں چھپا لیتا ہوں تو وہ اس کے لیے قبر بن جاتا ہے۔''

دوست کی تعریف کرو مگر غلط طعریف نہ کر۔ وحضور ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب کوئی کسی سے محبت کرے تو اسے جتا دے''۔ یہ بات آپ ﷺ نے اس لیے فرمائی ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

خذ من خلیلك ما صفا　　ودع الذی فیه الکدره

دوستوں سے اچھی بات لے لو　　رنج دہ بات کو چھوڑ دو

فالعمر اقصر من معا　　تبة الخلیل علی الغیر

کیونکہ عمر اتنی کہاں کہ　　دوستوں سے جھگڑا جائے

نابغہ ذبیانی کہتا ہے:

ولست بمستبق اخالا تلمه　　علی شعث ای الرّجال المهذب

جس دوست کی پراگندگی پر مدد نہ کرو گے، وہ دوست ہاتھ سے جاتا ہے گا۔ آپ کتنے بڑے مہذب آدمی ہیں

وفا پر اخلاص ضروری ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ خلوص و محبت کو موت تک باقی رکھا جائے اور مرنے کے بعد اس کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ خلوص و وفا کا برتاؤ کیا جائے۔

روایت ہے کہ ایک بوڑھی دربارِ رسالت میں آئی تو آپ نے اس بہت تعظیم کی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ خدیجہؓ کے دور میں آیا کرتی تھی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عہد کی پاس داری ایمان کا جزو ہے اور عین دین ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ دوستوں کو اپنے آپ سے بڑا سمجھو۔ یہ دو شعر اس مضمون میں کتنے اچھے ہیں:

تذلل لمن ان تذللت له　　یرای ذاك للفضل لا لبله

وجانب صداقة من لا یزال　　علی الاصدقاء یری الفضل له

''اس شخص سے عاجزی کا برتاؤ کرو جو تمہاری عاجزی کو تمہاری بزرگی کی وجہ سے سمجھے نہ کہ بے وقوفی کی وجہ سے اور ایسے دوست سے بچو جو اپنے کو سب دوستوں سے افضل سمجھتا ہو۔''

مسلمانوں، عزیزوں اور پڑوسیوں کے حقوق

مسلمانوں کا یہ حق ہے کی جب بھی ملے اسے سلام کیا جائے اور پکارے تو جواب دیا جائے۔ چھینکے تو اس کی تشمیت کی جائے، بیمار پڑے تو عیادت کی جائے، مرے تو جنازے میں شرکت کی جائے، قسم دے تو پوری کی جائے، نصیحت کی ضرورت ہو تو نصیحت کی جائے۔ پس پشت اس کے ناموس کی حفاظت کی جائے اور جو خود پسند کرے اس کے لیے بھی وہی پسند کرے اور جو خود ناپسند کرے اس کے لیے بھی وہی ناپسند کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مسلمان کے چار حق ہیں؛ محسن کی امانت، خطا کار کی معافی، بدبخت کئے لیے دعا اور درد والے سے محبت۔ اپنے فعل وقول سے کسی مسلمان کو ایذا نہ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جان و مال مامون رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہاجر وہ ہے جو برائی سے بچتا ہے۔

ہر مسلمان کے ساتھ عاجزی کا برتاؤ کرے، غرور نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ

''اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا'' (لقمان:۱۸)

اگر کوئی تمہارے ساتھ تکبر کا برتاؤ کرے تو اسے برداشت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ

''معافی کا طریقہ کار بناؤ، امر بالمعروف کرو اور جاہلوں سے اعراض کرو'' (الاعراف: ۱۹۹)

اپنے اور دوسروں کے بارے میں لوگوں کا لگائی بجھائی پر دھیان نہ دو اور نہ خود ایسا کرو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوسکتا''۔ تین دن سے زیادہ کسی سے بولنا نہ چھوڑے اور بغیر اجازت کسی کے کمرے میں داخل نہ ہو۔ سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ بزرگوں کی عزت کرے اور بچوں پر رحم کرے۔ ساری مخلوق کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ جب بھی کسی مسلمان سے وعدہ کرے، ضرور پورا کرے۔ مسلمانوں کے درمیان تعلقات کی درست رکھنے کی کوشش کرے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

''کیا میں تمہیں نماز روزے اور صدقے کے درجات سے بہتر بات نہ بتادوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور یارسول اللہؐ۔ فرمایا آپس میں صلح صفائی کرادینا اور مسلمانوں کی عیوب پر پردہ ڈالنا''۔

شبہ کے مقامات سے بچے، اگر کسی پر اس کا اثر ہے تو صاحب حاجت کی اس سے سفارش کردے۔ بات کرنے سے پہلے سلام کرے۔ اپنے بھائی کے مال اور آبرو کی جہاں تک ہوسکے حفاظت کرے۔ اگر کسی بُرے آدمی سے پالا پڑ جائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ مسلمانوں کی قبروں پر جاکر مرنے والوں کے لیے دعا کیا کرے۔

پڑوسی کے وہی حقوق ہیں جو ہر مسلمان کے ہیں بلکہ پڑوسی کی وجہ سے اور زیادہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں۔ وہ پڑوسی جس کا ایک ہی حق ہے، دوسرے وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں، تیسرے جن کے تین حق ہیں۔ وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں، وہ ہے جو مسلمان ہو اور قرابت دار بھی ہو۔ جس پڑوسی کا ایک حق ہے وہ مشرک پڑوسی ہے اور جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو مشرک کا حق قائم کیا ہے ہو پڑوس کی وجہ سے ہے، لہذا اس سے پڑوس کے حق کی تائید وتاکید ہوتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جبرائیل مجھے برابر پڑوسی کے بارے میں نصیحت کرتے رہے حتی کہ مجھے خیال گزرا کہ پڑوسی کو وارثوں میں قرار دے دیا جائے گا''۔

فرماتے ہیں جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔

عزیز واقارب کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں رحمان ورحیم ہوں اور رحم کا رشتہ میرے نام کے ساتھ ہے۔ لہٰذا جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اس کے ساتھ تعلقات قائم رکھوں گا اور جو اسے قطع کرے گا میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا۔

اللہ پاک نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا تھا: اے موسی! جس نے ماں باپ کی فرمانبرداری کی اور میری نافرمانی کی میں اسے فرمانبردار لکھوں گا اور جو میری فرمانبرداری کرے گا مگر ماں باپ کی نافرمانی کرے گا اسے میں نافرمان لکھوں گا۔

غلاموں کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی: ''اللہ سے ڈرو ان لوگوں کے بارے میں جن کے تم مالک ہو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ جسے پسند کرو اسے رکھ لو اور جسے ناپسند کرو اسے فروخت کردو اور مخلوق الٰہی کو مبتلائے عذاب نہ کرو کیونکہ اللہ نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو انہیں تمہارا آقا بنادیتا''۔

باب ۱۶

گوشہ نشینی

معلوم ہونا چاہیئے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔بعض لوگ عزلت گزینی کو پسند اور مخلوق سے میل جول کو ناپسند کرتے ہیں۔ جیسے حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت سلیمان خواصؒ اور حضرت بشر حافیؒ۔

اکثر تابعین میل جول اور دوستوں کی کثرت کو پسند کرتے ہیں تا کہ نیکی و پرہیز گاری پر معاونت ہو۔ یہ لوگ الفت واخوت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ جب آپ کے سامنے ایک شخص کو لایا گیا جو عبادت کے لیے پہاڑ پر جا بیٹھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور نہ کوئی تم میں سے ایسا کرے کیونکہ بعض مقامات پر تمہاری اسلام کے لیے ثابت قدمی چالیس سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

گوشہ نشینی کی فضیلت پر فضیل وغیرہ آپ ﷺ کے اس کے قول سے استدلال کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے عبداللہ بن عامر جہنیؒ کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ انہوں نے دریافت کی تھا یا رسول اللہ ﷺ نجات کیا ہے؟ فرمایا تیرے لیے تیرا گھر بہت ہے، زبان کو روک لے اور گناہوں پر روئے۔

عزت کے فوائد ونقصانات

عزلت کے بارے میں افراد کے اختلاف سے حکم مختلف ہو جاتا ہے۔فوائد یہ ہیں:

طاعت پر دوام، تربیت، علم، ایسے گناہوں سے خلاصی جو میل جول سے پیدا ہوتے ہیں جیسے ریاکاری، غیبت اور ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر، طبیعت کا دوسروں کے اخلاق ذمیمہ سے متاثر نہ ہونا، دنیوی اغراض کے لیے کسی کاروبار میں مصروف نہ رہنا۔

پہلا فائدہ یعنی طاعت پر دوام، تفکر اللہ سے مانوس ہونا، مناجات اور مطالعہ عالم ملکوت۔ یہ عزلت گزینی اور ترک خلق ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے بعض حکما نے کہا ہے عزلت گزینی بغیر کتاب اللہ کے ساتھ مانوس ہوئے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ذکر الٰہی سے راحت پاتے ہیں۔ اس کے ذکر ہی سے زندہ رہتے ہیں، اسی کے ذکر پر مرتے ہیں اور اسی

کے ذکر کی بدولت اس سے ڈرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر وفکر انہیں میل جول سے روکتے ہیں۔ابتدائے امر میں رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی حال تھا کہ غار حراء میں گوشہ نشیں رہتے تھے۔اگر کوئی شخص ہمیشہ خلوت میں رہتا ہے تو اس کا معاملہ وہاں تک پہنچ جاتا ہے جو حضرت جنید بغدادیؒ نے بیان کیا کہ میں تیس سال سے اللہ سے باتیں کرتا ہوں، جب کہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ بول رہا ہوں۔

بعض صوفیاء سے دریافت کیا گیا آپ نے عزلت گزینی کس لیے اختیار کی تو کہا کہ میں تنہا نہیں ہوں، اللہ میرا ہم نشین ہے۔ جب چاہتا ہوں کی میں اس سے بات کروں تو نماز پڑھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؒ بیٹھے تھے کہ حضرت ہرم بن حیانؒ آئے۔ دریافت کیا کہ کیسا آنا ہوا؟ وہ بولے اس لئے کہ آپ کا دل بہلاؤں۔ حضرت اویسؒ نے کہا، مجھے آج معلوم ہوا کہ جو خدا کی معرفت رکھتا ہو وہ کسی دوسرے سے بھی مانوس ہو سکتا ہے۔

حضرت فضیلؒ کہتے ہیں، رات آتی ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں کہ اپنے پروردگار کے ساتھ خلوت کروں گا اور جب صبح ہوتی ہے تو وحشت گھیر لیتی ہے کہ لوگوں سے ملنا پڑے گا۔ ایسے لوگ آئیں گے جو مجھے میرے پروردگار سے ہٹا دیں گے۔

حضرت مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی ہم کلامی کو چھوڑ کر مخلوق سے باتیں کرتے ہیں ان کا دل اندھا ہو گیا، عمل کم ہو گیا اور عمر ضائع ہو گئی۔

گوشہ نشینی کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ایسے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جن میں عموماً انسان اختلاط کی وجہ سے ملوث ہو جاتا ہے اور خلوت میں محفوظ رہتا ہے، جیسے غیبت، ریا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے سکوت۔ اس کا بیان اپنے مقام پر آئے گا۔

خلاصہ یہ ہے مطلقاً کہہ دینا یا حکم لگا دینا کہ گوشہ نشینی بہتر ہے یا اختلاط، بہت دشوار ہے۔ اختلاف اشخاص سے حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بہتر اعتدال ہے وہ یہ کہ بالکل کہ سکڑ کر نہ بیٹھا جائے کہ جو فوائد اختلاط کے ہیں ان سے محروم رہ جائے اور نہ بالکل کھلا پھرتا رہے کہ گوشہ نشینی کے فوائد سے محروم ہو جائے۔

عزلت سے یہ نیت رہے کہ لوگ میرے شر سے محفوظ رہیں۔ چاہیئے کہ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور طول امل میں نہ پڑ جائے۔ کہیں نفس انہیں میں پھنس کر نہ رہ جائے بلکہ جہادِ اکبر کا ارادہ رکھے یعنی جہادِ نفس۔ جیسا کہ صحابہؓ نے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ نقطہ اچھی طرح سمجھ لو۔

باب ۱۷

سفر اور اس کے آداب

سفر

سفر کی دو قسمیں ہیں: ایک تو ظاہری سفر ہے یعنی آفاقِ عالم میں گھومنا پھرنا اور ایک باطنی سفر ہے یعنی اللہ کی جانب۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ

''میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے ضرور ہدایت کرے گا'' (الصّٰفّٰت:۹۹)

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ پاک ہے:

وَسَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ

''ہم انہیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے'' (حٰم السجدہ:۵۳)

دونوں سفر کی طرف اشارہ ہے۔ بڑا سفر یہی باطنی سفر ہے جو اللہ کی طرف ہوتا ہے یہ مسافر ایک ایسی جنت میں سفر کرتا ہوتا ہے جس کی چوڑائی زمین و آسمان ہیں۔ ایسی منزلوں کا راہی ہوتا ہے جہاں کتنے ہی مسافر آ جائیں تنگی نہیں بلکہ وسعت ہوتی چلی جاتی ہے۔ جو شخص اس سفر سے محروم ہے وہ ہر بھلائی سے محروم ہے اور ایک ایسی بستی میں ہے جس سے وہ کبھی نکل نہ سکے گا۔ جس قدر آداب و سنن احادیث وغیرہ میں مذکورہ ہیں وہ اس سفر کے آداب ہیں۔ رہا وہ ظاہری سفر جس کا تعلق نقل قدم و قطع منازل سے ہے، ہم اس کے فوائد و آداب ذکر کرتے ہیں۔

ظاہر سفر

سفر شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کر لینا چاہیئے۔ حج کے لیے ہے یا کسی عالم یا زندہ یا مردہ دوست کے لیے یا کسی سرحدی مقام پر قیام کے لیے ہے یا سرحدوں کی حفاظت کے لیے جا رہا ہے یا اپنے دین و دنیا کے بچاؤ کے لیے رحلت کر رہا ہے یا حلال تجارت کے لیے ہے تاکہ سفر محض دنیا کیلئے نہ رہے اور بے جا تکلیف نہ اٹھائے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ نفس کی خباثتیں مختلف احوال میں ظاہر ہوتی ہیں اور سفر میں خصوصیت کے ساتھ۔ ہم نے سفر کے بعض آداب کا کتاب الحج میں ذکر کر دیا ہے۔

سفر میں جن رخصتیوں کی اجازت ہے ان میں اسے ایک تو یہ ہے موزے پر تین دن تک مسح کر سکتا ہے جب کہ وضو کی تکمیل کے بعد انہیں پہنا جائے۔ فرائض کے لیے تیمم کر سکتا ہے، نماز کو قصر کر سکتا ہے اور دو نمازوں کو جمع کر سکتا ہے۔ سواری پر نوافل پڑھ سکتا ہے اور پیدل بھی اور روزہ توڑ بھی سکتا ہے۔ مسافر کو چاہیئے کہ سمت قبلہ اور منازل سے شناسا ہو۔ واللہ اعلم۔

باب ۱۸

سماع و وجد

سماع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے حرام اور بعض نے مباح کہا ہے۔ ہم سماع کی حقیقت واباحت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سماع کہتے ہیں، عمدہ موزون آواز کو سننا جو بامعنیٰ اور محرک قلب ہو اس سے صرف لذت گوش وقلب حاصل ہوتی ہے تو وہ اسی طرح ہے جیسے لذت بصر کہ سبزے کو دیکھ کر قلب و بصر لذت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ

مخلوق میں جس چیز کا چاہے اضافہ کر دیتا ہے (فاطر:۱)

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اچھی آواز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہیں داؤدؑ کے مزامیر میں سے حصہ دیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ اللہ نے جسے بھی پیغمبر بنا کر بھیجا اسے اچھی آواز والا بنایا۔ یہ ناممکن ہے کہ تلاوت کے لیے تو حسن آواز کو حلال قرار دیا جائے اور دوسری جگہ حرام۔ دیکھئے بلبل کی آواز سننا حلال ہے۔ اگر اچھی آواز کا سننا جائز ہوا تو موزون آواز کا سننا کیوں ناجائز ہوگا۔ موسیقی کے نغمے میں ایک قسم کا وزن رکھتے ہیں۔ پھر اگر اچھی آواز کسی آدمی کے حلق سے نکلے یا پرندکے یا کسی اور چیز سے تو ان میں کیسے تفریق کی جاسکتی ہے۔ پرندوں کی آواز پر دوسرے اجسام کی آواز جیسے طبل بانسری اور دف وغیرہ کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔ لہٰذا صرف ان آوازوں کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کے بارے میں نہی وارد ہوتی ہے جیسے اوتار و مزامیر کی آواز جنہیں شراب پیتے وقت بجایا جاتا تھا۔ کیونکہ شراب کی ممانعت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ ان چیزوں کو بھی حرام کیا جائے جو اس سے تعلق رکھتی ہیں تاکہ لوگ اسے اچھی طرح سے بھول جائیں۔ چنانچہ ابتدائے امر میں مٹکوں کے توڑ دینے کا حکم ہوا تھا۔ اس کے جواز میں صحابہ کرام کا گا کر اشعار پڑھنا دلیل ہے۔ حتیٰ کہ صحیحین میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ بیمار تھے۔ جب بخار جاتا رہا تو انہوں نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھے:

الاليت شعرى هل ابيتن ليلة   بوادو حولى اذخر وخليل

''کاش مجھے پتہ ہوتا کہ میں ایسی وادی میں رات گزاروں گا کہ میرے اردگرد اذخر و خلیل گھاس ہوگی۔''

هل اردن يوما مياه مجنة   وهل يبدون لى شامة وطفيل

''اور کیا میں کسی دن مجنہ کے چشمے پر اتروں گا اور کیا شامہ وطفیل کی پہاڑیوں کو دیکھوں گا''

حضرت ابوبکرؓ نے یہ شعر پڑھا:

كل امرئ مصبح فى اهله   والموت ادنى شراك نعله

''ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے اور موت اس کی جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہوتی ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ان العيش عيش الأخرة   فارحم الانصار والمهاجرة

''زندگی تو دراصل آخرت ہی کی ہے، اے اللہ انصار و مہاجر پر رحم فرما۔''

یہ سب باتیں صحیحین میں درج ہیں۔

سماع کے اثرات واحکام

اس حیثیت سے کہ وہ قلب میں تحریک و ہیجان جذبات و خیالات کرتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موزوں آوازوں اور روحوں کے تناسب میں ایک راز رکھا ہے۔ لہٰذا وہ عجیب وغریب طرح سے متاثر ہوتی ہیں۔ وہ کبھی روتی ہیں، کبھی ہنستی ہیں، کبھی خوش ہوتی ہیں تو کبھی غمگین اور عجیب وغریب حرکات اعضاء میں پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ نہ خیال کرنا کہ صرف معانی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کیوں کہ حیوانات بھی نغمات سے متاثر ہوتے ہیں اور نا سمجھ تک جو بول بھی نہ سکے، خصوصاً اونٹ اور ان کے بچے۔ صرف اوتار کی آواز میں بھی یہ اثرات دیکھے گئے۔ خصوصاً اونٹوں میں کیوں کہ جب بھی ان پر صحرا طویل ہو جاتا ہے اور بوجھوں تلے تھک جاتے ہیں تو حدی کی آواز پر چست و چلاک ہو کر گردنیں بلند کر دیتے ہیں اور منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ابوبکر محمد بن داؤد دینوری المعروف بالرقی کہتے ہیں، میں سفر میں ایک وادی میں تھا کہ ایک قبیلے میں جا پہنچا۔ ایک شخص نے میری مہمان داری کی اور اپنے خیمے میں لے گیا۔ میں نے وہاں ایک حبشی غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا پایا اور اونٹوں کو گھر کے دروازے پر مرا دیکھا اور ایک اونٹ کو بہت دبلا پتلا

پایا جیسے اس کی روح پرواز کر جائے گا۔ غلام نے مجھ سے کہا کہ آپ مہمان ہیں لہٰذا آپ میری سفارش کر سکتے ہیں۔ میز بان مہمانوں کی بڑی عزت کرتا ہے اوران کی شفارس کو رد نہیں کرتا۔ شاید اسی طرح میری بیڑیاں کھول دے۔ جب کھانا آیا تو میں نے کہا اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ اس غلام کے بارے میں سفارش نہ کرلوں۔ میز بان کہنے لگا کہ اس غلام نے میرا سارا مال ہلاک کر ڈالا۔ میں نے کہا اس نے کیا کیا۔ بولا اس کے آواز بڑی اچھی ہے۔ میرا گزارا اونٹوں کی بار برداری سے تھا۔ اس نے اونٹوں پر بھاری بوجھ لاد دیئے اور حدی پڑھتا رہا۔ تین رات کی مسافت ایک رات سے قطع کرالی۔ جب بوجھ اتار لئے گئے تو سب مر گئے ،صرف یہ ایک اونٹ بچا ہے۔ آپ میرے مہمان ہیں میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور یہ غلام آپ ہی کو بخشے دیتا ہوں۔ مجھے اس کے گانا سننے کا اشتیاق ہوا۔ صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ قریب کے چشمے سے اونٹ کو پانی پلائے۔ اس نے جو آواز بلند کی تو اونٹ پر ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے رسیاں توڑ ڈالیں اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے ایسے اچھی آواز کبھی نہ سنی تھی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ سماع عجیب اثر رکھتا ہے۔ جسے سماع متحرک نہ کر سکے وہ ناقص العقل ہے، بے اعتدال ہے اور روحانیت سے دور ہے۔ پرندے حضرت داؤدؑ کے گیت سن کران کے سر پر منڈلانے لگتے تھے۔ ابوسلمانؒ کہتے ہیں کہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اس میں ہوتا ہے اس میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ماتم کی آوازیں مکروہ ہیں کیوں کہ وہ ایک مذموم چیز کو بھڑکاتی ہیں، یعنی مارنے والے کے رنج وغم کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكَيْلَا تَاسَوْعَلَا مَا فَاتَكُمْ

تا کہ فوت شدہ پر تمہیں غم نہ ہو (الحدید:۲۳)

اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ شادی ولیمہ اور عقیقہ وغیرہ میں سماع مکروہ نہیں کیوں کہ اس سے سرور مباح میں تحریک ہوتی ہے۔

چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ کی عورتوں نے دف پر یہ شعر گائے تھے:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے وداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا — ما داعی للہ داعی

ہم پر شکر واجب ہے جب تک کہ کوئی اللہ کو پکارنے والا رہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت درج ہے کہ مسجد نبوی میں حبشیوں کے کھیل دیکھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ چادر سے مجھ پر پردہ کئے رہے حتیٰ کی میں ہی تھک گئی تھی۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں زہری عن عروۃ عن عائشہؓ والی روایت درج کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ میرے پاس ایام منیٰ میں تشریف لائے۔ میرے پاس دو بچیاں دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ چادر میں لپٹے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ ﷺ نے روئے مبارک کھولا اور فرمایا ابوبکرؓ چھوڑ دو بھی عید کے دن ہیں۔

دوسری حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ اس میں یہ بھی ہیں کہ گا رہی تھیں۔ یہ باتیں صریحاً سماع کے جواز پر دلیل ہیں اور اس بات پر دلیل ہیں کہ اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو عورتوں کی آواز سننے میں مضائقہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سماع اندرونی جذبات میں ہیجان پیدا کرتا ہے لہٰذا اگر کسی کے دل میں عشقِ مباح ہے تو اس کا بھڑکانا جائز ہے اور اگر عشق حرام ہے تو بھڑکانا ناجائز ہے۔ مگر یہ بات غیر صاحب دل لوگوں کے بارے میں ہے۔

رہے وہ لوگ جو صاحب دل ہیں اور حب الٰہی میں شہرت رکھتے ہیں اور اس کے مشتاق رہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب بھی کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اسی کو دیکھتے ہیں اور جب بھی کچھ سنتے ہیں تو اسی سے سنتے ہیں یا اسی کو سنتے ہیں تو ان کا سماع محبت کو مضبوط کرتا ہے اور عشق بھڑکاتا ہے۔ اس سے طرح طرح کے مکاشفات ہوتے ہیں جو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے۔ بس صاحب ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں اور بے حس نہیں سمجھ سکتے۔ اسے صوفیاء کی اصلاح میں وجد کہتے ہیں۔ جو چیز بھی عشق الٰہی کو بھڑکائے وہ اگر فرائض میں داخل نہیں ہوسکتی تو مباح تو یقیناً ہے اور ایسی چیز تک پہنچائی ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگی۔ چنانچہ فرمایا: ”اے اللہ اپنی محبت نصیب فرما اور جو شخص تجھ سے محبت کرے اس کی بھی اور اس چیز کی بھی جو مجھے تیری محبت سے نزدیک کردے“۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ سماع محرک باطن ہے اور بعض لوگ ایسے ہی ہیں کہ وہ کامل و مکمل ہو چکے لہٰذا انہیں کسی خارجی محرک کی ضرورت نہیں پڑتی۔

آداب سماع

یہ بات آداب سماع سے ہے کہ غور سے سنے اور جہاں تک ہو سکے نہ آہیں بھرے اور نہ کسی قسم کی

حرکت کرے۔ خصوصاً نوجوان کو مشائخ کے سامنے اور مبتدی کو منتہی کے سامنے ایسا نہ کرنا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ اپنے نفس وقلب کے احوال کا لحاظ رکھے حتیٰ کہ اسے اس کا نفس اظہار وجد وحرکات پر نہ اکسائے۔ بعض کا خیال ہے کہ بہ تکلف وجد کرنا جائز ہے تا کہ صحیح وجد پیدا ہو جائے اور جو کچھ باطن میں چھپا ہوا ہے وہ ابل پڑے۔ جیسے آگ پتھر میں چھپی ہوتی ہے۔

نوٹ: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ حمد وثنا ونعتیہ کلام ہر شخص کے لیے سننا جائز ہے اور صاحب حال بزرگوں کے لئے بطور علاج مزامیر کے ساتھ سننا بھی مباح ہے۔ مگر اس سے آج کل کی مروجہ قوالی، جو محض نفس کو خوش کرنے کی خاطر گائی جاتی ہے، وہ جائز نہیں ہوسکتی۔ ہر کام علمائے دین سے معلوم کر کے کرو۔

باب ۱۹

امر بالمعروف نہی عن المنکر

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ دونوں اصول دین سے ہیں کیونکہ انہیں سے پیغمبروں کی بعثت کا مقصود پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

”تم میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو بھلائی کی طرف بلائیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں“۔ (ال عمران:۱۰۴)

حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کے غلط تاویل کرتے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

”اے ایمان والو! اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر ہو، تمہیں کسی کی گمراہی نقصان نہیں پہنچا سکتی“ (المائدہ:۱۰۵)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے جو قوم معاصی کا ارتکاب کرتی ہو اور ان میں سے ایسے لوگ ہوں جو روک سکتے ہوں گے مگر نہ روکیں تو ہوسکتا ہے کہ عذابِ عام نازل ہو جائے۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ثعلبہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر۔ اگر تو یہ دیکھے کہ کوئی بخیل شخص مطاع ومخدوم بنا ہوا ہے، خواہشات کا اتباع کیا جارہا ہے، دنیا کی محبت بڑھ رہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر نازاں ہے، تو اپنی فکر کر اور عوام سے منہ موڑ لے۔ تمہارے پیچھے فتنے ہیں کالی رات کی طرح تاریک۔ جو اس زمانے میں تم جیسے اعمال کرے گا اسے تم جیسوں پچاس کا اجر ملے گا۔

امر بالمعروف کے چار ارکان ہیں: محتسب، محتسب علیہ، محتسب فیہ اور احتساب۔ محتسب کا مکلّف مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا رعایا کے سارے افراد کو اختیار ہے حکومت کی طرف سے تعین ضروری نہیں۔ دوسری شرط اسلام ہے۔ کیونکہ یہ نصرت اسلام کے لیے ہے۔ محتسب کے عادل ہونے پر

اختلاف ہے۔بعض علماء کہتے ہیں عادل ہونا ضروری ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَاتَفْعَلُوْنَ

''کیوں کہتے ہو وہ بات جسے کو نہیں کرتے'' (الصف:۲)

قرآن حکیم میں ہے:

وَاَتَاْمُرُوْنَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ

''کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو'' (البقرہ:۴۴)

اس بارے میں بہت سی حدیث وارد ہوئی ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ عدالت شرط نہیں۔یہی مسلک صحیح ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ناصح کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔دیکھو علماء کا عصمتِ انبیاء کے بارے میں اختلاف ہے تو دوسروں کے لیے عصمت کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ شرط لگا دی جائے تو ترکِ احتساب لازم آتا ہے اس لیے کہ شرط عدالت پائی نہیں جاتی۔تو اس میں کیا حرج ہے کہ کوئی شخص خود تو پئے مگر دوسروں کو روکے۔وہ یہ کہ سکتا ہے کہ میرے دو وظیفے ہیں، ایک خود باز رہنا اور دوسرا وظیفہ دوسروں کو باز رکھنا۔میں دوسری بات پر عمل کر رہا ہوں شاید مجھے پہلے کی توفیق ہو جائے۔البتہ کافر کو روک دیا جائے گا کیونکہ اس طرح کافر کا مسلمانوں پر تسلط ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہیں دی۔مسلمان کو نصیحت کا حق ہے تو جس طرح چاہے لوگوں کو روکے،خواہ ڈرا دھمکا کر خواہ مار کر جیسے مناسب ہو۔احتساب ہر شخص پر کیا جاسکتا ہے خواہ وہ بادشاہ ہو یا امام یا کوئی اور کیونکہ جو کوئی بھی غیر شایاں کام کرے گا،اس پر احتساب کیا جاسکے گا۔مندرجہ ذیل روایت اس بات پر دلیل ہے۔مروان بن الحکم نے نماز عید سے پہلے خطبہ دیا تو ایک شخص نے کہا خطبہ نماز کے بعد دینا چاہیے۔مروان بولا ارے چھوڑو بھی۔تو حضرت ابوسعید حذریؓ نے فرمایا،اس شخص نے اپنا فرض ادا کر دیا۔سنو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بری بات دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے،اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان سے روکے اور اگر اتنا بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے۔یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتساب کے چند درجے ہیں۔

احتساب کا دوسرا رکن یہ ہے کہ محتسب فیہ ایک ایسا امر ہو جس کا امر منکر ہونا بلا کسی اجتہاد کے معلوم ہو لہٰذا جن باتوں میں آئمہ کا اختلاف ہے ان کے بارے میں احتساب نہیں کیا جاسکتا مثلاً شافعی حنفی کو نبیذ غیر مسکر کے پینے پر ملامت نہیں کرسکتا اور نہ حنفی شافعی کو گوہ کے کھانے پر اعتراض کرسکتا

ہے۔

تیسرا رکنِ احتساب محتسب علیہ ہے یعنی یہ کافی ہے کہ وہ آدمی ہو چنانچہ بچے کو شراب پینے سے روکا جائے گا البتہ بعض باتیں مجنون وصبی کے بارے میں ایسی کہ ان سے انہیں نہیں روکا جاسکتا۔

آداب محتسب

محتسب کا عالم،متقی اور نرم خو ہانا ضروری ہے چاہیئے کہ نرمی برتے سختی نہ کرے۔علم اس لیے ضروری ہے تا کہ حدود احتساب سے واقف ہو سکے اور پرہیز گاری اس لیے کہ حد مشروع تک رہے اور حسنِ خلق اس لیے کہ مہربانی سے پیش آئے اور سختی کر کے حدِ شرع سے نہ گزر جائے اور بجائے اصلاح کے لوگوں کو خراب نہ کر دے لہٰذا احتساب میں ایک قسم کی شفقت ہونی چاہیئے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اس کی بات نہ مانے یا درپے آزاد ہو تو حدِ شرع سے تجاوز نہ کرے اور احتساب کو بھول کر احتساب ہی میں امر منکر کو داخل نہ کر دے۔

مروجہ منکرات

نماز میں کوئی شخص ذرا قبلہ سے ٹیڑھا کھڑا ہو،رکوع وسجود اطمینان سے نہ کرتا ہو یا قرات میں لحن کرتا ہو تو تنبیہ ضروری ہے۔یہ بہترین کارِ ثواب ہے اور نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔

آج کے مؤذن لوگ دیر تک اذان دیتے ہیں اور الفاظ کو خوب کھینچتے ہیں۔اس قدر کہ وہ اپنی حدود سے نکل جاتے ہیں۔اسی طرح بعض مسجدوں میں کئی کئی بار اذان فجر دی جاتی ہے۔یہ باتیں بے فائدہ ہیں۔

مردوں کو ایسے کپڑے پہننا جن میں ریشم غالب ہوتا ہو، بدعتوں کا مذاق اڑانے کے لیے فاسقانہ کلام، دوائیں یا تعویذ فروخت کرنے کے لیے جمعہ کے دن حلقے بنانا، یہ ایسے منکرات ہیں جن پر دوسرے منکرات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے ہم کہاں تک شمار کرائیں۔

نصیحت سلاطین

احتساب کے چار درجے ہیں: تعریف، وعظ، سختی سے منع کرنا اور زبردستی روکنا۔حکام وسلاطین کے لیے صرف تعریف ووعظ جائز ہے دوسری دوصورتیں فتنہ برپا کرتی ہیں اور ایسے امور پیدا کر دیتی ہیں جو ان باتوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں جن میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ سختی فائدہ دے گی اور کوئی برائی پیدا نہ ہوگی تو کوئی حرج نہیں۔بعض لوگ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

حمزہ سید الشہداء ہیں پھر وہ شخص جو کسی حاکم کے سامنے امرونہی کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے اسے قتل کرادیا۔

نیز فرمایا ''سب سے بہتر جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے''۔ ایسا شخص اگر قتل کردیا جائے تو شہید ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ضبہ بن محصن غزی سے مروی ہے، فرماتے ہیں ہمارے امیر بصرہ ابوموسیٰ اشعریؓ تھے۔ جب کبھی خطبہ دیتے تو اللہ کی حمد وثنا اور درود کے بعد عمر بن الخطابؓ کے لیے دعا فرماتے۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری۔ میں نے کھڑے ہو کر پوچھا، آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ ان سے پہلے خلیفہ پر انہیں ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو میری شکایت لکھ بھیجی کہ ضبہ میرے خطبہ کے دوران تعرض کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے میرے پاس بھیج دو لہٰذا انھوں نے مجھے مدینہ بھیج دیا۔ میں مدینہ گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ آئے دریافت کیا کون ہے؟ میں نے کہا، ضبہ بن محصن الغزی، فرمایا لا مرحبا ولا اھلاً۔ میں نے کہا وسعت تو اللہ کی طرف سے ہے رہا اھلاً تو نہ میرے اہل نہ مال، مگر آپ اے عمر! یہ تو فرمائیں کہ بے خطا مجھے کیوں بصرہ سے تکلیف دی۔ فرمایا میرے گورنر اور تیرے درمیان کیا جھگڑا ہوا، میں نے عرض کیا ہاں اب سنیے میں بتاتا ہوں کہ جب وہ خطبہ دیتے تو اللہ کی حمد وثنا کے بعد نبی پر درود بھیج کر آپ کے لیے دعا کرتے، مجھے اس پر غصہ آگیا میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا آپ انھیں ان کے ساتھی پہ کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ پھر ایسا کئی بار کیا اور آپ کو شکایت لکھ بھیجی تو عمر رونے لگے اور فرمایا بخدا تو اس سے زیادہ صاحب توفیق ورشد ہے۔ تو کیا میری خطا تو بخش دے گا۔ اللہ تجھے بخشے گا۔ میں نے کہا امیر المومنین! اللہ آپ کو معاف فرمائے تو وہ پھر رونے لگے اور کہا، خدا کی قسم ابوبکرؓ کا ایک شب وروز، عمر اور آل عمر سے بہتر ہے۔ کیا میں تجھے ان کی شب وروز کا حال نہ سنا دوں؟ میں نے کہا ضرور، ان کی رات کا یہ حال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی رات کو مکہ سے نکلنا چاہا تو ابوبکرؓ ساتھ تھے تو کبھی آگے، کبھی پیچھے کبھی دائیں اور بائیں چلتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا اے ابوبکر یہ کیا، ایسا تو میں نے تمھیں کبھی کرتے نہیں دیکھا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ خیال آتا ہے کہ کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہوتا آگے ہو جاتا ہوں۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ مشرک پیچھا نہ کر رہے ہوں تو پیچھے ہو جاتا ہوں اور کبھی دائیں کبھی بائیں کیونکہ میں آپ کے بارے میں بے خوف نہیں ہوں۔ ساری رات رسول اللہ ﷺ اپنی انگلیوں کے بل چلتے رہے حتیٰ کہ وہ زخمی ہو گئیں۔ ابوبکرؓ نے دیکھا کہ زخمی ہو گئے ہیں تو اپنی

کاندھے پر بٹھا لیا اور دوڑ لگا دی حتیٰ کہ غار کے منہ تک پہنچ گئے۔ وہاں آپ کو اتارا اور عرض کیا، قسم اس ذات کی، جس نے حق دے کر آپ کو بھیجا ہے جب تک میں غار میں داخل نہ ہو جاؤں آپ اندر قدم نہ رکھیں۔ اگر اس میں کچھ ہوا تو مجھ پر پڑے گا۔ پھر آپ داخل ہو گئے دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا لہٰذا آپ ﷺ کو اٹھا کر اندر لے آئے۔ غار میں ایک شگاف تھا اس میں سانپ تھے تو انھوں نے اپنا پاؤں اس کے اندر کر دیا تاکہ کوئی سانپ رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ پہنچا سکے۔ ایک سانپ نکلا اور اس نے ابوبکر کے کاٹ لیا تو تکلیف سے ابوبکر کے آنسو نکل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکرؓ خوف نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس رات اپنی تسکین ان پر نازل فرمائی۔ یہ ان کی رات کا حال تھا۔ اور دن کا یہ حال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو بدو مرتد ہو گئے۔ بعض نے کہا ہم نماز نہیں پڑیں گے، بعض نے کہا زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ میں حاضر ہو کر انھیں نصیحت کرنے لگا اور کہنے لگا اے خلیفۂ رسول لوگوں کی تالیف قلب کیجئے اور نرمی فرمایئے تو انھوں نے کہا، واہ جاہلیت میں تو تم جبار تھے اور اسلام میں بزدل! ہم ان کی تالیف قلب کیا کریں رسول اللہ ﷺ وفات پائے اور وحی ختم ہو گئی۔ خدا کی قسم وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اگر ایک تسمہ بھی دیتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو ان میں سے قتال کروں گا۔ پھر ہم نے ان سے قتال کیا۔ خدا کی قسم وہ صاحب رشد تھے اور یہ تھا ان کا دن۔ پھر انھوں نے ابوموسیٰؓ کو ڈانٹ کر چٹھی لکھی۔

باب ۲۰

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ بہت زیادہ تضرع وزاری فرمایا کرتے تھے اور اللہ سے دعا مانگا کرتے کہ محاسنِ آداب ومکارمِ اخلاق سے مزین کردے۔ چنانچہ اپنی دعا میں فرمایا کرتے:

اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ۔

''اے اللہ میرے عادات واطوار کو اچھا رکھ۔''

سعید بن ہشام کہتے ہیں میں نے عائشہؓ سے اخلاقِ رسول کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا، رسول اللہ ﷺ کا اخلاق قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان جیسی آیات کے ذریعے ادب سکھایا:

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْبِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ

''معافی کو اختیار کرو۔ اچھائی کا حکم دو اور جاہلوں سے بچو'' (الاعراف:۱۹۹)

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ

''اللہ عدل واحسان اور اقربا کو دینے کا حکم کرتا ہے اور فحش ومنکرات وناروا سے روکتا ہے'' (النحل:۹۰)

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

''جو پڑے اس پر صبر کرو یہ پختہ کاری کی بات ہے'' (لقمان:۱۷)

معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کی آیتیں قرآن میں بہت ہیں۔ آپ ہی تادیب وتہذیب کے مقصد اوّل ہیں اور پھر آپ ہی سے ساری مخلوق پر نورِ اخلاق چمکتا ہے۔ فرماتے ہیں، میں مکارمِ اخلاق سکھانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ حضرت علیؓ کا مقولہ ہے: ''اس مسلمان پر تعجب ہے کہ اس کا مسلمان بھائی حاجت لے کر آئے تو اپنے آپ کو کسی بھلائی کے قابل نہ سمجھے۔ اگر اسے ثواب کی توقع اور عذاب کا خوف نہ تھا تو کم از کم مکارم اخلاق کی طرف تو قدم بڑھاتا کیونکہ یہ راہِ نجات تک پہنچاتے ہیں''۔ یہ سن کر ایک شخص بولا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا سنا ہے؟ فرمایا ہاں، جب بنوطے

کے قیدی لائے گئے تو ایک لڑکی بھی لائی گئی وہ کہنے لگی اے محمد! (ﷺ) کیا آپ مجھے رہا نہ کردیں گے؟ مجھ پر عربی قبیلوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے کیونکہ میں سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ لوگوں کے ناموس کی حفاظت کرتا تھا، اسیروں کو رہا کرتا، بھوکوں کو کھلاتا، اور لوگوں کو بھی کھلاتا پلاتا تھا، سلام بکثرت کرتا اور کسی ضرورت مند کو واپس نہ کرتا۔ میں حاتم کی بیٹی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکی! یہ تو سارے اوصاف مومن کے ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس پر رحم کرتے۔ لوگو اسے رہا کردو کیونکہ اس کا باپ مکارم اخلاق سے محبت رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے جنت میں اچھے اخلاق والا ہی داخل ہوسکتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، ''اللہ نے اسلام کو مکارمِ اخلاق ومحاسن اعمال سے گھیر دیا ہے''۔

مکارمِ اخلاق یہ ہیں:

معاشرت، عمدہ احسان، نرم کلامی، حسنِ سلوک، کھانا کھلانا وسلام کرنا، مسلمان کی عیادت کرنا نیک ہو یا بد، مسلمان کے جنازے میں شرکت کرنا، پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو، بوڑھے مسلمان کی عزت، دعوت اور بلاوے کو قبول کرنا، معافی، اصلاح، جودوکرم، بخشش، سلام میں پہل، غصہ پینا اور لوگوں سے درگزر کرنا۔

اسلام کی رونق کو درج ذیل باتیں زائل کرتی ہیں:

لہوولعب، بے ہودگی، گانا بجانا، ہر قسم کے مزامیر، جھوٹ، غیبت، بخل، ظلم، مکروفریب، چغلی، تعلقات کی خرابی، قطع رحمی، بدخلقی، تکبر، فخر، حیلہ بازی، فخر، مذاق، فحش، کینہ، حسد، بدخیالی، زنا اور ظلم و زیادتی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں، آپ نے ایسی کوئی اچھی نصیحت نہیں چھوڑی جس کی طرف ہمیں دعوت نہ دی ہو اور حکم نہ کیا ہو اور کوئی غل وغش اور عیب ایسا نہیں چھوڑا جس سے ڈرایا نہ ہو اور منع نہ کیا ہو۔ ان سب کے لیے یہ آیت کافی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

''اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے'' (النحل:۹۰)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: میں تجھے اللہ سے ڈرنے سچی بات کہنے، عہد کے پورا کرنے، امانت کے دینے، خیانت کے ترک کرنے، پڑوسی کی

حفاظت، یتیم پر رحم، نرم کلامی، سلام میں پہل، حسن عمل، قصر عمل، لزوم ایمان، تفقہ فی القرآن، حب آخرت، حساب قیامت سے ڈرا اور دل کی حفاظت کی نصیحت کرتا ہوں۔ کبھی کسی دانا کو گالی نہ دینا، سچے کو نہ جھٹلانا، گناہگار کی اطاعت نہ کرنا، امام عادل کی نافرمانی نہ کرنا، کسی زمین کو خراب نہ کرنا، ہر مقام پر اللہ سے ڈرتے رہنا، ہر گناہ کے لیے توبہ کرنا، پوشیدہ کے لیے پوشیدہ اور ظاہر کے لیے ظاہر۔ یہ ہیں اللہ کے بندوں کے آداب اور محاسن اخلاق و مکارمِ آداب کی تبلیغ۔

آپ ﷺ کے بعض اخلاقِ کریمانہ

آپ ﷺ دنیا کے حلیم ترین، شجاع ترین، عادل ترین اور عفیف ترین انسان تھے۔ کبھی دست مبارک ایسی عورت کو نہیں لگا جس کے آپ مالک نہ ہوں یا آپ کے نکاح میں نہ ہو یا محرمات سے نہ ہو۔ بڑے سخی تھے۔ کبھی بھی مال کسی وقت کو آپ ﷺ کے پاس نہیں رہا۔ اگر ضرورت سے بچ رہا اور کوئی سائل بھی نہ ملا تو خانہ مبارک میں اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ اسے ضرورت مند تک نہ پہنچا دیا۔ اللہ کے دیئے ہوئے سے صرف سال بھر کا روزینہ لیتے تھے، وہ بھی سستے چھوہاروں یا جو کا، وہ بھی سب راہ خدا میں چلا جاتا تھا۔ جو کوئی کچھ مانگتا تو ضرور دیتے۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو سال کے روزینہ سے دے دیتے حتیٰ کہ اکثر و بیشتر سال ختم ہونے سے پہلے ہی آپ تہی دست ہو جاتے۔ اگر کچھ بھی نہ ملتا تو صبر فرماتے۔

اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے، پیوند لگا لیتے، گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے اور بی بیوں کے ساتھ گوشت بناتے۔ بڑے حیادار تھے کسی کے چہرے کی طرف دیکھ نہ سکتے تھے۔ آزاد و غلام ہر ایک کی دعوت کو قبول فرما لیتے۔ ہدیہ کو قبول فرما لیتے اگرچہ دودھ کا ایک گھونٹ کیوں نہ ہو یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہو۔ ہدیہ لانے والے کو بدلہ دیتے۔ ہدیہ نوش فرما لیتے تھے مگر صدقہ کا مال نہیں کھاتے تھے۔ عوام اور مسکین کی پکار پر لبیک کہتے۔ خدا کے لیے غصہ کرتے اپنے لیے نہیں۔ بھوک کی شدت ستاتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ جو کچھ سامنے لایا جاتا تناول فرما لیتے، لوٹاتے نہیں تھے۔ حلال کھانے سے کبھی پرہیز نہیں کرتے تھے، جو کچھ میسر آ جاتا پہن لیتے۔ کبھی چھوٹی چادر کبھی یمنی دوشال اور کبھی صوف کا جبہ، جو بھی مباح کپڑا مل جاتا زیب تن فرما لیتے۔ چاندی کی انگوٹھی داہنی چھنگلیا میں پہنتے۔ بسا اوقات بائیں میں بھی پہن لیتے۔ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوتے تو پیچھے اپنے غلام یا کسی شخص کو بٹھا لیتے۔ کبھی گھوڑے پر کبھی خچر پر، کبھی گدھے پر سوار ہوتے، کبھی پیدل چلتے، کبھی ننگے پاؤں بغیر چادر، عمامہ یا ٹوپی پہنے۔

مدینے کے آخری گوشے تک مریضوں کی عیادت کے لیے جاتے۔ خوشبو کو پسند فرماتے اور بدبو سے نفرت کرتے۔ فقیروں، مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے۔ صاحب فضل لوگوں کا احترام کرتے، اہل شرف کے ساتھ محبت و احسان سے پیش آتے، قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے لیکن اہل فضل کو ان پر ترجیح دیتے۔ کسی پر ظلم نہ کرتے، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے۔ مزاح کرتے تو حق بات کہتے۔ ہنستے لیکن قہقہہ نہ لگاتے۔ جائز کھیلوں سے نفرت نہ کرتے، بیویوں کے ساتھ گاہے دوڑ لگاتے۔ آپ کے ہاں غلام اور باندیاں تھیں مگر کھانے اور لباس میں ان سے بہتر نہ کھاتے نہ پہنتے۔ اُمی تھے، نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ آپ کی تربیت ایک جاہل ملک اور صحرا میں فقر و فاقہ میں ہوئی۔ یتیم تھے بکریاں چرایا کرتے تھے، نہ ماں تھی نہ باپ۔ یہ سارے اخلاق اللہ ہی نے انھیں سکھائے۔ اول و آخر کے علوم سے اگاہ کیا اور وہ باتیں بتائیں جن پر نجات و فلاح آخرت کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں طاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آپ ﷺ کے بعض دوسرے اخلاق

روایت ہے کہ اگر آپ ﷺ نے کبھی کسی مومن کو سخت سست کہہ دیا تو یہ اس کے لیے کفارہ اور رحمت بن گیا۔ کبھی کسی عورت یا خادم پر لعنت نہیں بھیجی۔ آپ ﷺ میدان جنگ میں تھے کہ کسی نے کہا یا رسول اللہ! ان کافروں پر لعنت بھیجئے، تو فرمایا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، لعنت باز نہیں ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے انھیں حق دے کر بھیجا کبھی آپ ﷺ نے کسی ناپسندیدہ کام پر مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اگر کبھی ان کی بیویوں نے مجھے برا بھلا کہا تو فرمایا چھوڑو بھی، قضا و قدر سے ایسا ہی ہونا تھا''۔

کہتے ہیں جب کبھی آپ کو دو معاملوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے آسانی کو پسند فرمایا مگر یہ کہ اس میں کوئی گناہ یا قطع رحمی ہو تو آپ اس سے بہت دور رہے۔ جو بھی باندی غلام یا آزاد آپ ﷺ کے پاس کسی کام سے آیا آپ ﷺ فوراً اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ بعثت سے پہلے توراۃ کی پہلی سطر میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ''محمد رسول اللہ ﷺ میرے پسندیدہ بندے ہیں، نہ سخت ہوں گے نہ کرخت، نہ بازاروں میں چیخنے والے ہوں گے، برائی کا برائی سے بدلہ نہ دیں گے البتہ درگزر سے کام لیں گے، مکہ میں پیدا ہوں گے اور طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے ان کی سلطنت شام تک پھیل جائے گی، وہ اور ان کے ساتھی تہبند باندھیں گے، قرآن اور علم کے محافظ

ہوں گے اور، ہاتھوں پیروں پر وضو کریں گے‘‘۔
انجیل میں بھی آپ ﷺ کی اسی طرح توصیف آئی ہے۔ان کی عادت تھی کہ جس کسی سے ملتے پہلے اسے اسلام کرتے۔اگر کوئی آپ سے باتیں کرتا تو جب تک وہ خود نہ چلا جاتا آپ اس سے کھڑے باتیں کرتے رہتے اور اگر کوئی آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیتا تو جب تک وہ نہ چھوڑتا آپ ﷺ ہاتھ نہ کھینچتے۔اپنے کسی ساتھی سے ملتے تو خود مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے۔پھر اس کا ہاتھ تھام کر انگلیوں میں انگلیاں ڈالتے پھر پورا ہاتھ دباتے۔اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی کرتے، اگر نماز پڑھتے کوئی آجاتا تو نماز ہلکی کر دیتے اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔دریافت کرتے کیا کام ہے؟اس کا کام کر چکتے تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔اکثر قبلہ رو بیٹھتے، جو بھی آتا اس کا احترام کرتے حتیٰ کہ اکثر اپنا کپڑا اس کے لیے بچھا دیتے اگرچہ نہ تو اس سے کوئی نسبی رشتہ ہوتا نہ رضاعی۔آنے والے کو اپنا تکیہ پیش کرتے جس سے کمر لگائے ہوتے تھے۔اگر وہ قبول نہ کرتا تو اصرار کرتے حتیٰ کہ وہ قبول کر لیتا۔کھڑے ہوتے تو سبحان اللہ کہتے یا یہ دعا پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ
اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

پھر فرماتے یہ دعا مجھے جبریل نے سکھائی ہے۔

کلام وضحک

آپ ﷺ بہت فصیح و شیریں کلام تھے۔فرمایا کرتے تھے، میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔اہل جنت اسی زبان میں بات کریں گے۔آپ ﷺ کی باتیں بڑی جامع ہوتی تھیں نہ کم نہ زیادہ۔ٹھہر ٹھہر کر مسلسل گفتگو فرماتے کہ سننے والا اچھی طرح سمجھ سکے۔خوش ہوتے یا ناخوش سچ ہی بولتے۔بہت مسکراتے اور بہت خوش مزاج رہتے مگر یہ کہ جب قرآن نازل ہوتا یا قیامت کا ذکر یا واعظانہ تقریر فرماتے ہوئے۔

ایک دن ایک بدو آیا آپ کچھ دل گرفتہ تھے۔اصحاب جان گئے کہ طبیعت مبارک ناساز ہے۔بدو نے آپ ﷺ سے کچھ دریافت کرنے کا ارادہ کیا تو اصحابہ نے اسے روکا کہ آج آپ کا رنگ کچھ بدلا ہوا ہے تو بدو بولا مجھے جانے دو، اس ذات کی قسم جس نے انھیں نبی بنا کر بھیجا ہے بغیر ہنسائے نہ چھوڑوں گا، تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! ہم نے سنا ہے کہ مسیح دجال لوگوں کو ثرید کھلوائے گا جب کہ لوگ بھوک سے مر رہے ہوں گے، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ﷺ کی کیا رائے ہے۔کیا ایسے

وقت میں اس کے کھانے سے باز رہوں اور تقویٰ و پرہیز گاری کا دامن نہ چھوڑوں یا لآخر بھوکا مر جاؤں یا اس کے ثرید کو کھاؤں، اور جب پیٹ بھر جائے تو اللہ پر ایمان لے آؤں اور اس سے انکار کردوں۔کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک نمودار ہو گئے۔فرمایا اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی اللہ تجھے بھی اسی طرح بے نیاز کر دے گا جیسے دوسرے مسلمانوں کو۔

جب کوئی مہم درپیش ہوتی تو اللہ کے سپرد کر دیتے۔لاحول پڑھتے اور اللہ سے سیدھی راہ دکھانے کی دعا کرتے ہوئے فرماتے:

اللّٰھم ارنی الحق حقا فاتبعه وارنی المنكرا وارزقنی اجتنابه واعذنی ن ان
تشتبه علی فاتبع هوای بغير هدی منك واجعل هوای تبعا اطاعتك وخذ
رضا نفسك من نفسی فی عافية واهدنی فيما اختلف فيه من الحق باذنك
فانك تهدی الی صراط المستقيم

آداب اکل و شرب

کھیرے کو کبھی کھجور اور کبھی نمک سے کھاتے۔پھلوں میں کھجور، خربوزہ اور انگور کو پسند کرتے۔بسا اوقات انگوروں کو خوشے میں لگے ہی تناول فرماتے تو ان کا شیرہ ریشِ مبارک پر موتیوں کی طرح چمکتا۔عموماً آپ کا کھانا کھجور اور پانی تھا۔کھجور اور دودھ ساتھ کھاتے اور انہیں اطیبین یعنی نفیس ترین فرمایا کرتے۔سب سے مرغوب گوشت تھا۔فرمایا کرتے تھے، اس سے ساعت میں اضافہ ہوتا ہے، یہ دنیا اور آخرت میں سید الطعام ہے۔اگر میں پروردگار سے سوال کرتا کہ ہر روز مجھے گوشت کھلائے تو ضرور کھاتا۔ثرید گوشت اور کدو سے کھاتے۔کدو کو پسند فرماتے کہا کرتے تھے۔یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں: جب بھی ہانڈی پکایا کرو تو کدو خوب ڈالا کرو کیونکہ یہ غمگین دل کو مضبوط کرتا ہے۔شکار کے پرندوں کا گوشت کھاتے مگر خود نہ ان کا پیچھا کرتے نہ شکار کرتے۔ہاں اس بات کو پسند فرماتے کہ کوئی شخص آپ کے لیے شکار کھیلے اور آپ کھائیں۔روٹی اور گھی کھاتے، بکری کا دست اور منڈھا پسند کرتے، کدو کا سالن اور سرکہ پسند تھا اور کھجوروں میں عجوہ پسند تھی۔ان کھجوروں کے بارے میں آپ نے دعا بھی فرمائی۔فرمایا یہ جنتی میوہ ہے، زہر اور جادو سے شفا ہے۔سبزیوں میں سے تلسی، کاسنی خرفہ پسند فرماتے۔

لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو مل جاتا پہن لیتے۔ اکثر سفید کپڑے پہنتے۔ فرمایا کرتے، ''اپنے زندوں کو سفید جامہ پہناؤ اور مردوں کو اسی کا کفن دو''۔ بسا اوقات اندر سے برآمد ہوتے تو انگشتری میں دھاگا بندھا ہوتا۔ ایسا کسی بات کے یاد رکھنے کے لیے کرتے تھے۔ عمامہ کے نیچے ٹوپی اوڑھتے اور بغیر عمامہ کے بھی ٹوپی استعمال کرتے۔ بسا اوقات ٹوپی سر سے اتار کر نماز کے لیے سترہ بنا دیتے۔ جب بھی کوئی کپڑا پہنتے داہنی طرف سے زیب تن کرتے اور یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَااُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَاتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ

جب کپڑے اتارتے تو بائیں طرف سے اتارتے۔ جمعہ کے لیے خاص لباس ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی مسکین کو دیتے۔ فرمایا کرتے تھے: ''جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو اپنی ضرورت سے زیادہ کپڑے اللہ واسطے سے دیتا ہے تو وہ اللہ کی ضمانت حفاظت اور عافیت میں ہو جاتا ہے خواہ مردہ کو دے یا زندہ کو''۔

آپ کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پٹھے بھرے تھے۔ تقریباً دو ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ ایک بالشت چوڑا۔ ایک عبا تھی، جہاں کہیں جاتے اسے دوہرا کر کے بچھا لیتے۔ چمڑے کی پیٹی باندھتے جس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔

شجاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جنگ بدر میں ہم نبی پاک ﷺ کی پناہ لیتے تھے اور آپ ﷺ ہم میں دشمن سے سب سے قریب ہوتے تھے۔ اس دن آپ سب سے بہادر دکھائی دیتے تھے۔

معجزات

جن لوگوں نے آپ کے عادات و اطوار دیکھے اور جو کچھ آپ کے بارے میں نقل کیا گیا اسے محفوظ رکھا وہ جانتے تھے کہ اولین و آخرین ایسے معجزات سے عاجز ہیں اور یہ باتیں بغیر وحی کے نہیں ہو سکتیں۔ بالکل اکھڑ بدّو بھی آپ کو دیکھتا تو کہہ اٹھتا واللہ یہ چہرہ جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ صاحب بصیرت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ آپ ﷺ سچے نبی تھے پھر بھی ہم بعض معجزات کا ذکر کیے دیتے

ہیں۔ جب قریش مکّہ نے یہ سوال کیا کہ آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیں تو شق القمر ہوا۔ غزوۂ خندق میں ابوطلحہ کے گھر آپ نے تھوڑا سا کھانا ایک بڑی جماعت کو سیر ہو کر کھلایا۔ انگشتِ مبارک سے پانی جاری ہوا اور ایک لشکر نے پیٹ بھر کر پیا اور ایک پیالہ سے سب نے وضو کیا جس کا منہ اتنا چھوٹا تھا کہ دستِ مبارک بھی اس کے اندر کشادہ نہ ہو سکتا تھا اس قسم کے بہت سے معجزات ہیں مگر صاحب بصیرت کا ایمان ان پر موقوف نہیں۔

باب ۲۱

عجائبات قلبِ انسانی

عجائباتِ قلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ابنِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ درست ہو تو سارا جسم درست۔ سنو وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل قلب ہے۔ وہی عالمِ جسد میں امیر مطاع ہے باقی تو اُسکی رعیت ہیں۔ ہم قلب، روح، نفس، اور عقل کے معانی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

قلب

اس لفظ کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے، ایک وہ لحم صنوبری جو سینے کے بائیں جانب ہے۔ اسکے باطن میں ایک خانہ ہے جس میں سیاہ خون بھرا رہتا ہے یہی منبع روح ہے۔ یہ گوشت کا لوتھڑا اسی طرح حیوانات اور مردوں میں ہوتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک ربانی و روحانی لطیفہ ہے جس کا اس مضغۂ گوشت سے تعلق ہے۔ یہی لطیفہ اللہ کا ادراک کرتا ہے اور ایسی چیزوں کا ادراک کرتا ہے جنہیں خیال و وہم نہیں پاسکتے، یہی حقیقت انسانی ہے اور یہی
مخاطبِ الٰہی سی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ

اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہے (ق: ۳۷)

اگر اسی آیت میں صنوبری شکل کا مضغۂ گوشت مراد ہوتا تو وہ تو ہر ایک کے سینے میں ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جاننا چاہیے کہ اس لطیفہ کا اس لوتھڑے سے تعلق بڑا باریک ہے جسے احاطۂ بیان میں نہیں لایا جاسکتا بلکہ مشاہدہ پر موقوف ہے۔ جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا جاسکتا ہے یہ سمجھ لو کہ وہ بادشاہ کی مانند ہے اور یہ مضغۂ گوشت قصرِ شاہی کی مانند۔ کیونکہ اگر اس کا تعلق اعراض جیسا ہوتا تو یہ کہنا درست نہ ہوسکتا کہ شیطان انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

روح

روح کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک روح طبعی جو ایک قسم کا بخار ہے جسکا منبع تجویف قلب کا سیاہ خون ہے وہاں سے وہ رگوں کے ذریعے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے گویا وہ گھر کا چراغ ہے کیونکہ اسی سے جسم میں روشنی پھیلتی ہے اطباء اسی پر روح کا اطلاق کرتے ہیں۔

روح کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک لطیفہ ربانی ہے جو اصل میں حقیقتِ قلب ہے۔ روح اور قلب دونوں اس لطیفہ سے منسلک ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

آپ فرمادیجئے روح امر ربی ہے (بنی اسرائیل: ۸۵)

نفس

نفس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو غضب، غصہ اور شہوت کی قوتوں اور ذلیل صفات کے مجموعہ کو بولتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ مجاہدہ سے اسکی قوت کے توڑنے کا حکم ہے۔ نفس کے دوسرے معنی وہ لطیفہ ربانی ہے جس پر روح اور قلب کا بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسے روح قلب بھی کہہ دیتے ہیں اور مطلق روح بھی یہی حقیقتِ انسانی ہے، جس سے انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ جب یہ ذکرِ الٰہی سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور شہوات وصفاتِ مذمومہ مٹ جاتے ہیں تو اسے نفسِ مطمئنہ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یہی مراد ہے:

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

اے نفسِ مطمئنہ (الفجر: ۲۷)

نفس قبل اس بات کے کہ اس درجے تک پہنچے، اس کے دو اعتباری درجے ہیں۔ ایک کو نفسِ لوامہ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی قسم کھائی ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ

میں نفسِ لوامہ کی قسم کھاتا ہوں (القیامہ: ۲)

یہ گناہوں پر ملامت کرتا ہے۔ نہ تو ان کی طرف جھکتا ہے اور نہ ان سے خوش ہوتا ہے۔ اس درجہ تک پہنچنے سے پہلے اس کا ایک اور درجہ ہے یعنی امّارہ بالسوء۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ

بے شک نفس برائی کا بہت حکم دیتا ہے (یوسف:۵۳)

یہ کسی حالت میں بھی بھلائی کا حکم نہیں دیتا اور برائی پر ملامت نہیں کرتا۔ یہ نفس کا سب سے پست ترین درجہ ہے اور مطمئنہ بلند ترین۔ لوامہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ برائی کو پسند نہیں کرتا نہ اسکی طرف مائل ہوتا ہے اور نہ مطمئن رہ سکتا ہے کہ بھلائی یعنی ذکرِ الٰہی سے مطمئن ہو جائے۔

عقل

عقل کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔

(1) علم بہ حقیقت اشیاء (2) عالم بہ حقیقت اشیاء، دوسرے معنی ایک لطیفہ ربانی ہے جس کا پیچھے ذکر گزرا کیونکہ مندرجہ ذیل حدیث میں پہلے معنی ٹھیک نہیں بیٹھ سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے اللہ نے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا آگے آ تو وہ آگے آئی پھر کہا پیچھے ہٹ تو وہ پیچھے ہٹ گئی''۔ اب تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ قلب عقل، روح اور نفس کا آیات واحادیث میں جو ذکر آیا ہے ان سے مراد لطیفہ ربانی ہے اور جب ہم یہ لف لاتے ہیں تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں: ''قلب عرش ہے اور سینہ کرسی ہے''۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں شکل صنوبری کے علاوہ کوئی چیز مراد لی ہے۔

خصوصیاتِ قلب

دل کے دو لشکر ہیں۔ ایک لشکر تو آنکھوں سے نظر آتا ہے، جیسے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء۔ دوسرا لشکر بصیرت سے معلوم ہوتا ہے۔ اسکا عنقریب ذکر آئے گا۔ حدیث میں ہے ''ابنِ آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے۔ سنو وہ قلب ہے''۔

قلب کو آمر مطاع ہونا چاہیے اور سارے بدن کو اس کے امر و نہی کا فرمانبردار، اگر ایسا نہ ہو اور شہوتوں کا غلبہ ہو تو حاکم محکوم بن جاتا ہے اور معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ ایسی کچھ حالت ہو جاتی ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی کتے یا دشمن کا ذلیل قیدی بن جائے۔ لہٰذہ جب آدمی ہوس کا پابند ہوتا ہے تو عام آدمی خواب میں اور صوفیاء عالم بیداری میں اپنے آپ کو خنزیر یا گدھے کے سامنے سجدہ ریز دیکھتے ہیں۔ اگر غصہ کا تابع فرمان ہوتا ہے تو اپنے کو کتے کے سامنے سجدہ کناں پاتا ہے کیونکہ دراصل اس نے گدھے کی اطاعت کی جو کہ شہوت ہے اور خنزیر کی تابع داری کی جو کہ ہوس ہے۔ اس حالت میں وہ

شیطان کا فرمانبردار ہوتا ہے جو انسان پر مسلط ہوتا ہے۔ جب خواہشات کا تسلط بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جو کہ دل کے لئے جنودِ شیطان ہیں اور دل میں انکی مقابلہ میں نہیں ہوتی۔ جب وہ مدت تک مغلوب رہتا ہے تو اس لطیفہ کی خاصیت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی کو احادیث میں دل کی سیاہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو

قرآن میں طبع درین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

''یہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے''

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

''ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے'' (المطففین:۱۴)

دل کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ جب تک وہ میل اور زنگ سے پاک رہتا ہے تو حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب زنگ آلود ہو جاتا ہے تو برباد ہو جاتا ہے۔ جب صیقل کا کوئی سامان نہیں ہوتا کہ اس کے زنگ کو دور کر کے جلا بخشے تو پھر ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ صیقل کرنے والا اس کے صیقل کرنے اور جلا دینے پر قادر نہیں ہو پاتا، اسی کو طبع و رین کہتے ہیں اور اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ دل پر لوہے کی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے۔ سوال کیا گیا پھر وہ کس چیز سے جلا پاتا ہے؟ فرمایا ذکرِ موت وتلاوتِ قرآن پاک سے۔

جب دل کی حکومت بالکل برباد ہو جاتی ہے تو شیطان چھا جاتا ہے اور صفاتِ محمودہ صفاتِ مذمومہ سے بدل جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دل کی چار قسمیں ہیں؛

۱۔ قلبِ مجرد جس میں چراغ روشن ہو یہ قلب مومن ہے۔

۲۔ قلبِ سیاہ رنگوں، یہ کافر کا دل ہے۔

۳۔ غلاف میں لپٹا ہوا دل، یہ منافق کا دل ہے۔

۴۔ قلبِ مصفح، جس میں ایمان ونفاق دونوں ہوں۔ اسکے اندر ایمان سبزے کی طرح ہوتا جیسے پاکیزہ پانی پرورش کرتا ہو اور نفاق زخم کی طرح ہوتا ہے جسے پیپ سیراب کرتی ہو تو جو بھی مادہ غالب ہو اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ

"جب پرہیز گاروں کو شیطانوں کا گروہ لپٹتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور بصیرت پاتے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دل کی بصیرت وجلاء ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ذکر پر قدرت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔تقویٰ ذکر کا دروازہ ہے، ذکر کشف کا دروازہ ہے اور کشف فوزِ کبیر کی کُنجی ہے۔

امراضِ قلب

معلوم ہونا چاہیئے کہ دل کی مثال آئینے کی سی ہے اور علوم حقائق کی مثال ان صورتوں جیسی جو آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں اور انعکاس ایک تیسری چیز ہے۔اب یہ جاننا چاہیئے کہ صورتوں کے منعکس نہ ہونے کے پانچ اسباب ہیں:

۱۔فسادصورتِ آئینہ، یعنی اسکی شکل غیر مدور اور ٹیڑھی ہو۔

۲۔زنگ۔

۳۔آئینہ صورت کی سمت سے ہٹا ہوا ہو مثلاً یہ کہ صورت اسکے پیچھے ہو۔

۴۔آئینہ اور تصویر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

۵۔آئینہ کو پتہ نہ ہو کہ تصویر کس طرف ہے۔

دل کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ اس بات کی استعداد رکھتا ہے کہ وہ تمام امور میں خدائی صفات کے ساتھ مزین ہو لیکن مندرجہ بالا پانچ اسباب کی وجہ سے خالی رہتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ خود دل ہی خراب ہو جیسے مجنون صبی کا دل، دوسری یہ کہ معاصی اور خباثت، کثرت شہوت سے دل پر زنگ چڑھی ہوئی ہو۔اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

ہرگز نہیں، اللہ نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے (المطففین:۱۴)

حضور ﷺ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا اس سے عقل کا کچھ حصہ زائل ہو جاتا ہے جو کبھی نہیں لوٹتا۔اس لئے کہ عقل کا یہ کام دل کو کسی اچھائی کے ساتھ جلا دینا ہے۔اگر انسان گناہ نہ کرتا تو دل کی روشنی میں اضافہ ہوتا۔تیسری یہ کہ دل حقیقتِ مطلوبہ کی طرف سے ہٹا ہوا ہو مثلاً یہ کہ ترتیب طاعات میں لگا رہتا ہے حالانکہ اسے ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ذاتِ خداوندی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے تھا کہ انہوں نے فرمایا:

چوتھی چیز حجاب ہے۔وہ یہ کہ دل کے اندر بقیہ شہوت یا فسادِ عقیدہ ہو جو بچپن میں لگ گیا تھا اور

اس کا اثر باقی رہ گیا ہو۔ پانچویں اس سمت سے آشنا نہ ہونا جدھر طلب کرنی چاہیئے تھی۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ کلی طور پر ایمان بالغیب رکھے کیونکہ جب تک ایمان بالغیب نہ ہوگا تو وہ ایک نامعلوم چیز کی تحصیل کے درپے کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا غفلت مانع بن جاتی ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:"اگر شیاطین قلوبِ بنی آدم کے اردگرد نہ گھومتے تو وہ ملکوت السمٰوات کا مشاہدہ کیا کرتے"۔نیز فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اسکے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

حضرت ابنِ آدمؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کہاں ہے زمین میں یا آسمان میں؟ فرمایا مومن بندوں کے دل میں۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا مجھے ارض وسما نہیں سما سکتے البتہ میرے مومن بندے کا دل سما سکتا ہے۔ حضرتِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل نے پروردگار کو دیکھ لیا کیونکہ اس نے میرے دل کو صاف شفاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا

"فلاح پا گیا جس نے اس کا تزکیہ کیا" (الشمس:۹)

معلوم ہونا چاہیئے کہ قبول حق کے تین درجے ہیں:

۱۔ حق کو ابتداء میں کسی سے سن کر قبول کر لینا۔اس میں غلطی ممکن ہے یہ عوام کی تقلید ہے۔

۲۔ یہ کہ گھر کے اندر سے کسی شخص مطلوب کی آواز سنے اور پہچان جائے کہ اسی کی آواز ہے جس کا وہ طالب ہے۔

۳۔ گھر کے اندر داخل ہو کر اس شخص کا مشاہدہ کر لے۔

حضرتِ علیؓ کے قول سے یہی مراد ہے:"اگر پردہ اُٹھ جائے تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہو"۔ یہ ایمانِ انبیاء، صدیق و اولیاء ہے۔اس کے گرد نہ سہو گھومتا ہے نہ غفلت۔کافر بچے اور مجنون کا انکشاف حقائق سے باز رہنا ایسا ہے جیسے ایک کامل صاحب بصارت بغیر نورِ شمس کے کچھ نہیں دیکھ سکتا تو وہ بصیرت سابقہ کی بنا پر طلوع شمس کے وقت دیکھ لیتا ہے۔اسی طرح سنِ رشد وعمل سے پہلے صبی و مجنون کے دل میں علم منکشف نہیں ہوتا کیونکہ اس کی لوحِ قلب ابھی تک نقشِ قلم کے قبول نہیں رکھتی۔ قلم اللہ کی ایک مخلوق ہے جس سے قلوبِ عباد میں علوم نقش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

"جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو نامعلوم چیزوں کا علم دیا" (العلق:۴-۵)

اس کا قلم مخلوق کے قلم کے مشابہ نہیں ہے جیسے اسکی صفات مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں۔اس کا قلم بانس یا لکڑی کا نہیں ہے جیسے اس کی ذات نہ جوہر ہے نہ عرض۔

جسم کا بادشاہ

قلب یعنی لطیفہ ربانی بادشاہ کی مانند ہے اور بدن اسکی مملکت ہے اور قوتِ عقل و مفکر اس کا وزیر ہے۔صفاتِ مذمومہ پولیس کی طرح ہیں۔تو دل جب تک کہ اپنی مملکت کے تصرف میں وزیر کے اشارے پر چلتا ہے اسکی سلطنت درست رہتی ہے اور اگر صفاتِ مذمومہ اشارہ عقل کے خلاف غالب آجاتے ہیں تو راہِ عدل سے منحرف ہو جاتا ہے۔ہم اسکی ایک مثال دیتے ہیں۔لطیفہ ربانی کی مثال ایسی ہے جیسے شہسوار شکاری بدن اسکی سواری ہے اور غضب و شہوت اس کے کُتے۔اگر اس کی سواری اور اسکے کُتے فرمانبردار ہوں تو وہ شکار پر قادر ہو جاتا ہے یعنی علوم وفنون اور سعادتِ ابدی حاصل کر لیتا ہے اور گھوڑا سرکش ہو یا کُتے غیر تربیت یافتہ ہوں کہ اس کے حکم پر شکار کی جانب نہ جھپٹیں اور اسکے روکنے پر نہ رکیں تو معاملہ خراب ہو جاتا ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں کُتے اس پر نہ ٹوٹ پڑیں اور بجائے شکار کے اسے نہ پھاڑ ڈالیں۔

مراتبِ قلب

قلب میں حسولِ علم کے چند مرتبے ہیں۔ایک تو وہ جو علماء کو حاصل ہوتا ہے۔مقدمات کے ذریعہ نتائج تک پہنچتے ہیں اور ولیوں کے واسطے مدلولات تک رسائی پیدا کرتے ہیں۔دوسرے وہ جو بطور کشف وارادۂ الٰہی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبروں کو ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

"ہم نے اس طرح ابراہیم کو ارض وسما کے ملکوتی حالات دکھائے" (الانعام:۷۶)

حضورِ اکرم ﷺ دعا فرماتے ہیں:"اے اللہ اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں ہمیں دکھا"۔لہٰذا ان کے لئے حقائق بغیر کسی دلیل و برہان یا مقدمات واضح ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے قول سے یہی مراد ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا

"اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دیتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا" (فاطر:۲)

یہ رحمت جودِ الٰہی و کرم ابدی سے ان لوگوں کے لیئے کھول دی جاتی ہے جو اس رحمت کے خواہاں ہوتے ہیں۔اسی کی طرف نبی علیہ السّلام نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے"کچھ دن ایسے ہیں کہ تمہارے رحمتیں کھلتی ہیں تو انہیں بڑھ کر حاصل کرو"۔ان کے در پے ہونا ہی فلاح و سعادت ہے جو تزکیہ سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا

"فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا" (الشمس:۹)

اس سے اعراض، ادبار ہے اور بدبختی اس کے خلاف چلنے میں ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

"محروم رہا جس نے نفس کو آلودہ کیا" (الشمس:۱۰)

اگر بندہ کی طرف سے خواہش استکشاف ہو تو یہ بصورتِ دعا اور طلبِ ہدایت کے ظاہر ہوتی ہے اور اگر اللہ کی طرف سے ہو اور بندہ کی طلب کو دخل نہ ہو تو اس کا ظہور بصورتِ نزول ہوتا ہے۔اسی کی طرف حضور ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے:"اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے" اور اسی حدیث قدسی میں بھی، جو پروردگار کی زبانی ہے، اس طرف اشارہ ہے:"نیک بندوں کو مجھ سے ملنے کا شوق کس قدر زیادہ ہوتا ہے اور میرا ان سے شوقِ ملاقات کہیں زیادہ ہے"۔

استکشاف وتکشف کی طرف اس حدیثِ قدسی میں بھی اشارہ ہے:"جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں"۔

بہر حال معلوم ہونا چاہیئے کہ جودِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بغیر کسی بخل کے صرف ہوتی ہے اور کرم سرمدی کا یہ تقاضا ہے کہ قلب اپنی اصل فطری حالت میں اس سعادت قبول کے لیئے مستعد رہے۔اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے:

"ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے"، اس قولِ خداوندی میں بھی"

وِفِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

"اللہ کی فطرت جس پر لوگوں کو پیدا کیا" (الروم:۳۰)

فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ

''ہم نے انسان کو بہترین پیمانے پر پیدا کیا'' (التین:۴)

ہاں ان دونوں امور کے درمیان بعض امور مانع و مشاغل پیدا ہو جاتے ہیں جیسے شہوتیں جنابتیں اور مشاغل۔ جب موانع اُٹھ جاتے ہیں تو معاملات اپنے اقتضاء کے مطابق جاری ہو جاتے ہیں اور قلب کے لئے جلال و عظمت الٰہی کا انکشاف ہو جاتا ہے اور انسان سعادتِ ابدی پاتا ہے۔ جس قدر کسی برتن میں گنجائش ہوتی ہے اسی قدر اس میں کوئی چیز سما سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ربانیوں والا جبار کہا ہے۔ یہ سعادت جسے حاصل ہو جائے وہ ملکِ کریم بن جاتا ہے اور ربانیوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف حضرت علیؓ نے اشارہ فرمایا ہے: ''سرزمین پر اللہ کے کچھ برتن ہیں یعنی دل، اللہ کو وہ پسند ہیں جو لطیف و شفاف اور سخت ہوں''۔ پھر آپ نے ہی اس قول کی تفسیر فرمائی: ''دین میں سخت، یقین میں صاف اور بھائیوں کے لیئے نرم''۔

اسی کی طرف اللہ کے اس قول میں اشارہ ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

''اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو'' (النور:۳۵)

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ یہ مومنین و قلوبِ مسلمین کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

''یا بحر مواج میں تاریکی کی طرح'' (النور:۴۰)

یہ منافق کے قلب کی مثال ہے۔ حضرت زید بن اسلمؓ کہتے ہیں، فی لوح محفوظ سے مراد قلب مومن ہے۔

فطرتِ قلبِ انسانی

انسان اپنی اصلی فطرت و ترکیب کے اعتبار سے چار چیزوں کا مجموعہ ہے: درندوں کے صفات، چوپایوں کی صفات، شیطانی صفات اور ربانی صفات۔

جب غصہ کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ درندوں کے سے کام کرتا ہے۔ شہوتوں کا تسلط ہوتا ہے تو چوپاؤں کے سے اور ان دونوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے اور حبِ حرص و قوت و غلبہ اور مکر و فریب کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس پر شیطانیت غالب آ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ دراصل روح امر ربانی ہے، جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:۸۵)

لہٰذا وہ اپنے لئے ربانیت و علو چاہتی ہے اور تابع فرمان بننا نہیں چاہتی اور ایسے امور سے خوش ہوتی ہے جو معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ متصف ہونے سے سرور محسوس کرتی ہے۔ جہالت اور جہالت کے ساتھ متصف ہونے سے نفرت کرتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو اچھی طرح جان لو کہ عبادتوں کے ساتھ مشغولیت اور ان پر مداومت سے مقصود لایعنی باتوں کا مغلوب کرنا اور شایان امور کا بقا ہے۔ عنقریب ریاضتِ نفس کے بارے میں تفصیل آئے گی۔ اگر علمِ صالح، تعلیم و تعلیم اور تربیت مقدمات سے پیدا ہوا ہے تو یہ طریقہ علماء ہے اور اگر اس کے علاوہ حاصل ہوا ہے تو یہ طریقہ صوفیاء ہے جو کہ کشف و مشاہدہ سے ملتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ نفس میں الہام ہو۔ اسے نفس فی الروع کہتے ہیں جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس قول میں اشارہ کیا ہے، ''روح القدوس نے میرے دل میں پھونکا کہ جس سے چاہے محبت کرو اسے چھوڑنا ہی پڑے گا۔ جو چاہے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ زندہ جب تک چاہو مرنا ضرور ہے''۔ دوسری قسم بھی جنسِ الہام سے ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے لئے حقائق اشیاء منکشف ہوں اور وہ اس موکل فرشتہ کو بھی دیکھے جس سے استفادہ کرتا ہو۔ جب دل صاف شفاف آئینہ کی طرح ہوتا ہے اور حجاب اُٹھ جاتا ہے تو وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے لوحِ محفوظ کے سامنے آئینہ۔ لہٰذا اس میں حقائقِ علوم منکشف ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حقائقِ اشیاء لوحِ محفوظ میں منقش ہیں۔ ارتفاع حجاب کبھی نیند میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں۔ صوفیاء اس سے آشناء ہیں۔ کبھی رحمتِ ربانی کی ہوائیں بلا سبب و کوشش کے چلنے لگتی ہیں تو پردۂ غیب کے پیچھے سے علومِ غریبہ کی روشنی پڑتی ہے۔ اس قسم کے کشف کی تکمیل موت سے پہلے ہوتی ہے جس سے پوری طرح پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا ہے:

''لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے تب ہی بیدار ہوں گے''۔

صوفیاء کا طریقہ تصفیہ، موت کے قریب قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ علوم کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ تصفیہ قلب و قطع علائق کے درپے رہتے ہیں تا کہ پورے طور سے اللہ کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ پھر معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اُنکے قلوب کے لیئے انوار و الطاف کے دروازے کھول دے۔ انبیاء و اولیاء کا یہی طریقہ کار ہے۔ ان لوگوں نے عدم و حقائق کسی سے پڑھا نہیں بلکہ خزانے پائے۔ لہٰذا کسب و اکتساب سے منہ موڑ کر انہیں کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ علم کسی کسب و صوفیاء کے طریقہ کار کی مثال خزانہ و کیمیا کی سی ہے۔ مگر خبردار اکتساب کو نہ چھوڑنا کیونکہ یہ تو باعثِ ہلاکت ہے۔

طریقہ تعلیم وطریقہ صوفیاء

دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ عالم محسوسات کی طرف کھلا ہے اور دوسرا عالمِ غیب کی طرف۔ اس بات کی سچائی کا علم حالت خواب پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ تم نیند میں عجائبات دیکھتے ہو اور ایسے غیبی امور اطلاع پا لیتے ہو جو مدت بعد ظہور پزیر ہونے والے ہوتے ہیں۔ بیداری میں یہ دروازہ انبیاء واولیاء کے لئے کھلتا ہے۔ یہ بات اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو ماسویٰ اللہ سے دل کو پاکیزہ کر لیتے ہیں اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

''یکتا لوگ سبقت لے گئے، سوال کیا گیا وہ کون ہیں یا رسول اللہ! فرمایا ذکرِ الٰہی میں کوشش کرنے والے، ذکر نے ان کے گناہوں کے بوجھ کو اُتار دیا لہٰذا وہ بروزِ قیامت ہلکے پھلکے آئیں گے''۔

اس کے بعد ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا،'' میں اُنکی طرف متوجہ ہوتا ہوں، تمہیں پتہ ہے میں جس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اسے کیا دیتا ہوں''۔

پھر فرمایا،''سب سے پہلی چیز جو اُنہیں دیتا ہوں یہ ہے کہ اپنا نور ان کے دلوں کو بخشتا ہوں تو وہ مجھ سے باخبر ہو جاتے ہیں جیسے میں ان سے باخبر ہو جاتا ہوں''۔

یہ تمام چیزیں دل میں اسی دروازے سے داخل ہوتی ہیں جو علمِ غیب کی طرف کھلتا ہے اور وہ عالمِ الٰہی ہے۔ بعض صوفیاء نے کہا کہ دل میں غیب کی طرف سے ایک روزن ہے۔

اب ہم تعلیم اور تصوّف کے درمیان ایک مثال سے فرق واضح کرتے ہیں۔ کہتے ہیں چین اور روم کے مصوّروں نے شاہِ روم کے سامنے ایک دوسرے پر فخر کیا تو شاہِ روم نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں آمنے سامنے کی دیوار پر اپنی اپنی تصویر بنائیں اور دونوں کے درمیان ایک پردہ ڈلوا دیا کہ ایک دوسرے کے نقش ونگار کو نہ دیکھ سکیں۔ روم کے باشندوں نے طرح طرح کے رنگ وروغن جمع کیئے اور نقش ونگار بنانے لگے۔ چین والوں نے اپنی دیوار کو خوب خوب صیقل کیا۔ جب رومی فارغ ہو گئے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہو گئے ہیں تو بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے کہا کیسے، تم لوگ تو رنگ وروغن لائے ہی نہیں۔ چینیوں نے کہا آپ کو اس سے کیا غرض، پردہ اُٹھوایا تو عجیب وغریب نقوش اور رنگ وروغن انکی دیوار پر ظاہر ہوئے جو اتنے روشن اور چمک دار کہ لوگ حیران رہ گئے۔ چینی تصفیہ میں مشغول رہے جبکہ رومی نقش ونگار میں۔

صوفیاء صیقل کرتے ہیں اور علماء نقش بناتے ہیں۔ تو جو کچھ علماء پر ظاہر ہوتا ہے ان پر اور زیادہ روشن ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور علماء کی پہنچ سے زیادہ ایسے امور منکشف ہوتے ہیں جن تک علم کی رسائی نہیں ہوتی۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا ہے،'' وہ ہے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر نہیں گزرا''۔ اسی طرح مذکرہ بالا حدیث میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے،'' کیا تم میں سے کوئی جانتا ہے کہ جب میں کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو کیا دیتا ہوں''۔

یہی زندگی کا مطلوب ہے جس کا اللہ نے ذکر کیا:

اِذَا دَعَاكُمْ بِمَا يُحْيِيْكُمْ

''جب تمہیں بلاتا ہے زندگی بخش چیزوں کی طرف'' (الانفال:۲۴)

تب دل مرتا نہیں۔ جسن نے فرمایا کہ مٹی محل ایمان کو نہیں کھاتی۔ ہر شخص کو اس کے منصب کے بقدر اجر ملے گا تو مومن بندے اپنے انوار کی روشنی میں بقائے الٰہی کی طرف بڑھیں گے۔

اس کی طرف حضور ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے:

''بعض لوگوں کو پہاڑ برابر نور دیا جائے گا بعض کو کم حتیٰ کہ آخری شخص وہ ہو گا جسے اس کے قدموں کے انگوٹھے پر نور عطا ہو گا تو کبھی روشن ہو جائے گا اور کبھی بجھ جائے گا جب روشن ہو گا تو وہ آگے کو قدم بڑھائے گا اور جب بجھ جائے گا تو کھڑا رہ جائے گا۔ صراط پر ان کا گزر بقدر انوار ہو گا۔ بعض طرفۃ العین میں گزر جائیں گے بعض بجلی کی طرح، بعض بدلی کی طرح، بعض شہاب کی صورت اور بعض گھوڑے کی رفتار سے، جس شخص کو انگوٹھوں پر نور دیا جائے گا وہ کبھی منہ کے بل کبھی پیروں پر اور کبھی ہاتوں پر گھسٹ گھسٹ کے چلے گا، نارِ جہنم اس لگتی جائے گی اور اسی حالت میں وہ خلاصی پا کر گزر جائے گا''۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''اگر ابو بکرؓ کے ایمان کو عالم کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے اور ایمان انبیاء کو شامل نہ کیا جائے تو ان کا پلڑا جھکا رہے گا''۔ یہ بات اسی طرح ہے جیسے کسی نے کہا ہے کہ اگر نورِ شمس کو سارے چراغوں کے نور سے وزن کیا جائے تو نور شمس غالب رہے گا۔ لوگوں کا ایمان چراغ اور شمعوں کی مانند ہے اور اولیاء کا ایمان قمر ونجوم کے نور کی طرح ہے اور انبیاء کا نور شمس جیسا۔

صوفیاء راستی پر ہیں

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں:'' مومن باریک پردے کے پیچھے سے دیکھتا ہے خدا کی قسم، اللہ

سچائی کو ان کے دلوں میں بھر دیتا ہے اور انکی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ نورِ ایمان سے دیکھتا ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "میری اُمت میں محدثین و متکلمین ہیں اور عمرؓ انہیں سے ہیں"۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

و ما ارسلنك من قبلك من رسول ولا نبی ولا محدث یعنی صدیقین

خلاصہ یہ کہ جس کسی نے بھی اپنی تمام عمر میں ایک سچا خواب دیکھ لیا، اسے اس بات پر کسی دلیل یا حدیث وغیرہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ علاوہ ازیں بے شمار نشانیاں اس پر دلیل ہیں۔

دل کے دروازے

معلوم ہونا چاہیئے کہ دل کے اس دروازے کے بالمقابل جو عالمِ غیب کی طرف کھلتا ہے ایک دوسرا دوازہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے۔ وجس قدرت صفاتِ ذمیمہ کا قلع قمع کیا جاتا ہے شیطان کے داخلے والا دروازہ اسی قدر تنگ یا بند ہو جاتا ہے اور جس قدر صفاتِ ذمیمہ کو ڈھیل دی جاتی ہے، یہ دروازہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے خواہ اس دروازے کو بند کر دو کہ دلِ محلِ حکمت و محیط ملائکہ بن جائے اور جی چاہے تو کھلا چھوڑ دو کہ شیطان کا آشیانہ بن جائے۔ اب جتنے ابواب ہم قائم کریں گے سب میں شہوتوں کے قلع قمع کرنے اور دل کے ان سے پاک کرنے کا بیان ہوگا۔ اچھی طرح سمجھ لو، بہت کچھ پاؤ گے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

باب۲۲

ریاضتِ نفس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں"۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ نفس میں رذیل عادتیں ہوتی ہیں جن کا تنقیہ وتصفیہ ضروری ہے۔ اسی سے تم سعادتِ ابدی پا سکتے ہو اور قربِ الٰہی بھی جیسا کہ تمہیں پیچھے معلوم ہو چکا ہے۔

فضیلتِ حسنِ خلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حسنِ خلق خطاؤں کو اسی طرح پگھلا دیتا ہے جس طرح سورج برف کو"۔

حضرت عبدالرحمان بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کل رات میں نے عجیب بات دیکھی، میں نے اپنی اُمت کے ایک فرد کو اس حال میں گھٹنوں کے بل گھسٹتے دیکھا کہ اسکے اور اللہ کے درمیان حجاب تھا۔ ایسے میں حسنِ خلق آیا اور اسے اللہ تک پہنچا دیا"۔

خوش خوئی اور بدخوئی

کہتے ہیں فلاں شخص حسنِ خلق رکھتا ہے یعنی حسنِ ظاہر و باطن رکھتا ہے تو حسنِ ظاہر جمال ہے، جیسا کہ تم جانتے ہو اور حسنِ باطل، اخلاقِ ذمیمہ پر اخلاقِ حسنہ کے غلبہ کو بولتے ہیں۔ باطن کا تفاوت، ظاہری تفاوت سے بہت بڑھا ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ O فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ O

"میں مٹی سے ایک انسان پیدا کیا چاہتا ہوں تو جب اسے سنوار دوں اور اپنی روح پھونک دوں" (صٓ:۷۱۔۷۲)

فرشتوں کو اس بات پر متنبہ کر دیا کہ اس کی ظاہری صورت مٹی سے بنی ہے مگر صورتِ باطنی امرِ الٰہی ہے۔ لہٰذا ہم حسنِ خلق سے حسنِ صورت باطن مراد لیتے ہیں۔ جس قدر صفات مذمومہ سے نپٹتے جاتے ہیں انکی جگہ صفاتِ محمودہ لیتے جاتے ہیں۔ یہی حسنِ خلق ہے اور مکمل حسنِ خلق رسول اللہ ﷺ کا تھا کیونکہ اُنہوں نے درجہ کمال پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے اخلاق کو درست کرو"۔ یہ کہہ کر اس

امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اخلاق تغیر وتصرف کو قبول کرتے ہیں، لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ غصہ، شہوت اور حرص کو مغلوب کرو۔ یہ سارے صفات شرع کے تحت ہونے چاہئیں۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو مقصود حاصل ہو گیا۔ یہ بات مجاہدہ اور ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرنے سے حاصل ہوتی ہے تاکہ پھر یہ عادت بن جائے۔

رسولِ اکرم نے ﷺ فرمایا کہ بھلائی عادت ہے۔ تو مثلاً اگر کوئی شخص فطری طور پر سخی نہ ہو اسے چاہیئے کہ بہ تکلف سخی بنے۔ اسی طرح اگر فطری طور پر متواضع نہیں ہے تو زبردستی ایسا کرے تاکہ عادت بن جائے۔ سارے اوصاف کا یہی حال ہے کہ ان کی ضد کے ساتھ ان کا علاج کرے حتیٰ کہ مقصود حاصل ہو جائے۔ عبادتوں کی پابندی اور شہوتوں کی مخالفت، باطن کو حسن بخشتی ہے اور اللہ سے اُنس ہو جاتا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''خوشی خوشی اللہ کی عبادت کرو اگر ایسا نہیں ہے تو مکروہات پر صبر کرنا خیرِ کثیر ہے''۔ معلوم ہوا ابتدائے حالت میں صبر واستقلال سے کام بنتا ہے حتیٰ کہ عادت بن جائے۔ اصل فطرت، حسنِ باطن کا تقاضا کرتی ہے اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ارشاد کیا ہے، ''نیکی کے دس ثواب ملتے ہیں،، کیونکہ یہ فطرت اصلیہ کے مطابق ہوتی ہے۔

تہذیب اخلاق کی تفصیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، امراضِ جسمانیہ میں مرض کا ضدِ کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے۔، یہی حال مرضِ قلب کا ہے مگر طریقہ کار اشخاص کے اختلاف سے بدل جاتا ہے کیونکہ طبیعتیں مختلف ہیں۔، اپنی قوم میں شیخِ طریقت، نبی کی طرح ہوتا ہے۔ وہ مرید کی حالت دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس پر کن اوصاف کا غلبہ ہے اور ان کا کس طرح علاج کرنا چاہیئے۔ ابتداء میں اسے عبادتوں میں مصروف، کپڑوں کی پاکیزگی، نماز کی پابندی اور خلوتوں میں اللہ کے ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے پیچھے عیب ظاہر ہونے لگتے ہیں جیسے آگ پتھر میں چھپی ہوتی ہے۔ اگر اس کے پاس بہت سا مال ہوتا ہے تو اسے لے کر اربابِ قلوب کے مصارف میں لاتا ہے تاکہ اس کا دل فارغ ہو جائے۔ فراغتِ قلبی ہی تو اصل ہے۔، پھر اس کے مال سے دوسروں کو بھی فراغت نصیب ہوتی ہے اور انکی ہمتیں بلند ہو جاتی ہیں تو دوسروں کی وجہ سے بھی مقصود آسان ہو جاتا ہے۔

تہذیبِ اخلاق کا ایک طریقہ یہ ہے کہ شیخ ایک عادت کو دوسری پر مسلط کر دیتا ہے تو ریاکاری کے ذریعہ اسے سخاوت پر آمادہ کرتا ہے تاکہ بخل کو چھوڑ دے اور جب دنیا سے منہ موڑ لے اور غضب و شہوت کو ترک کراتا ہے تاکہ عفت وصلاح کی توفیق ہو۔ پھر اس کے بعد وہ ریا کے قلع قمع کے درپے

ہوتا ہے۔ ریاضت وتوجہ اِلی اللہ اور نفس کی مخالفت سے جو قوتِ دینی شیخ میں پیدا ہوتی ہے اس کے ذریعہ اسکی ریا کو ختم کر دیتا ہے۔

کہتے ہیں ایک شیخ کو رات کے قیام میں سستی ہوتی تھی تو اس نے نفس کو ایک مدت تک سر کے بل کھڑے ہونے پر مجبور کیا تو اسکا نفس پاؤں پر کھڑا ہونے پر بخوشی راضی ہو گیا کیونکہ نفس نے اسے غنیمت جانا۔

عیوبِ نفس کی پہچان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اسکے نفس کے عیوب پر بصیرت دے دیتے ہیں۔ اسکے چند طریقے یہ ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ کسی پیرِ طریقت کے پاس جائے اور جو کچھ وہ کہے ویسا کرے۔ کبھی تو خود اس پر اسکے عیب ظاہر ہو جائیں گے اور کبھی شیخ مطلع کر دے گا۔ یہ طریقہ کار سب سے اعلیٰ اور اولیٰ ہے۔ مگر اس دور میں ایسے شیخ کا پایا جانا مشکل امر ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی ایسے نیک آدمی کو دوست بنائے جو اس قسم کی باتوں سے آشنا ہو تو اسکے ساتھ رہا کرے اور اسے اپنا نگران بنا دے تاکہ حالات پر نظر رکھے اور متنبہ کرے۔ اکابر آئمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے''۔ آپ مہمان سے اپنے عیوب دریافت کیا کرتے تھے۔ جب بھی وہ آتے تو دریافت کرتے آپ کو میرے عیوب سے کیا بات پہنچی تو وہ معافی چاہتے۔ ایک دفعہ آپ نے اصرار کیا تو کہا میں نے سنا ہے کہ آپ ایک دستر خوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں اور آپکے پاس دو کپڑے ہیں۔ ایک دن کے اور ایک رات کے لئے۔ دریافت فرمایا اس کے علاوہ کوئی اور بات، کہا نہیں۔ فرمایا اگر یہی ہیں تو ایسا نہیں ہے۔ حضرت حزیفہؓ، جو منافقوں کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کے رازداں تھے، ان سے دریافت کیا کرتے مجھ میں کوئی نفاق کا عیب پاتے ہو۔ باوجود اتنے بڑے جلیل القدر صحابی ہونے کے وہ اپنے آپ پر شبہ ہی نظر ڈالتے تھے۔ اگر کوئی دوست نہ ملے تو حاسدوں کی باتیں غور سے سنو کیونکہ ضرور تمہارا کوئی نہ کوئی حاسد ہو گا جو تمہارے عیوب پر نگاہ رکھتا ہو گا اور بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہو گا۔ اس سے ضرور استفادہ کرو اور اپنے آپ کو عیوب کے بارے میں مہتم کرو۔ اگر کوئی شخص تمہیں عیب پر مطلع کرے تو غصہ نہ کو کیونکہ عیوب سانپ اور بچھو ہیں جو دنیا وآخرت میں تمہیں ڈسیں گے۔ اگر کوئی شخص تمہیں بتائے کہ تمہارے کپڑوں میں سانپ ہے جو تمہیں کاٹ لے گا تو اس کا ممنون ہونا چاہیئے۔ اگر

تم عیب بتانے والے پر غصہ کرتے ہو تو یہ آخرت پر ضعفِ ایمان کی دلیل ہے اور اگر ممنوں ہوتے ہو تو یہ قوتِ ایمان پر دلیل ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے چشم خشم عیوب کو ظاہر کرتی ہے لہٰذا قوتِ ایمانی سے تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ حاسدوں کے عار دلانے کو غنیمت سمجھو گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھایا، فرمایا کسی نے بھی نہیں، میں نے سبک سروں کی سبک سری دیکھی تو اس سے پرہیز کیا۔

پرہیز گاری

جو کچھ ذکر کیا اس پر غور کرو گے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور تمہیں فائدہ پہنچے گا اگر ایسا نہیں ہو سکا تو ایمان و تصدیق کو کم از کم نہ چھوڑو کیونکہ سب سے پہلے ایمان ہے پھر پہنچ جانا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ مِنْکُمْ وَالَّذِیْن۔ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

''اللہ تم میں سے ایمان والوں کو بلند کرتا ہے اور علم والوں کو درجات عطا کرتا ہے'' (المجادلہ:۱۱)

تقویٰ ان اعمال کی تحصیل کے لئے راس المال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاO وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُO

''جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسکے لئے راہ بنا دیتا ہے اور بے گمان رزق دیتا ہے'' (الطلاق: ۲۔۳)

کہتے ہیں عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا: ''اے یوسف! حرص و شہوت نے بادشاہوں کو غلام اور صبر و پرہیز گاری نے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا ہے''۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھا:

وَ اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

''جو شخص پرہیز گاری اور صبر کرتا ہے، اللہ اچھائی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا'' (یوسف:۹۰)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک وظیفہ شب کے لیئے بیدار ہوا تو جو لذت محسوس ہوا کرتی تھی وہ نہ ہوئی۔ میں نے سونا چاہا تو سو نہ سکا۔ میں بیٹھ گیا تو بیٹھ بھی نہ سکا لہٰذا حجرے سے نکل کھڑا ہوا راہ میں ایک شخص عبا میں لپٹا پڑا ہوا ملا۔ اسے میری آمد کا احساس ہوا تو بولا اے ابوالقاسم! ذرا ٹھہرنا

۔ میں نے کہا میں نے کوئی وعدہ تو نہیں کیا تھا۔ کہنے لگا کیوں نہیں، میں نے دلوں کو حرکت دینے والے سے دعا کی تھی میری طرف آپ کے دل کو متوجہ کر دے۔ میں کہا اچھا ایسا تو ہو گیا اب کہو کیا کام ہے۔ وہ پوچھنے لگا یہ بتاتے جایئے کہ نفس کی بیماری دوا کب بن جاتی ہے۔ میں نے کہا، جب تم اپنے نفس کے خلاف چلو۔ وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا سن لے میں نے سات بار تجھے یہی جواب دیا تھا مگر تو نے میری ایک نہ سنی۔ جنیدؒ ہی سے جواب طلب کرنا چاہا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں پھر میں لوٹ آیا یہ پتہ نہیں کون تھا۔

حسنِ خلق کی نشانیاں

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

''فلاح پا گئے وہ مومن جو خشوع سے نمازیں پڑھتے ہیں''۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہی وارثِ جنت ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ وہ توبہ کرنے والے عبادت گزار ہیں۔ نیز فرمایا ''مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے''۔ فرمایا ''اللہ کے بندے وہ ہیں وہ ہیں کہ زمین پر چلتے ہیں تو آہستہ''۔

بعض لوگوں کے لیے ادنیٰ اصلاح کافی ہوتی ہے کیونکہ انہیں بچپن میں مصلح مل جاتا ہے جیسا کہ حضرت سہل تستریؒ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں تین سال کا تھا میں رات کو اُٹھ کر اپنے ماموں محمد بن محمد سوارؒ کی خلوت نشینی کو دیکھا کر۔ ایک دن ماموں بولے ارے کیا جس نے تجھے پیدا کیا ہے اسے یاد نہیں کرے گا۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ وہ کہنے لگے جب تو کپڑوں میں لپٹا پڑا ہوا کرے تو دل سے بغیر زبان کو حرکت دیئے تین بار کہا کر، ''اللہ معی، اللہ ناظراتی، اللہ شاہدی''۔ میں نے چند رات ایسا ہی کیا پھر ان سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے ہر رات سات بار کہا کر۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر انہیں بتایا تو وہ بولے گیارہ بار کہا کر میں نے ایسا ہی کیا تو میرے دل میں ذکر کی حلاوت پیدا ہو گئی۔ سال بیت گئے تو ماموں بولے جو کچھ میں نے تمہیں سکھایا ہے اس کی قبر کے کونے تک پابندی کرنا۔ اس سے دنیا و آخرت میں تجھے نفع پہنچے گا۔ چند سال میں اس پر پابند رہا تو میں نے حلاوتِ ذکر اپنے باطن میں محسوس کی۔ بعد ازاں ایک دن ماموں بولے، ''اے سہل! وہ شخص جس کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اسے دیکھتا بھی ہو اور مشاہدہ بھی کرتا ہو، کیسے اس کی نافرمانی کر سکتا ہے۔ لہٰذا دیکھ مصیبت سے بچنا''۔ میں خلوت گزین رہا کرتا تھا۔ پھر گھر والے مجھے مکتب بھیجنے لگے تو میں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے

کہیں میری ہمت پراگندہ نہ ہو جائے۔ اچھا معلم سے یہ شرط کر لو کہ میں صرف گھنٹہ بھر پڑھ کر لوٹ آیا کروں گا۔ چنانچہ میں مکتب چلا گیا۔ چھ یا سات سال کا تھا کہ میں نے قرآن حفظ کر لیا۔ میں صائم الدہر رہتا۔ بارہ سال تک جو کی روٹی کھاتا رہا۔ تیرہ سالہ تھا کہ ایک مسئلہ درپیش ہوا تو میں نے گھر والوں سے کہا مجھے بصرہ بھیج دو تا کہ وہاں کے علماء سے دریافت کرسکوں۔ مگر وہاں کے علماء میرے سوال کا جواب نہ دے سکے لہٰذا میں عبادان چلا گیا۔ وہاں حضرت ابوحمید حمزہ بن عبداللہ عبدانیؒ تھے۔ ان سے وہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے مجھے اس کا جواب سمجھا دیا۔ میں انہیں کے پاس قیام پذیر ہو کر استفادہ کرتا رہا اور ان کے آداب سیکھتا رہا۔ پھر تستر کی طرف لوٹا تو میں نے اپنی خوراک بہت ہی معمولی کر لی۔ ایک درہم میں ایک بوری جو خرید لیے۔ انہیں پیس کر روٹی بنائی جاتی۔ ہر شب میں آدھ پاؤ کی روٹی بغیر نمک اور سالن کے کھاتا رہا۔ اس طرح ایک درہم مجھے سال بھر کے لیئے کافی ہو گیا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ تین دن کے سحری کھایا کروں گا پھر پانچویں پھر ساتویں سے پچیسویں رات تک افطار کرنے لگا۔ بیس سال میری یہی حالت رہی۔ بعد ازاں میں سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد تستر لوٹا تو میں ساری رات قیام کیا کرتا تھا۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ارادت کی شرائط

جو شخص آخرت کی کھیتی کا آرزومند ہے اسکی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا کی کھیتی سے منہ موڑ لیتا ہے کیونکہ جو شخص دل سے آخرت کا مشاہدہ کر لیتا ہے، اس کی یہ پہچان ہے کہ وہ دنیا کو حقیر سمجھتا ہے۔ دیکھو جو شخص عمدہ گوہر دیکھ پائے اور اس کے ہاتھ میں گھونگا ہو تو اسے گھونگا اچھا نہیں لگے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اس لئے کہ اسے اللہ اور روزِ محشر پر ایمان نہیں ہے۔

وصول الی اللہ سے مانع عدم سلوک ہے اور سلوک سے مانع عدمِ ارادہ ہے اور ارادے سے مانع عدمِ ایمان ہے اور عدمِ ایمان کا ظاہری سبب، راہ نما کا نہ ہونا اور ایسے علماء کا نہ ہونا جو اس کی راہ دکھانے والے ہوں۔ بہر جو شخص خود یا کسی دوسرے کی وجہ سے متنبہ ہو جائے اور ارادت کی طرف قدم بڑھانا چاہے اس کے لیئے چار شرطیں ہیں:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

"جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کے لیئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں"

(العنکبوت: ۶۹)

معصیت کو چھوڑ کر طاعت میں لگ جائے۔ اگلے گناہوں پر ندامت و توبہ کرے۔ ردِ مظالم

کرے۔ جب ان چاروں امور سے فارغ ہو چکا تو ایسا ہو گیا گویا وضو کر لیا۔ حدیث و خبث کو دور کر چکا، ستر عورت کر لی اور نماز کے لیئے مستعد ہو گیا تا کہ اب اس سے ہدایت پا سکے۔ شیخ کے سامنے ایسے رہنا چاہیئے جیسے مردہ غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے کہ خود حرکت نہیں کرتا بلکہ غسل دینے والا اس کو اپنی مرضی سے حرکت دیتا ہے۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام او حضرت خضرؑ کا قصہ یاد رکھنا چاہیئے اور کسی صورت اپنے شیخ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ اس مرحلے پر اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے، خلوت، خاموشی، بھوک، اور بیداری۔ بھوک اس لیے ہے کہ دل کا خون کم ہو جائے تا کہ بیاض و نور حاصل ہو۔ کیونکہ جب دل کی چربی پگھلتی ہے تو دل رقیق ہو جاتا ہے۔ یہ مکاشفہ کی کنجی ہے جس طرح قساوت جو کہ رقت کی ضد ہے اور سببِ حجاب ہوتی ہے۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شیطان کی راہوں کو بھوک سے تنگ کر دو"۔ اپنے شکموں کو بھوکا رکھو شاید تمہارے قلوب اپنے پروردگار کو دیکھ سکیں۔ حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں: "ابدال صرف چار خصلتوں سے بنتے ہیں۔ شکموں کو خالی رکھنا، بیداری، خاموشی اور گوشہ نشینی۔ بیداری بھی قلب کو جلا بخشتی ہے۔ بھوک بیداری پر مدد کرتی ہے اور دونوں تنویر قلب میں ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہیں۔ نیند دل کو مردہ کر دیتی ہے اور سخت بناتی ہے مگر یہ کہ بقدرِ ضرورت ہو"۔

ابدال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی نیند غلبہ سے ہوتی ہے، کھانا فاقہ سے ہوتا ہے اور کلام ضرورت سے۔

حضرت ابراہیم الخواصؒ فرماتے ہیں کہ ستر صدیقوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کثرت نومِ پانی بکثرت پینے سے لاحق ہوتی ہے۔ خاموشی عزلت سے حاصل ہو جاتی ہے، دلوں کو بولنے کی بڑی خواہش ہوتی ہے خصوصاً ان لوگوں کو جو ذرا سے علم کی چاشنی لے چکے، اس عادت کو چھڑانا بڑا ہی دشوار ہے۔ مگر بہت مفید ہے اس لئے کہ باطن غیب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور دینوی زندگی سے منہ موڑ لیتا ہے۔

خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ مشاغل سے خلاصی مل جاتی ہے اور اپنے مقصود کے لیے فرصت ہاتھ آجاتی ہے۔ حواس کے جمود سے قلب حرکت میں آتا ہے اور یہ بات صرف خلوت ہی سے میسر آسکتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خلوت تاریک کمرے میں ہوتا کہ کسی مشغول کر دینے والی چیز پر نظر نہ پڑے۔ اگر کمرہ تاریک نہ ہو تو سر کو کسی چیز سے لپیٹ لے یا آنکھیں بند کر لے۔ حواس معطل ہو جائیں گے تو حق کی آواز سننے لگے گا اور جمالِ حضرت ربوبیت دیکھنے لگے گا۔ دیکھیے رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ

سے پکارا گیا ہے:

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر میں لپٹے ہوئے (المزمل:۱) یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اے کملی میں لپٹے ہوئے (المدثر:۱)

جب مرد بھوک، خلوت، بیداری اور خاموشی اختیار کرلے تو اب اسے کوئی ذکر کرنا چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی زاویہ میں قبلہ رو، باوضو بیٹھ کر زبان سے کہے اللہ اللہ۔ اسی طرح کہتا رہے، حواس اور دل کو زبان سے اس کلمہ کے سننے پر لگائے رکھے، اس پر پابندی کرے حتیٰ کہ بغیر اختیار کے ذکر، زبان پر جاری ہو جائے۔ جب خود زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہ پڑے تو پھر زبان دل کی طرف رجوع کرے اور جب بھی قلب ذکر سے غافل ہو زبان سے ذکر کرنے لگے۔ بعدازاں اگر دل ذاکر ہو جائے تو زبان بند کرلے، یہی حالت رہے حتیٰ کہ قلب سے حروف مٹ جائیں اور صاف شفاف معریٰ عن الالفاظ ذکر باقی رہ جائے پھر ذکر سے بھی برتر ہو کر ایک دوامی حالت میں لگ جائے۔ بیدار ہو تو جو کچھ گزرے شیخ سے بیان کرے۔ ایسے حالات میں اس پر صفوت و کدورت طاری ہو گی۔ خیالات و وساوس آئیں گے اور احوال صحیحہ بھی۔ جنہیں وہ خود نہیں پہچان سکتا، شیخ کو بتائے وہ ان باتوں سے نیچ اونچ سے خوب واقف ہوتا ہے۔

بہر حال تمام احوال میں جب تک اپنی ذات کا احساس ہوتا رہے ذکر میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ

کہہ دو اللہ، پھر سب کو چھوڑ دو (الانعام:۹۲)

اگر کوئی وسوسہ یا بُرا خیال دامن گیر ہوتا ہے اور اپنے نفس سے غائب رہتا ہے کہ اسے پتا ہی نہیں کیا ہوا تو کوئی حرج نہیں مگر جب اپنی خودی کا علم ہو جائے اور اپنی ذات کو جاننے لگے تو ذکر میں لگ جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ط اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O

جب تجھے شیطان کا کوئی دھچکا لگے تو اللہ سے پناہ مانگ وہ سننے والا جاننے والا ہے (الاعراف:۲۰۰)

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ

جب پرہیز گاروں کو شیطانوں کا جھونکا لگتا ہے تو وہ ذکر کرنے لگتے ہیں تو صاحب بصیرت

ہو جاتے ہیں (الاعراف:۲۰۱)

ہمیشہ ذکر میں لگا رہے شاید وہ دین کے اس سلاطین سے ہو جائے جن کے لیے حقائق کھل جاتے ہیں اور وہ ایسی چیزیں دیکھنے لگیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہ سنی اور نہ ہی انسان کے دل پر گزریں۔ اگر کسی قسم کا انکشاف نہ ہو تب بھی مداومت کرتا رہے کیونکہ ملک الموت کی آمد پر سب ظاہر ہو جائیگا اور وہ مقصود تک پہنچ جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب ۲۳

شہوتِ طعام و جماع

معلوم ہونا چاہیئے کہ ساری آفتیں شہوتِ بطن سے پیدا ہوتی ہیں۔اسی سے شہوت فرج پھوٹتی ہے۔اس کی وجہ سے آدم مبتلائے خطا ہوئے اور جنت سے نکالے گئے، یہی انسان کو طلب دنیا تک پہنچاتی ہے اور اس میں رغبت دلاتی ہے۔

بھوک کی فضیلت

رسُول اللہ نے ﷺ فرمایا،''بھوک پیاس کے ذریعے اپنے نفوس سے مجاہدہ کرو کیونکہ اس کا اجر مجاہد فی سبیل اللہ کے اجر جیسا ہے اور اللہ کے نزدیک کوئی عمل بھوک اور پیاس سے زیادہ محبوب نہیں''۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملکوتِ السمٰوٰت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس نے اپنے پیٹ کو بھرا۔حضرت ابوسعید حذریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،'' پہنو، پیو اور کھاؤ آدھے پیٹ کیونکہ یہ نبوت کا جزو ہے''۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم میں اللہ کے ہاں سب سے بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو بہت بھوکا رہتا ہو اور بہت غور فکر کرتا ہو اور مبغوض ترین بہت سونے والا، بہت کھانے والا اور بہت پینے والا ہے''۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اللہ ملائکہ سے اس بندے پر فخر کریں گے جو دنیا میں کم خوراک ہے، کہیں گے میرے بندے کو دیکھو میں نے اسے دنیا میں کھانے پینے میں مبتلا کیا تو اس نے میری خاطر دونوں کو چھوڑ دیا، اے فرشتو، گواہ رہنا جو بھی لقمہ اس نے چھوڑا ہے میں نے اس کا بدلہ اسے جنت میں عطا کیا ہے''۔حضرت ابوسلیمانؒ کہتے ہیں کہ اگر رات کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دوں تو مجھے یہ زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ صبح تک جاگوں۔ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سے رقت و انکسار پیدا ہوتا ہے اور حرص و غرور دور ہوتا ہے۔

اس کے فوائد سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اہل فاقہ کی تکلیف اور مبتلائے مصائب کی مصیبت کو انسان نہیں بھولتا اور ساری شہوتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔اسی کے ذریعہ نفس و شیطان پر غلبہ ہوتا ہے اور ان کا قلع قمع ہو جاتا ہے، اسی سے بیداری رہتی ہے اور نیند دفع ہو جاتی ہے۔اس لیے بعض شیوخ دسترخوان پر کھڑے ہو کر کہتے تھے اے مریدو! زیادہ نہ کھاؤ کہ زیادہ کھانا پینا پڑھ جائے تو نیند چھا

جائے اور تم بہت حسرت کرو۔

بھوک ہی سے عبادت پر مداومت آسان ہو جاتی ہے۔جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے طاعتوں سے کسل مند ہو جاتا ہے۔زیادہ کھانا، طلب، پکانے ہاتھ دھونے، خلال اور بیت الخلا کی طرف آمد و رفت کو زیادہ رکھتا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ سے بعض شیوخ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ستو پھانکا کرتے تھے۔ان دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ فرمایا میں نے چبانے اور پھانکنے میں ستر تسبیحوں کا فاصلہ شمار کیا ہے لہٰذا چالیس سال سے روٹی نہیں چبائی۔ظاہر ہے جو شخص اس امر کا یقین رکھتا ہے کہ ہر سانس ایک بے بہا جوہر نفیس ہے وہ یقیناً اس کے ضائع ہونے پر کڑی نگاہ رکھے گا۔

بھوک کے فوائد سے صحتِ نفس و بدن بھی ہے۔کیونکہ جو کم کھاتا ہے کم بیمار ہوتا ہے۔ایک فائدہ یہ بھی ہے ایثار پر قدرت ہوتی ہے اور فضیلت کو حصول ہوتا ہے۔

طریقہ ریاضت

حلال روزی حاصل کرنے کے بعد تین فرائض عائد ہوتے ہیں: قلت و کثرتِ طعام پر نگاہ رکھنا، کھانے کے اوقات میں تعجیل و تاخیر کو مدّ نظر رکھنا اور جنس طعام کی صحیح تعین کرنا۔

پہلا وظیفہ

پہلا وظیفہ یعنی تقلیل طعام اس کے لیے تدریجی راہ اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ اک دم کثیر سے قلیل پر آجانا مزاج کو فاسد کر دیتا ہے۔لہٰذا بتدریج چلنا چاہیئے کہ حساب لگائے اگر ہر روز تین روٹیاں کھاتا ہو تو ہر روز روٹی کا تیسواں حصہ کم کرے۔اس طرح مہینے میں ایک روٹی کم ہو جائے گی اور دو ماہ میں دو اور کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔یہ تدریجی کمی ایسی ہونی چاہیئے جس پر اعتماد و استقلال کر سکے۔اس کے بعد اور درجات ہیں صدیقوں کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ انہوں نے اتنا کھایا جس سے عقل اور زندگی سلامت رہی۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے''۔

اس کے دوسرا درجہ یہ ہے کہ ریاضت سے اپنے آپ کو دن رات میں نصف مد پر لگا دے یعنی ایک روٹی سے سوا پر۔حضرت عمرؓ کی یہی عادت تھی، وہ سات یا نو لقمے کھایا کرتے تھے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ریاضت کر کے شب و روز ایک مد یعنی ڈھائی روٹیوں پر لگا دے۔یہ ثلث

بطن سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ مد پر ایک من اور اضافہ کردے (یعنی تقریباً پانچ روٹیاں) یہ انتہائی خوراک ہے، اس سے زیادہ اسراف ہے۔ قریب ہے کہ اللہ کے اس قول کے تحت آجائے:

كُلُوْ وَاشْرَبُوْ وَلَا تُسْرِفُوْ

"کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو" (لاعراف:۳۱)

اس کا ایک اور طریقہ یہ بھی کہ بھوک پر ہاتھ بڑھائے اور سیری سے پہلے ہاتھ کھینچ لے۔ اس سے آگے بڑھنے کی جرآت نہ کرے مگر ایسا کرنے میں اس بات کا خطرہ ہے کہ شاید جوعِ صادق و کاذب میں امتیاز نہ کرسکے۔ کہتے ہیں سچی بھوک کی یہ پہچان ہے کہ سانس کی طلب نہ ہو، بعض نے کہا ہے کہ اچھی بری روٹی کے درمیان تمیز نہ کرے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اشخاص کے بدلنے سے اوزان و مقادیر بدل جاتے ہیں۔ بہر حال میں اپنی حالت کا اندازہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں، اگر دنیا تازہ خون ہوتی تو مومن کے لئے اس کا کھانا پینا جائز ہوتا کیونکہ مومن کا کھانا بقدرِ ضرورت و طاقت ہوتا ہے۔

دوسرا وظیفہ

دوسرا وظیفہ اوقاتِ اکل سے متعلق ہے۔ بعض مریدوں نے ریاضت کرکے کھانے کے اوقات میں تبدیلی کی ہے مقدار میں نہیں یعنی بعض نے تین دن کے بعد کھانا کھایا، بعض نے تیں دن کے بعد اور بعض نے چالیس دن کے بعد۔ چالیس تک بہت سے لوگ پہنچے ہیں۔ ان میں سے حضرت سلیمان الخواصؒ، حضرت سہل بن عبداللہؒ اور حضرت ابراہیم الخواصؒ بھی شامل ہیں۔

بعض صوفی علماء نے کہا ہے، "جس نے چالیس دن نہ کھایا اس پر عالم ملکوت و اسرارالٰہی منکشف ہوگے"۔ ان میں سے بعض لوگ کسی راہب کے پاس گئے اور اس سے احوال پر گفتگو کی اور داخل اسلام ہونے کی دعوت دی تو اس نے کہا مسیح چالیس دن نہیں کھاتے تھے یہ تو معجزہ ہے جو سچے نبی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ صوفی نے کہا اگر میں پچاس دن نہ کھاؤں تو داخل اسلام ہوجاؤ گے اور یہ سب کچھ چھوڑ دو گے؟ اس نے کہا ضرور، تو وہ اس کی نظروں کے سامنے ہی بیٹھے رہے حتٰی کہ پچاس دن گزر گئے تو بولے میں ساٹھ دن پورے کرسکتا ہوں اور ساٹھ پورے کردکھائے تو راہب کو تعجب ہوا۔ کہنے لگا میں تو کبھی یہ خیال بھی نہ کرسکتا تھا کہ کوئی مسیح سے بھی زیادہ کرسکتا ہے پھر وہ مسلمان ہو

گیا۔ یہ بڑا درجہ ہے کوئی صاحب مکاشفہ و مشاہدہ بزرگ ہی کرسکتا ہے جو طبیعت و عادت کے تقاضوں کو منقطع کرچکا ہو اور اس کا نفس لذتِ روحانی میں مشغول ہوچکا ہو اور بھوک وغیرہ کو بھول چکا ہو۔ اسے عالم غیب سے روحانی غذا پہنچتی رہتی ہے۔ اس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔"

دوسرا درجہ یہ کہ تین دن تک کچھ نہ کھائے پیئے ایسا تو عموماً لوگ کرتے ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ شب و روز میں صرف ایک بار کھایا جائے یہ سب سے کم درجہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اگر صبح تناول فرمایا لیتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو کھالیتے تو صبح نہ کھاتے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا "اسراف سے بچو کیونکہ ایک دن میں دو کھانے اسراف میں داخل ہیں"۔

جوعِ محمود

جوعِ محمود وہ ہے جس سے ذکر الٰہی میں خلل نہ پڑے کیونکہ جب بھوک حد سے گزر جاتی ہے تو معاملات میں خلل ڈالتی ہے، اِلّا یہ کہ کسی کو سخت غلبہء شہوت ہو تو وہ اس کے توڑنے لے لیے ایسا کرسکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر چیز میں اعتدال بہتر ہوتا ہے۔ شہوت طعام کے توڑنے میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ خلوت میں کھائے اور لوگوں کے سامنے نہ کھائے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ شرک خفی ہے اور ہوسکتا ہے نفاق تک پہنچا دے۔

دوسری یہ کہ اس بات سے خوش ہو کہ قلت اکل و عفت میں مشہور ہوجائے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسے شخص نے آسان آفت کو چھوڑ کر ایک بڑی آفت مول لے لی ہے یعنی حبِ جاہ و شہرت۔ حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں خواہش طعام ہو اور تم اسے توڑ چکے ہو تو تھوڑا سا ضرور کھالو مگر نفس کو سیر نہ ہونے دو۔ اس طرح تمہاری شہوت طعام بھی بجھ جائے گی اور نفس کو قوت بھی ٹوٹ جائے گی کہ تم نے اسے اچھی طرح کھانے نہ دیا ایسا کرنے سے دو فائدے ہوگئے، شہوتِ طعام بجھ گئی اور نفس کی نافرمانی بھی ہوگئی۔

حضرت جعفر بن محمد بن صادقؒ فرماتے ہیں، جب مجھے کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے تو میں نفس کو وہ چیز کھانے دیتا ہوں۔ یہ ترک سے بہتر ہے۔ جب دیکھتا ہوں کہ نفس کی خواہش پوری ہوگئی تو اسے خوب سزا دیتا ہوں۔ کسی شہوت کے بارے میں یہ بھی نفس کو سزا دینے کا ایک طریقہ ہے۔ معلوم ہونا

چاہیئے کہ جس نے شہوتِ طعام کو ترک کیا مگر ریا میں پڑ گیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بچھو سے
بھاگا اور سانپ کی طرف چلا گیا۔

شہوتِ فرج

انسان پر لذتِ جماع دو فائدوں کے لیے مسلط کی گئی ہے، ایک تو یہ کہ اس کی لذت پر آخرت کی
لذت کو قیاس کرے کیونکہ سب سے قوی لذتِ جسمانی ہے۔ جس طرح کہ آگ کا عذاب سے بڑی
جسمانی تکلیف ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ نسل باقی رہے اور وجود قائم رہے۔ لیکن اگر حد اعتدال میں نہ رکھا جائے تو
ان دو فائدوں کے علاوہ کچھ آفات بھی ہیں جو دین و دنیا کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ بعض مفسرین نے
اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مرد شہوت ہے:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔

اے پروردگار! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو طاقت سے باہر ہو (البقرہ: ۲۸۶)

حضرت ابن عباسؓ وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے بارے میں کہتے ہیں کہ مراد قیام ذکر ہے۔
بعض راویوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''اے
خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنے کان، آنکھ اور منی کے شر سے''۔ نیز فرمایا عورتیں شیطان کا جال
ہیں، اگر شہوتیں نہ ہوتیں تو ایسا نہ ہوتا۔

روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ابلیس رنگ برنگی ٹوپی اوڑھے آیا، قریب آیا تو
اتار کر رکھ دی پھر حاضرِ خدمت ہو کر سلام کرنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا وعلیک السلام تم کون ہو۔
وہ بولا شیطان، تو فرمایا تجھ پر سلامتی نہ ہو کیسے آنا ہوا؟ بولا اس لیے آیا ہوں کہ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا
درجہ ہے، آپ نے دریافت فرمایا یہ تمھارے اوپر کیا چیز ہے؟ بولا، اسی سے تو قلوبِ بنی آدم کو اچکتا
ہوں۔ حضرت نے سوال کیا وہ کون سی بات ہے کہ جب انسان کرے تو تُو اس پر غالب آجاتا ہے؟
بولا جبکہ وہ خود پسند ہو جائے، اپنے عمل کو بہت سمجھنے لگے اور اپنے گناہوں کو بھول جائے۔ میں آپ کو
تین باتوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ عورت کے ساتھ جو آپ کے لیے حلال نہ ہو خلوت میں نہ
بیٹھنا کیونکہ جب بھی کوئی مرد غیر محرم عورت کے ساتھ بیٹھتا ہے تو میں خود اپنے دوستوں کے ساتھ اس
کا ساتھی بن جاتا ہوں حتیٰ کہ اسے مبتلا کر کے چھوڑتا ہوں، دوسرے یہ کہ آپ کبھی اللہ سے کوئی ایسا
عہد نہ کریں جسے پورا نہ کرسکیں، تیسرے یہ کہ جب بھی کوئی صدقہ نکالیں فوراً دیں کیونکہ جب بھی کوئی

شخص کسی قسم کا صدقہ نکالتا ہے تو میں اور میرے ساتھی اس کے دوست بن جاتے ہیں حتیٰ کہ میں اسے
پورا کرنے نہیں دیتا۔ بعدازاں شیطان یہ کہتے ہوئے چلا گیا، افسوس جن باتوں سے میں بنی آدم کو
دھوکا دیتا ہوں، موسیٰ کو ان کا پتہ چل گیا۔

کبھی شہوت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انسان کسی ایک ہی کا گرویدہ بن جاتا ہے اور صرف اسی
سے شہوت بجھانا چاہتا ہے۔ یہ انتہائی بہیمیت ہیاور مذموم ہے کیونکہ اسراف بہر صورت مذموم ہے۔ یہ
اس درجہ کا غلبہ شہوت ہے کہ عقل اس کی اطاعت پسند نہیں کرتی مگر اس شہوت کا بالکل نہ ہونا یعنی نامرد
ہونا بھی مذموم ہے، اوسط بات ہمیشہ ٹھیک ہوتی ہے۔

جب بھی شہوت حد سے بڑھ جائے تو اسے بھوک یا نکاح سے توڑ دینا چاہیے۔ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا ہے اے نوجوانوں کے گروہ! شادی کرو اگر نہیں کر سکتے تو روزے رکھو یہ باہ کو ختم کر دیتا
ہے۔

شادی بیاہ

مرید کو ابتدائے امر میں شادی سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ انسان پوری ہمت کے ساتھ اللہ کی
طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے کہا ہے، ''جس نے شادی کر لی وہ دنیا
میں پڑ گیا، میں نے کسی ایک مرید کو بھی شادی کے بعد پہلی حالت پر قائم نہیں دیکھا''۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس کرتے ہو تو یہ غلطی ہے، اس لیے کہ
انھیں دنیا و آخرت اور جو کچھ کہ ان میں ہے اللہ سے مشغول نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے قول میں
اس طرف اشارہ ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی

نہ آنکھ جھکی نہ اس نے غلط دیکھا (النجم: ۱۷)

کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ سے کوئی چیز پھیر نہیں سکتی تھی لہٰذا جب کبھی شہوت کا غلبہ ہو تو
روزے، بھوک، پیاس اور بیداری سے اسے توڑ دو۔ اکثر ان سے کام بن جاتا ہے۔ اگر حد سے زیادہ
بڑھی ہوئی ہو اور آنکھ کی حفاظت نہ کر سکو تو ایسی صورت میں نکاح واجب ہے کیونکہ جو شخص آنکھ کی
حفاظت نہیں کرسکتا وہ دل کی حفاظت کیا کرے گا اور جب خیالات پریشان ہوں تو شادی نہ کرنے
سے فائدہ۔ بلکہ اس کے بارے میں خدشہ ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا، ''نظر سے بچو کیونکہ وہ
دل میں شہوت بوتی ہے اور یہ بڑا فتنہ ہے''۔ حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا، ''بیٹا شیر اور

اژدھوں کے پیچھے چل پڑنا مگر عورت کے پیچھے نہ چلنا''۔ حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ سے سوال کیا گیا کہ زنا کے شروعات کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا نظر اور آرزو سے۔ البتہ اگر نفس ایسا مطالبہ نہیں کرتا جسے توڑ نہ سکے تو نکاح نہ کرنا جائز ہے۔

کہتے ہیں حضرت محمد بن سلیمانؒ کو ایسی جاگیر مل گئی تھی جس کی ہر روز کی آمدنی اسی ہزار درہم تھی تو انھوں نے علماء بصرہ کو لکھا کہ کسی عورت سے شادی کرادیں۔ سب نے بلا اتفاق حضرت رابعہ بصریؒ کا نام تجویز کیا تو انہوں نے حضرت رابعہؒ کو چٹھی لکھی۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم امابعد اللہ تعالی نے مجھے مال و دنیا سے اسی ہزار درہم روزانہ کی آمدنی کا مالک بنا دیا ہے، کچھ دن نہ گزریں گے کہ میری آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ جائے گی۔ میں یہ سب تمہیں دے دیا کروں گا، اگر مجھ سے نکاح کرنے پر راضی ہو تو جواب دو۔ حضرت رابعہؒ نے جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمان الرحیم امابعد دنیا میں بے رغبتی راحت جسمانی بخشتی ہے اور رغبت غم والم پیدا کرتی ہے، جب تیرے پاس میری یہ چٹھی پہنچے تو اپنا توشہ سفر تیار کر کے آخرت کی طرف قدم بڑھانا، خود اپنا وصی بننا لوگوں کو اپنا وصی نہ بنانا کہ وہ تیرا مال آپس میں تقسیم کرلیں، ہمیشہ روزے رکھ حتیٰ کہ تو مرجائے۔ رہا میرا معاملہ اگر اللہ مجھے اتنا کچھ دیتا جتنا تجھے دیا ہے بلکہ اس سے بھی کئی گنا تو بھی میں اس لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کو چھوڑ کر اس سے دل نہ بہلاتی۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ جو چیز اللہ سے غافل کردے اس کے لیے کوئی جواز نہیں۔

عصمت

معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر پوری قوت رکھنے کے باوجود کوئی شہوت کی مخالفت پر قادر ہے تو وہ سب سے افضل ہے اور یہ صدیقین کا درجہ ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص کسی پر عاشق ہوا اور اس نے چھپالیا اور مر گیا تو وہ شہید ہے''۔

نیز فرمایا: ''سات لوگوں پر اللہ اپنا سایہ ڈالے گا جس دن کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ان سات میں آپ نے اس شخص کو بھی شمار کیا جسے کوئی حسب و نسب و جمال والی عورت اپنی طرف بلائے تو وہ کہے میں پروردگارِ عالم سے ڈرتا ہوں''۔

کہتے ہیں حضرت سلیمان بن یسارؒ بڑے حسین تھے۔ ایک عورت آئی اور آپ سے خواہش کرنے لگی۔ آپ باز رہے گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اسے وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۲۴

آفاتِ زبان

معلوم ہونا چاہیئے زبان کا خطرہ بڑا ہے۔ اس سے نجات خاموشی ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعریف کی۔ فرماتے ہیں جو خاموش رہا نجات پا گیا۔ نیز فرمایا کہ خاموشی حکمت ہے۔ مگر ایسے کم ہی ہیں جو خاموش رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز کا ضامن رہا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! مجھے نصیحت کیجئے تو فرمایا اللہ کی عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو ان سب سے بہتر ہو اور اپنے ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ مونہہ میں سنگریزے رکھا کرتے تھے تا کہ بولنے سے باز رہیں اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا کرتے اور کہتے اسی نے مجھے مبتلائے مصائب کیا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: قسم ہے خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبان کے سوا کسی چیز کو قید طول کی ضرورت نہیں۔ اب ہم آفاتِ زبان کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلے چھوٹی اور پھر بڑی آفتوں کا ذکر کریں گے۔

پہلی آفت

بے ضرورت بات کرنا، معلوم ہونا چاہئے کہ جب تم بے ضرورت بات کرتے ہو تو اپنا وقت ضائع کرتے ہو اور اپنے آپ کو یومِ حساب میں حساب کتاب کے لئے پیش کرتے ہو اور بہتر کو ادنیٰ سے بدلتے ہو۔ کیونکہ اگر تم اس کے بجائے اللہ کا ذکر کرتے ہو یا خاموش رہتے یا غور وفکر میں لگ جاتے تو بڑے درجے پاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے حُسن اسلام کی یہ دلیل ہے کہ وہ مالایعنی باتوں کو ترک کردیتا ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں ہم میں سے ایک لڑکا شہید ہوا۔ بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا۔ اس کی ماں آئی اور مونہہ پر سے مٹی پونچھنے لگی۔ بولی اے بیٹے! تجھے جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا اور فرمایا تجھے کیا پتہ کہ وہ لایعنی باتیں کرتا ہو اور ایسی چیزوں کے دینے سے روکتا ہو جس سے اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مالایعنی کلام یہ

ہے کہ تم کہیں بیٹھ کر اپنے کسی سفر کے حالات بیان کرنے لگو اور وہاں کے پہاڑ اور خشکی میں جو کچھ دیکھا ہو اس کا حال سنانے لگے جن میں کوئی بات جھوٹ نہ ہو۔

دوسری آفت

زیادہ باتیں کرنا یعنی بے فائدہ فکر رکھنا کہ اتنے الفاظ کی ضرورت نہ ہو۔ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگ فضول کلام کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی قسم سے یہ بات ہے کہ مثلاً کہے اے اللہ اس کتے کو رسوا کر دے۔ حضرت مطرفؒ کہتے ہیں، ''دراصل تم لوگوں کے دلوں میں جلال الٰہی کی عظمت رہنی چاہئے لہٰذا اگر کسی کو کتا یا گدھا کہتے ہو تو ایسے نہ کہو اے اللہ اسے رسوا کر دے''۔ فضول باتوں کا انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''خوش بخت ہے وہ جو زبان کو فضول سے روکتا ہے اور ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کر دیتا ہے'' حضرت بلال بن حارثؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''آدمی ایسی بات کرتا ہے جس سے خدا خوش ہوتا ہے مگر اسے پتا بھی نہیں چلتا کہ بات کہاں تک جا پہنچی کہ اللہ نے اس کے لئے روزِ حشر تک اپنی رضا لکھ دی ہے اور انسان ایسی بات کرتا ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے مگر اسے پتا بھی نہیں چلتا کہ بات کہاں تک جا پہنچی کہ اللہ نے اس کے لئے قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دی ہے''۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں علقمہؒ کہا کرتے تھے کتنی باتیں ایسی ہیں کہ بلالؓ کی حدیث سن کر اس سے باز رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی ہم نشینوں کے ہنسانے کے لئے بات کرتا ہے مگر ثریا کے فاصلے سے بھی زیادہ گر جاتا ہے''۔

تیسری آفت

باطل و معاصی میں گھس جانا جیسے عورتوں یا شراب کی مجلس یا فاسقوں کی باتیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ

ہم ڈوبنے والوں کے ساتھ ڈوبا کرے تھے (المدثر: ۴۵)

ہم دوسری آفت میں بلالؓ کی حدیث نقل کر چکے ہیں۔

چوتھی آفت

پچھلی بری باتوں کے بارے میں لڑائی جھگڑا کرنا یا ان تک جوڑ ملانا ایسا کرنا منع ہے۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی سے جھگڑا اور ہنسی مذاق نہ کرو اور ایسا وعدہ نہ کرو جسے پورا نہ کر سکو''۔ نیز فرمایا: ''جس نے حق پر ہوتے ہوئے جھگڑے سے منہ موڑا اس کے لئے اعلیٰ جنت میں گھر بنا دیا جاتا ہے اور جس نے باطل پر ہوتے ہوئے جھگڑا کرنا چھوڑا اس کے لئے جنت کے کھیتوں میں گھر بنا دیا جاتا ہے''۔

پانچویں آفت

جھگڑے بازی بھی منع ہے مثلاً کسی سے اپنے حق یا مال کے لئے لڑنا جھگڑنا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے بغیر جانے بوجھے کسی بات میں جھگڑا کیا وہ اللہ کی ناراضی میں رہے گا جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے''۔

چھٹی آفت

صجع اور تصنع کے لئے چرب زبانی کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور میری امت کے پرہیز گار تکلف سے بری ہیں''۔ حضرت فاطمہؓ روایت کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے شریر وہ لوگ جو ناز و نعم میں پلے، قسم قسم کے کھانے کھائے، رنگ نگ کے کپڑے پہنے اور بات کرتے ہیں تو چرب زبانی سے''۔

ساتویں آفت

گالی گلوچ فحش اور بد زبانی کرنا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ فحش سے بچو کیونکہ اللہ فحش جیسی باتوں کو ناپسند کرتا ہے، مثلاً بدر کے مشرک مقتولوں کو گالی دینا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فحش کلامی اور فحش بیانی نفاق کی شاخیں ہیں''۔

آٹھویں آفت

لعن و طعن کرنا خواہ حیوان کو خواہ جماد کو خواہ کسی انسان کو منع ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن لعنت باز نہیں ہوتا۔ حضرت حزیفہؓ فرماتے ہیں: ''جس قوم نے لعنت بازی شعار بنایا وہ تباہ ہوئی''۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو لعنت کرتے سُنا تو آپؐ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے، ابوبکر صدیق اور لعنت باز! ہرگز نہیں قسم ہے رب کعبہ کی۔ دو یا تین بار یہی فرمایا۔ آپ اپنے غلام کو لعنت کر رہے تھے تو اسے آزاد کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ شریعت سے جس پر لعنت کا

جواز ثابت ہو چکا ہے جیسے ابوجہل اور فرعون، ان کی لعنت کرنے میں مضائقہ نہیں ۔ اگر ایسا بھی نہ کرے تو کیا حرج ہے ۔ رہا کسی خاص یہودی کو لعنت کرنا تو اس کو لعنت کرنا خطرہ سے خالی نہیں ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے اللہ نے اس کی تقدیر میں اسلام لانا لکھ دیا ہو، الا یہ کہ ساتھ یہ کہہ دے کہ اگر وہ اسی دین پر مرا، تب لعنت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ابلیس پر بھی لعنت نہ بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اوروں کی کیا حال ہوگا۔ لہٰذا ترکِ لعن اور زبان کو لگام دینا ہی بہتر ہے۔

نویں آفت

گانا اور شعر پڑھنا بھی زبان کی آفتوں سے ہے۔ گانے کا بیان، سماع میں گزر چکا ہے، رہا شعر کا معاملہ تو اچھا شعر اچھا ہے اور بُرا بُرا، البتہ شعر بازی میں پڑے رہنا بُرا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ شعر سے بھرا ہو''۔ مداومت اور وقت گزاری منع ہے، البتہ اس کے جواز میں بہت سے دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔

دسویں آفت

مذاق دراصل مزموم وممنوع ہے مگر یہ کہ بہت تھوری سی خوش مزاقی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ ہی مذاق کرو۔ معلوم ہونا چاہئے کہ افراط ممنوع ہے کیونکہ اس سے ہنسی کی کثرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مذاق کرتا ہوں مگر سچی ۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صہیبؓ سے فرمایا، آنکھیں دُکھ رہی ہیں اور کھجوریں کھا رہے ہو تو انہوں نے عرض کیا، ہاں مگر دوسری جانب سے، تو رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے۔

گیارہویں آفت

کسی کا تمسخر واستہزاء حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ

''کوئی قوم کسی قوم کی مذاق نہ اڑائے'' (الحجرات:۱۱)

استحقار، اہانت اور عیوب پر متنبہ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ کبھی اقوال اور افعال کی نقالی کے ذریعے ایسا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے مذاق اڑانے والے کے لئے ایک دروازہ کھولا جائے گا تو کہا جائے گا آؤ آؤ تو وہ بڑی تکلیف کے ساتھ بڑھے گا تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر دوسرا کھولا جائے گا اور پکارا جائے گا آؤ آؤ، وہ بڑی مصیبت سے وہاں تک پہنچے گا مگر

پہنچتے ہی بند کر دیا جائے گا، اسی طرح کیا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا اور پکارا جائے گا تو وہ قدم ہی نہیں اٹھائے گا''۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے کسی بھائی کو کسی ایسے گناہ پر عار دلائی جس سے وہ توبہ کر چکا ہو تو وہ جب تک خود اس کا مرتکب نہیں ہو جاءے گا نہیں مرے گا''۔

بارہویں آفت

افشائے راز حرام ہے کیونکہ اس میں ایذا اور دوستوں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا، بات امانت ہوتی ہے۔

تیرہویں آفت

جھوٹا وعدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ نفاق کی نشانیوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

''اے ایمان والو وعدے پورے کیا کرو'' (المائدہ:۱)

نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وعدہ عطیہ ہے۔

چودہویں آفت

جھوٹی بات اور جھوٹی قسم بڑے گناہوں سے ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ وصالِ رسول اللہ ﷺ کے بعد خطبہ دے رہے تھے تو فرمایا کہ اس مقام پر رسول اللہ کھڑے ہوتے تھے، یہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ فسق و فجور کا منبع ہے اور یہ دونوں آگ میں جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ نفاق کا دوازہ ہے۔ بعض سلفِ صالحین نے کہا کہ تعریض کے ذریعے آدمی جھوٹ سے بچ سکتا ہے۔

پندرہویں آفت

پندرہویں آفت غیبت ہے۔ پہلے ہم آپ کو وہ آیات واحادیث سناتے ہیں جو شریعت میں اس کی مذمت کے لئے آئے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

''کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ'' (الحجرات:۱۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''آپس میں حسد مت کرو، بغض نہ رکھو، نکتہ چینی نہ کرو، سازشیں نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اللہ کے نیک بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زنا سے سخت ہے۔ اس لئے کہ انسان جب زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے مگر غیبت والے کو نہیں بخشا جب تک کہ وہی شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے''۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شبِ معراج میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے ناخنوں سے منہ نوچ رہے تھے میں نے جبریلؑ سے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ کہا یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کی آبروں پر ہاتھ ڈالتے ہیں''۔ اللہ نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ، جو شخص غیبت سے توبہ کر کے مر گیا وہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا اور جو اسی حالت میں مر گیا وہ دوزخ میں سب س پہلے داخل ہوگا۔ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی آدمی کے بارے میں ایسی بات کہی جائے جو اسے ناپسند ہو، جیسے کسی جسمانی نقص، نصب، قول وفعل یا دین و دنیا کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جائے حتیٰ کہ کسی کے کپڑے، گھر اور جانور کے بارے میں بھی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس باب پر تعریض و تفہیم بھی تصریح کا حکم رکھتی ہے۔ کوئی ایسی حرکت جس سے بات سمجھ میں آ جائے قولِ صریح کی مانند ہے۔ سننے والا بھی کہنے والے کا شریک ہے، اسی طرح اس کی طرف کان دھرنا یا تعجب کرنا، غیبت میں شرکت و اعانت ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی عزت سے مدافعت کی اللہ پر بروزِ قیامت اس کا یہ حق ہوگا کہ اس کی آبرو کی مدافعت کرے''۔

جائز غیبت

کسی صحیح شرعی فرض کے لئے غیبت جائز ہے۔ چھ چیزوں میں غیبت کر سکتے ہیں:

۱۔ کسی قاضی کے سامنے ظلم کی فریادرسی کے لئے یا رشوت دینے کے بارے میں یا اسی قسم کی کسی اور بات کے لئے غیبت جائز ہے۔

۲۔ کسی بڑی بات کی اصلاح کے لئے اور معاصی کے قلع قمع کے واسطے۔

۳۔ فتویٰ طلب کرنے کے واسطے مثلاً یہ کہے کہ میے باپ بھائی نے ظلم کیا ہے تو کس طرح خلاصی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۴۔ ایسے معاملات میں تعریض کرنا اور یہ غیبت سے زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ اگ کوئی شخص لنگڑا یا چوندھا کر کے مشہور ہے تو مضائقہ نہیں۔

۶۔ جو شخص کھلا فاسق و فاجر ہو جیسے ہیجڑے یا فاسقانہ مجلس جماتا ہو یا علی الاعلان شراب پیتا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جس شخص نے اپنے چہرے سے حیا کی نقاب اتار دی اس کی غیبت میں مضائقہ نہیں''۔

غیبت کا کفارہ

غیبت کرنے والے کو اپنی حرکت پر ندامت، توبہ اور افسوس کرنا چاہیئے تا کہ حق الٰہی سے بری ہو جائے۔ پھر جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی چاہیئے تا کہ اس کے تظلم سے خلاصی پا جائے۔ یہ اس طرح غم اور ندامت کا اظہار کرے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ استغفار کافی ہے کسی سے معافی کی ضرورت نہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں، ''تم نے جس کی غیبت کی اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لئے استغفار کرو''۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، ''اپنے بھائی کے گوشت کھانے کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کرو، بھلائی کے ساتھ دعا مانگو اور بہتر یہ ہے کہ ندامت کا اظہار کر کے حلال ہو جاؤ''۔

سولہویں آفت

چغلی خوری۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہماز مشاء بنمیم (طعنہ زن چغل خور)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ ولد الزنا بات کو نہیں چھپا سکتا۔ یہ بات کہہ کر انہوں نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص بات کو چھپا نہیں سکتا اور چغل خوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فر مایا ہے:

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ

سرکش اور پھر بے نسب (القلم:۱۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ

افسوس ہے ہر طعنہ زن چغل خور پر (الھمزہ:۱)

ھمزہ چغل خور کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد لگائی بجھائی کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

ان دونوں نے خیانت کی اور کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں (التحریم:۱۰)

حدیث میں ہے جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوگا۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ چغل خوری کی تعریف یہ ہے کہ ایسی بات کا انکشاف کر دیا جائے جس کا انکشاف ناپسندیدہ ہو خواہ اسے وہ شخص بُرا سمجھے جس کے متعلق وہ بات سننے والا بُرا محسوس کرے یا کوئی تیسرا شخص ناپسند کرے اور یہ انکشاف خواہ قول سے ہو خواہ لکھ کر ہو اور خواہ رمز و اشارے سے۔ معلوم ہوا چغل خوری کی حقیقت افشائے راز اور ہتک ہے۔

سترہویں آفت

دو رنگی باتیں کرنا جیسے کوئی شخص دو دشمنوں سے بات کرتا ہو اور دونوں سے ایسی بات کہے جس سے وہ خوش ہوں۔ یہ عین نفاق ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا، ''دنیا میں جس کی دو زبانیں ہوں گی روزِ حشر اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی''۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا، ''تم بندوں میں سب سے بُرا قیامت کے دن دو رُخے کو دیکھو گے جو اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کرتا ہے''۔

اٹھارویں آفت

اٹھارویں آفت تعریف ہے۔ بعض مقامات پر تعریف کرنا ممنوع ہے رہی مذمت سو وہ تو غیبت میں داخل ہے۔ مدح میں چھ آفتیں ہیں، چار مدح کرنے والے سے تعلق رکھتی ہیں اور دو ممدوح سے۔

مدح کرنے والے کی چار آفتیں یہ ہیں:

۱۔ تعریف میں مبالغہ کرے کہ کذب تک پہنچ جائے۔
۲۔ ریاکار ہو جائے کیونکہ مادح محبت کا اظہار کرتا ہے۔
۳۔ ایسی بات کہے جس کے متعلق اسے تحقیق نہیں۔
۴۔ ممدوح کو خوش کرے جب کہ وہ ظالم یا فاسق ہو۔ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں، اسق کی تعرے پر اللہ غضب ناک ہو جاتا ہے۔،،

ممدوح کے لئے دو قسم کی آفتیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اس میں غرور اور خود پسندی پیدا ہو جائے۔
۲۔ تعریف سن کر وہ اپنے نفس سے خوش ہو کر اپنی کمی کا احساس نہ کر سکے لہذا بھلائی کے لئے مستعد نہ رہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو نے اپنے دوست کی گردن کاٹ

دی، تجھ پر افسوس اگر وہ سن پاتا تو فلاح نہ پاتا''۔

انیسویں آفت

کلام میں چھوٹی غلطیوں سے غفلت برتنا خصوصًا جب کہ اللہ اور اس کی صفات کے بارے میں ہوں۔، ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص یہ نہ کہے جو اللہ نے اور میں نے چاہا، ہاں ایسے کہے جو اللہ نے چاہا اور پھر میں نے چاہا۔ یہ اس کے لئے عطف شرکت کو چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''منافق کو اے ہمارے سردار کہہ کر نہ پکارو، اس لئے کہ اگر وہ تمھارا سردار ہوگا تو تم نے پروردگار کو ناراض کر دیا''۔ نیز فرمایا کہ جس شخص نے یہ بات کہی کہ میں اسلام سے بری ہوں اگر سچا ہے تو جیسے اس نے کہا، وہی ہے، اور اگر جھوٹا ہے تو اسلام کی طرف وہ صحیح و سالم نہیں لوٹے گا۔

بیسویں آفت

عوام کا اللہ کے صفات کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا اور اس کے کلام کے بارے میں دریافت کرنا کہ حادث ہے یا قدیم؟ یہ باتیں ان کے لئے فضول ہیں۔ انہیں عمل میں لگنا چاہئے علمی مسائل میں نہیں کیونکہ عوام جب ایسے مسائل میں داخل ہوتے ہیں تو بعض اوقات قریب کفر بات کہہ جاتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ عوام کا ایسے مسائل میں دخل دینا ایسا ہے جیسے حکام، بادشاہوں کے اسرار کے دریافت کرنے کے درپے ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قیل و قال، کثرتِ سوال اور تضیعِ مال سے منع فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔،، خلاصہ یہ کہ عوام کا یہ دریافت کرنا کہ حروفِ قرآن قدیم ہیں یا حادث۔ ایسا ہے جیسے بادشاہ کسی کو محضر لکھ ک دے تو وہ احکامات شاہی پر تو عمل نہ کرے اور وقت کو اس تحقیق میں رائیگاں کر دے کہ محضر کا کاغذ پرانا ہے یا نیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ لامحالہ مستحقِ سزا ہوگا۔ و صلی اللہ علی سیدنا محمدٌ و آلہ وسلم۔

باب ۲۵

غضب، کینہ، حسد

معلوم ہونا چاہئے کہ غصہ دل میں چھپی ہوئی ایک آگ ہے جیسے راکھ کے تلے انگارے چھپے ہوتے ہیں۔ غرور اسے اندر سے نکال لاتا ہے۔ شاید یہ اس آگ سے ہے جس سے شیطان کی تخلیق ہوئی تھی۔

مذمتِ غضب

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی چھوٹا سا عمل بتایئے، فرمایا غصہ مت کر۔ پھر اس نے مکرر عرض کی، آپ ﷺ نے پھر فرمایا غصہ مت کر"۔ حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، تم سب سے بڑا پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ ہم نے کہا جسے کوئی نہ پچھاڑ سکے، فرمایا نہیں، سب سے بڑا پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہوا۔ نیز فرمایا، جو شخص بھی غضب ناک ہوا قریبِ جہنم پہنچا۔

حقیقت غضب

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ انسان کو مارا جا سکتا ہے اور اللہ کو مقصود اس کی بقا تھی تو غصہ عطا فرما دیا۔ یہ ایک گرم گرم طاقت ہے جو باطن سے پھوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غصہ کو آگ سے پیدا کیا اور انسان کے باطن میں اسے بٹھا دیا۔ وہ جب چاہتا ہے نارِ غضب بھڑک اٹھتی ہے اور ایسا جوش مارتی ہے کہ دل کا خون ہیجان میں آجاتا ہے اور رگوں میں پھیل کر جسم کے بلند حصے کی طرف دوڑتا ہے جیسے آگ اوپر کو بلند ہوتی ہے یا جیسے جوش زدہ پانی اوپر کو اُبلتا ہے۔ اس طرح وہ چہرے کی طرف اٹھتا ہے اور اسے سرخ کر دیتا ہے۔ جب غصہ اپنے سے کم پر ہوتا ہے اور اسے اس پر قدرت ہوتی ہے تو چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور اگر اپنے سے بالا پر ہوتا ہے اور اس سے خوف و طاقت کا احساس ہوتا ہے تو خون منقبض ہو کر غم بن جاتا ہے اور رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اگر برابر والے پر ہوتا ہے تو خون انقباض و انبساط میں پڑ کر کبھی چہرے کو سرخ اور کبھی زرد کر دیتا ہے اور انسان مضطرب ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ غصہ کا مقام قلب ہے اور طلبِ انتقام کے لئے خونِ دل کے جوش مارنے کو غصہ کہتے ہیں۔ اس بارے میں لوگوں کے تین درجے ہیں:

۱۔ تفریط، یعنی اس قوت کا فقدان یا ضعف، اسے بے غیرتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بُری ہے۔ امام شافعیؒ کی اس قول سے یہی مراد ہے کہ جسے غصہ دلایا گیا اور اسے غصہ نہ آیا تو وہ گدھا ہے۔

۲۔ مطلوب اعتدال ہے۔ یہی ہے جس کے ساتھ اللہ نے صحابہ کی توصیف کی ہے۔ وَاَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ "کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل" (الفتح:۲۹)

۳۔ افراط، اس طرح کہ حد سے گزر جائے تو انسان کو مغلوب کر دے، عقل و شرع کے دائرے سے خارج ہو جائے تو انسان پر اضطراری کیفیت جاری ہو جائے یہ مذموم ہے۔

بظاہر انسان کا چہرہ بگڑ جاتا ہے اور مسخ ہو جاتا ہے اور باطن اس سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ عائشہؓ غضب ناک ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمھارا شیطان آ گیا۔ انہوں نے دریافت کیا اور کہا آپ کا شیطان نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں مگر میں نے خدا سے دعا کی تو اس نے میری مدد کی لہذا وہ تابع فرمان ہو گیا۔ اس لئے وہ بھلائی کا ہی حکم دیتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، "رسول اللہ ﷺ دنیا کے لئے غصہ نہیں فرماتے تھے۔ اگر حق کے لئے غصہ کرتے تو آپ ﷺ کے غضب کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھیر سکتی جب تک کہ آپ ﷺ حق کی فتح نہ کرا دیتے"۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ غصہ کا بالکل ازالہ نہیں کیا جا سکتا مگر مجاہدات سے اسے کم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے نفس کو کمتری کا احساس دلایا جائے اور بتایا جائے کہ اس قدر کم تر ہونے پر بلند پروازی زیبا نہیں ہے۔ ہم ذیل میں اس کا علاج بتاتے ہیں۔

غصہ کا علاج

ایک تو یہی علاج ہے کہ دل کو غصہ پی جانے کے ثواب کی تلقین کی جائے۔ پھر نفس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے اور بتایا جائے کہ اللہ تجھ پر زیادہ قادر ہے۔ اتنا تو حریف پر قادر نہیں ہے، عاقبت انتقام سے ڈرائے کہ دشمن بھی درپے ایذا ہوگا اور لمبی دشمنی چل پڑے گی۔ غور کرے کہ غصہ کے وقت لوگوں کی صورت کیسی بگڑ جاتی ہے اور خود اس کی کیسی بگڑ جاتی ہے اور اگر غصہ پر عمل کرے گا تو درندے کے مشابہ ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ بردباری پر عمل کرے گا تو انبیاء اولیاء کے مانند ہوگا۔ غور کرے کہ میں اس لئے غصہ کر رہا ہوں کہ معاملہ مشیتِ الٰہی کے مطابق کیوں ہوا، میری مشیت کے مطابق کیوں نہ ہوا۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ یہ غضبِ الٰہی کا سبب ہے۔ جب یہ سب باتیں ذہن نشین کر لے تو لازم ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تعوذ کرنا

چاہئے۔

جب حضرت عائشہ غصہ کرتیں تو حضور ﷺ ناک پکڑ کر فرماتے ، اے عویش ! کہہ اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ یہ کہہ کھڑا ہوتو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہوتو لیٹ جائے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،'' غصہ ایک انگارہ ہے جو دل میں روشن ہوتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ غصے والے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں ۔ جب کبھی تم میں سے کسی کو غصہ عارض ہوا گر کھڑا ہوتو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے ۔ اگر پھر بھی حالت پ قابو نہ پا سکے تو ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کرے کیونکہ آگ کو تو پانی ہی بجھاتا ہے۔

فضیلت حلم

برد باری غصہ پینے کی نسبت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ غصہ پی جانا تو بہ تکلف حلم ہوتا ہے اور طبعی حلم کمالِ عقل پر دلیل ہے اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ غضب کی قوت عقل کی قوت کے تحت ہے۔
عموماً پہلے انسان بہ تکلف برد باد بنتا ہے پھر یہ عادت ہوجاتی ہے ۔ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا، ''علم تعلم سے ہے اور حلم، تحلم سے ، جو شخص خیر کی تلاش کرے گا اسے خیر اور جو شر سے بچے گا اسے شر سے بچاؤ ملے گا'' ۔ نیز فرمایا، ''علم کو طلب کرو اور علم کے ساتھ حلم و برد باری کو طلب کرو۔ جن سے سیکھتے ہو اور جنہیں سکھاتے ہو ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرو، جبار عالم نہ بنو کہ تمھاری سبق سری تمھارے علم پر غالب نہ آجائے'' ۔ آپ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا، اے اللہ! مجھے علم کی تگری عطا فرما، حلم سے زینت دے ، تقوی سے سرفراز فرما اور رعافیت سے آراستہ کر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''اللہ کے ہاں رفعت طلب کرو۔ صحابہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا جو قطعی رحمی کرے اس سے صلہ رحمی کرو، جو تمھیں محروم کرے اسے دو اور جو تمھارے ساتھ طیش کا برتاؤ کرے اس کے ساتھ برد باری کرو'' ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، '' جب ان سے جاہل خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام'' ۔
مفسرین نے کہا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سبک سری کرتا ہے تو وہ سبک سری نہیں کرتے ۔ اگر کوئی شخص تمھیں گالی دے یا غیبت کرے یا عار دلائے تو برد باری کا برتاؤ کرو کیونکہ نجاتِ دارین اسی میں ہے۔
اس دنیا میں تو اس طرح کہ ایسے شخص کا لوگ احترام کرتے ہیں ۔ آخرت میں اسطرح کہ اسے بہت ثواب ملتا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اگر کوئی شخص تمھیں ایسی بات سے عار دلائے جو تم میں ہو تو تم اسے ایسی چیز سے عار نہ دلاؤ جو اس میں ہو'' ۔

فضیلتِ عفو

عفو یہ ہے کہ تمھارا کوئی حق ہو تو اسے چھوڑ دو جیسے قصاص سے معافی دے دینا یا مال وتاوان سے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، '' معافی کو اختیار کرو'' ۔ نیز فرمایا، '' اگر معاف کر دو تو یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے ۔،، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، '' تین چیزیں ایسی ہیں ، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے کہ اگر میں ان کے بارے میں قسم کھاؤں تو جھوٹی قسم نہ ہوگی ، ایک تو صدقہ ء مال ہے لہٰذا صدقہ کرو، دوسرے کسی کے ظلم کو بوجہ اللہ معاف کر دینا ، اللہ ایسے شخص کو قیامت کے دن عزت بخشے گا ۔ تیسرے جو بھی سوال کرتا ہے اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے'' ۔
فرمانِ نبوی ﷺ ہے، '' تواضع سے انسان بلند ہی ہوتا ہے لہٰذا تواضع کرو اللہ تمھیں بلند کرے گا اور عفو سے عزت زیادہ ہی ہوتی ہے تو معاف کرو اللہ تمھیں عزت دے گا اور صدقہ سے مال بڑھتا ہی ہے لہٰذا صدقہ کرو اللہ تم پر رحم فرمائے گا'' ۔ نیز فرمایا، '' جس نے ظالم پر بدعا کی اسے مددِ خداوندی ملی'' ۔

فضیلتِ نرم خوئی

نرمی محمود ہے اور یہ حسنِ خلق کا ثمرہ ہے۔ اس کا مقابل سختی اور وحدت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا، '' جسے نرمی سے حصہ ملا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے حصہ ملا اور جو نرمی سے محروم رہا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے محرومی ہوئی'' ۔ نیز فرمایا، '' جب اللہ کسی گھر والوں سے محبت کرتے ہیں تو انھیں نرمی عطا فرماتے ہیں'' ۔

نذمّتِ حسد

یہ کینہ کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور کینہ غصہ سے پیدا ہوتا ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، '' حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوختہ لکڑی کو'' ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی پر نعمت الٰہی کو پسند نہیں کرتا لہٰذا اس کے زوال کی تمنا کرتا ہے ۔ اگر ایسا ہو کہ اس سے زوال کی تمنا نہ کرے اور اپنے لئے بھی ایسی ہی نعمت چاہے تو اسے '' غبطہ '' کہتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن غبطہ کرتا ہے حسد نہیں کرتا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا

بہت سے اہلِ کتاب حسد کی بناء تمنا کرتے ہیں کہ تم ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف

لوٹ جاؤ (البقرۃ:١٠٩)

اس سے معلوم ہوا زوالِ نعمت کی تمنا حسد ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَمَنَّوْ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مت تمنا کرو اس فضیلت کی جو بعض کو اللہ نے بعض پر دی ہے۔(النساء:٣٢)

مطلب یہ ہے کہ کسی خاص نعمت کے انتقال کی بھی تمنا نہ کرو۔ہاں یہ تمنا کرنا خدا ہمیں بھی ایسی نعمت دیدے یہ غیر مذموم ہے خصوصًا جب کہ دین کے بارے میں ہو تو محمود ہے۔معلوم ہونا چاہئے کہ حسد کے بہت سے اسباب ہیں، جیسے عداوت، عزتِ نفس، بغض، کبر، غرور، مقاصد مطلوبہ کے نہ ملنے کا ڈر، حبِ ریاست، خباثتِ نفس اور بخل۔یہ سب کے سب مذموم ہیں۔اس کا علاج یہ ہے کہ تم سوچو کہ حسد سے دنیا وآخرت کا ضرر ہے۔دنیا میں اس طرح کہ یہ غم تمھیں ہر وقت لگا رہتا ہے اور تکلیف پہنچاتا رہتا ہے، اور دین میں اس طرح کہ یہ نعمت الٰہی پر ناراضی ہے۔جو اس کے لئے تو ثواب ہے اور تمھارے لئے عتاب ہے۔اگر اس بات کا یقین ہے اور دشمن کے دوست بننا نہیں چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ زبردستی اس عادت کو چھوڑ دو۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن میں تین عیب ہوتے ہیں جن سے وہ چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے اور حسد سے تو اسی طرح نجات پا سکتا ہے کہ حسد نہ کرے''۔

باب ٢٦

مذمّتِ دنیا

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا اللہ، اللہ کے دوستوں اور اس کے دشمنوں کی دشمن ہے۔اللہ کی اس لیے دشمن ہے کہ اس نے اس کے دوستوں پر اس کی راہ منقطع کی۔اسی لیے جب سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، اس کی طرف نہیں دیکھا۔اولیا اللہ سے اس کی عداوت کی یہ صورت ہے کہ ان کے لیے خوب بناؤ سنگار کیا، اپنی چمک دمک سے انھیں دھوکا دیا حتیٰ کہ انھیں اس سے قطع تعلق میں صبر کے تلخ گھونٹ پینے پڑے۔دشمنانِ خدا سے اس کی عداوت یہ ہے کہ خوب خوب نیرنگیاں دکھا کر شکار کرتی ہے اور جب وہ پھنس جاتے ہیں اور اس پر بھروسہ کر بیٹھتے ہیں تو انھیں محتاج بنا کر آنکھیں پھیر لیتی ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف لائیں۔اسی بارے میں کتاب نازل ہوئی اس کی بہت سی آیتیں اس پر دلیل ہیں۔روایت ہے کہ جب آپ ﷺ ایک مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا کیا تم اس بکری کو دیکھ رہے ہو؟ اپنے مالک کی نگاہوں میں یہ کس قدر حقیر ہے۔صحابہ نے کہا بیشک۔فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے اگر دنیا اس کے نزدیک مکھی کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

فرمان نبوی ﷺ ہے، دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔نیز فرمایا دنیا ملعون ہے سراپا لعنت مگر جس قدر کہ اللہ کے لیے ہو۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دنیا سے محبت کرتا ہے آخرت کو خراب کرتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے دنیا کو برباد کرتا ہے لہٰذا فانی پر باقی کو ترجیح دو۔نیز فرمایا، دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

حضرت زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھے۔انھوں نے پینے کو پانی مانگا تو شہد اور پانی لایا گیا۔پینے کے لیے منہ سے لگایا تو رونے لگے حتیٰ کہ سب ساتھی رونے لگے۔پھر سب خاموش ہو گئے مگر آپ خاموش نہ ہوئے اور پھر رونے لگے حتیٰ کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسی حالت میں ان سے رونے کا سبب پوچھنے کی کوئی جرات نہ کر سکے گا۔پھر آپ نے اپنی آنکھیں پونچھیں تو لوگوں نے سوال کیا اے خلیفہ رسول اللہ آپ کیوں روئے؟ فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

تھا، میں نے دیکھا کہ آپ اپنے اردگرد سے کسی چیز کو دفع کر رہے ہیں مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کو دفع کر رہے ہیں۔ فرمایا دنیا میرے سامنے آئی تو میں نے اس سے کہا دور ہو جا وہ پھر لوٹی اور بولی اگرچہ آپ نے مجھ سے خلاصی پالی ہے مگر آپ کے بعد والے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔ پھر فرمایا تعجب ہے اس شخص پر جو دارالخلود پر ایمان رکھتا ہے اور پھر بھی دارالغرور کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ نیز فرمایا دنیا میٹھی اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں دے گا پھر دیکھے گا کیسے کام کرتے ہو۔ جب بنی اسرائیل کے لیے دنیا کشادہ کر دی گئی تو وہ زیورات، عورتوں، خوشبوؤں اور کپڑوں میں فخر بازی کرنے لگے۔

عیسیٰ علیہ اسلام فرماتے ہیں، دنیا کو اپنا پروردگار نہ بناؤ کہ وہ تمھیں اپنا غلام بنا لے۔ اپنا خزانہ اس ذات کے پاس جمع کرو جو اسے ضائع نہ کرے۔ دنیا والے مال پر تو ہمیشہ آفات کا خطرہ لگا رہتا ہے مگر جس کا خزانہ اللہ کے پاس جمع رہتا ہے اسے کوئی خطرہ نہیں۔

ایک خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مومن دو خوف کے درمیان ہے۔ ایک اس وقت کا خوف جو گزر چکا پتا نہیں خدا اس کے بارے میں کیا کرے گا، دوسرے اس وقت کا ڈر جو باقی رہا خبر نہیں اللہ کیا فیصلہ کرنے والا ہے۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اپنے نفس سے اپنی ذات کے لیے توشہ بنائے اور دنیا سے زادِ آخرت مہیا کرے۔ زندگی سے موت کے لیے اور شباب سے بڑھاپے کے واسطے، کیونکہ دنیا تمھارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، موت کے بعد خدا کے راضی کرنے کی کوئی سبیل نہیں اور دنیا کے بعد کوئی گھر نہیں یا جنت یا دوزخ۔ نیز فرمایا "اللہ دنیا کی ہر اس چیز کو جسے بلند کرتے ہیں گراتے ضرور ہیں"، عیسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا کون ہے جو سمندر کی موجوں پر گھر تعمیر کرے؟ اس دنیا میں قرار نہ پکڑو۔ یہ فرمایا اے حواریوں کے گروہ! دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑی سی دنیا پر راضی ہو جاؤ جیسے اہلِ دنیا سلامتیِ دنیا کے ساتھ تھوڑے سے دین پر قانع ہو گئے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں "اللہ نے دنیا کے تین ٹکڑے کیے ہیں۔ ایک مومن کے لئے، دوسرا منافق کے واسطے اور تیسرا کافر کے لئے۔ تو مومن صرف توشہ لیتا ہے اور منافق زینت دنیا حاصل کرتا ہے اور کافر خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس بارے میں شعراء نے بڑے اچھے اچھے شعر کہے ہیں۔

بعض داناؤں نے کہا ہے "دن تیر ہیں اور لوگ ہدف اور زمانہ ہر روز تم پر تیر چلاتا رہتا ہے اور

اپنے روز وشب سے تمھیں پارہ پارہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ تمھارے سارے اجزاء پر چھا جاتا ہے۔ تو تم کیسے سالم ہو سکتے ہو جب کہ دن تم پر حملہ کر رہے ہیں اور راتیں تیزی سے تمھارے بدن کو تباہ کر رہی ہیں۔ اگر تمھیں پتا چل جائے کہ انھوں نے تمھارے اندر کیا کمی پیدا کر دی ہے تو ہر آنے والے دن سے تمھیں وحشت ہو جائے اور گھڑیوں کا گزرنا ناگوار گزرے۔ مگر اللہ کی تدبیر کے سامنے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ انسان دنیا کی ہلاکتوں سے غافل ہے تبھی تو اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ ورنہ وہ دراصل اندرائن سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ اس کے ظاہری افعال نے عقلمند کے لیے عیوب کھول کر رکھ دیتے ہیں"۔

ایک اور حکیم نے کہا ہے "دنیا ہمیں خیالات سے خوش کر دیتی ہے پھر جب وہ خیالات ختم ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی خواب پریشان دیکھا ہو"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "دنیا ایک خواب ہے جس پر اہل دنیا کو جزاء، سزا یا ہلاکت ملتی ہے"۔

حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو اس کی مثال دیتے ہوئے تحریر فرمایا، "دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نرم مگر زہر قاتل تو جو کچھ اس کی چیز پسند آئے اس سے منہ موڑ لو کیونکہ زیادہ دن ساتھ نہیں رہے گی اور اس کے آلام کی پرواہ نہ کرو کیونکہ تمھیں یقین ہے کہ اسے چھوڑ جانا ہے۔ اس سے بچنے میں سرور محسوس کرو اس لیے کہ دنیا دار جب اس کے سرور سے مطمئن ہوتا ہے تو وہ اس پر غم سوار کر دیتی ہے، والسلام"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "دنیا دار کی مثال پانی پر چلنے والے کی سی ہے۔ کیا پانی پر چلنے والا پیروں کے بھیگنے سے محفوظ رہ سکتا ہے؟" نیز فرمایا دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہوگی جیسے تم سمندر میں انگلی ڈالو تو دیکھو کیا حاصل ہوا۔

حقیقت دنیا

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا اور آخرت تمہاری دو حالتوں کا نام ہے۔ قریبی حالت دنیا ہے یعنی موت سے پہلے کا زمانہ اور بعد والی حالت آخرت ہے یعنی بعد الموت۔ دنیا کی جو بھی چیز تمھارے ساتھ جائے گی جیسے علم وعمل اس کا شمار آخرت میں ہوگا اگرچہ بظاہر وہ دونوں اسی عالم کے ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمھاری دینا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو اور عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپ نے نماز کو دنیا میں شمار کیا ہے کیونکہ بظاہر اس کی حرکات حس و مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے مقابل دوسری قسم میں وہ چیزیں ہیں جن میں لذتِ عاجلہ ہے ان

کا موت کے بعد کوئی ثمرہ نہیں جیسے معاصی اور مباحات زائدہ۔

تیسری قسم ان دونوں کے درمیان ہے یعنی ہر وہ خط دنیا جو اعمالِ آخرت پر معین ہوتا ہے جیسے کھانا، پینا، پہننا اور نکاح بقدرِ ضرورت۔ یہ بھی قسم اول کی طرح دنیا میں داخل نہیں ہیں۔

ان تینوں قسموں کو کسی نے اپنے اس قول میں جمع کر دیا ہے کہ دنیا وہ ہے جو تمھیں اللہ سے مشغول کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری خواہشات کو پانچ امور میں محصور کر دیا ہے۔ فرمایا:

حیات دنیوی لہو ولعب، زینت وفخر اور مال واولاد میں کثرت بازی ہے۔ جن چیزوں میں یہ پانچ قسمیں جمع ہوتی ہیں وہ سات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوگوں کے لیے زینت دی گئی ہے عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ گھوڑوں، جانوروں اور کھیتوں میں یہ متاعِ حیات دنیا ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی مثال اپنے نفس اور اپنے مال کو بھولنے میں اس حاجی کی سی ہے جو راہ میں ٹھہر جائے، اونٹنی کو خوب چارہ کھلائے، رکھوالی کرے، صاف ستھرا رکھے رنگ رنگ کی جھولیں پہنائے، قسم قسم کے چارے لائے اور برف سے ٹھنڈا کر کے پانی پلائے حتیٰ کہ قافلہ آگے جا چکے، اسے نہ حج کا خیال رہے نہ قافلہ کا بس جنگل میں پڑا رہ جائے اور درندوں کا کھانا بن جائے۔ مگر جو عقل مند ہوگا وہ بقدرِ ضرورت اونٹنی سے سروکار رکھے گا۔ اسی طرح آخرت پر نظر رکھنے والا اپنے نفس و دنیا سے بس اتنا ہی تعلق رکھتا ہے کہ وہ راہِ آخرت طے کر سکے۔ ایک گروہ وہ ہے جن پر شہوت وغفلت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ خوب کمائی کرتے ہیں، کھاتے پہنتے ہیں اور کھانے پہننے کے لیے ہی کماتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو جانتے ہیں کہ کیوں پیدا کئے گئے لہٰذا اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں اور بقدرِ ضرورت چیزوں سے سروکار رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی سے دل چسپی نہیں لیتے۔

باب ۲۷

حُبِّ مال و مذمّتِ بخل

حبِ مال کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ''اے ایمان والو! تمھیں تمھارے مال واولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے گا خائب وخاسر ہوگا''۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

تمھارے مال واولاد فتنہ ہیں (الانفال: ۲۸)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، ''حب مال وجاہ، نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں جیسے پانی سبزی کو''۔ نیز فرمایا کہ اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے باڑے میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس قدر فساد نہیں مچا سکتے جتنا کہ حب مال و جاہ مسلمان کے دین میں فساد برپا کرتی ہے۔ حدیث نبوی ہے، ''اکثر لوگ برباد ہو گئے مگر وہ جو یہ کہے فلاں کو میں نے اتنا دیا اور فلاں کو اتنا دیا مگر ایسے کم ہیں''۔ فرمایا میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بہترین کھانے کھائیں گے، خوب صورت ترین عورتوں سے شادی کریں گے، طرح طرح کے نرم کپڑے پہنیں گے، اچھے اچھے گھوڑوں پر سوار ہوں گے، ان کے شکم تھوڑے سے سیر نہ ہوں گے، ان کے نفس، کثیر پر بھی قناعت نہ کریں گے، دنیا پر صبح وشام کریں گے، اسے خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنائیں گے اور خواہشات کا اتباع کریں گے۔ محمد بن عبداللہ قسم دلاتا ہے تمھاری نسلوں کو کہ اگر وہ انھیں پائیں تو سلام نہ کریں، ان کے مریضوں کی عیادت نہ کریں، ان کے جنازوں کے پیچھے نہ جائیں اور ان کے بڑوں کا احترام نہ کریں، جس نے ایسا کیا اس نے اسلام مے منہدم کرنے پر مدد کی۔

فرماتے ہیں، ''ابنِ آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، ارے تیرا مال تو وہ ہے جو تو نے صدقہ کیا اور اسے باقی رکھا یا کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا تو پرانا کر ڈالا''۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا یا رسول اللہؐ! کیا بات مجھے موت سے محبت نہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ کہا ہاں، فرمایا، اپنے مال کو اپنے آگے بھیج کیونکہ مومن کا قلب اس کے مال کے ساتھ ہوتا ہے اگر وہ اسے آگے بھیجے تو چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ رہے اور اگر مال کو پیچھے رکھتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ رہے''۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''ابنِ آدم کے تین

دوست ہیں، ایک تو روح قبض ہونے تک ساتھ رہتا ہے، دوسرا قبر تک اور تیسرا محشر تک، مال قبض روح تک ساتھ دیتا ہے گھر والے قبر تک اور محشر تک عمل"۔

مالِ محمود و مذموم

بعض آیات میں اللہ نے اسے خیر سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا

اگر مال چھوڑ جائے (البقرۃ:۱۸۰)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، "مالِ صالح انسان کے لیے بہترین ہے"۔ صدقہ و حج وغیرہ کے بارے میں جو ثواب ہے وہ دراصل مال کی مدح ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ داناؤں اور بزگوں کا مقصد سعادت ابدی ہے اور مال اس کا وسیلہ ہے۔ کبھی وہ تقوٰی اور عبادت پر توشہ بہم پہنچاتا ہے اور کبھی اسے آخرت میں خرچ کیا جاتا ہے۔ جو کوئی اسے تعیش یا معاصی و شہوات کے لیے لیتا ہے اس کے لیے مال مذموم ہے۔

یوں سمجھ لو کہ اس کی مثال سانپ کی سی ہے۔ اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ فوائد تریاق میں ہیں اور ہلاکتیں زہر میں ہیں۔ جو شخص اسے اچھی طرح جان گیا، اس کے زہر سے بچا اور تریاق سے فائدہ اٹھایا تو مال اس کے حق میں محمود ہے۔

حرص و قناعت

فقرِ محمود ہے مگر فقیر کو قانع ہونا ضروری ہے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس کی طرف نہ دیکھے۔ یہ بات تو قناعت ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ بقدرِ ضرورت کھانا پینا اور لباس رکھے یعنی کم مقدار اور خراب ترین قسم لے۔ ایک دن ایک ماہ کا اندوختہ رکھے تا کہ فاقہ پر صبر کر سکے اور طمع وطلب میں گرفتار نہ ہو جائے اور امیروں کے آگے جھکنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کے اپنا رزق پورا نہ کرے گا لہذا اللہ سے ڈرو اور طلب خوبی کے ساتھ کرو"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اے ابو ہریرہؓ جب بھوک سختی پکڑ جائے تو ایک چپاتی اور ایک کوزہ پانی پر گزارہ کر اور دنیا پر لعنت بھیج دے"۔

علاج حرص

دوائے حرص تین چیزوں سے مرکب ہے، صبر، علم اور عمل۔ پہلا درجہ صبر کا ہے۔ یعنی معیشت میں اقتصاد اور خرچ میں نرمی تو جو شخص عزت قناعت سے سرفراز ہونا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ خرچ کم کرے۔ حدیث پاک میں آیا ہے: "تدبیر آدھی معیشت ہے"۔ دوسرا درجہ قصر امل کا ہے تا کہ ضروریات کی وجہ سے پریشان ہونا نہ پڑے تیسرا درجہ علم کا ہے کہ اس پر یقین رکھے کہ قناعت میں عزت، سوال سے راحت اور ذلت طمع سے بچاؤ ہے اسی طرح طمع سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

فضیلتِ سخاوت

معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر مال نہیں ہے تو انسان کو قانع رہنا چاہیئے اور اگر مال موجود ہے تو ایثار وسخاوت سے کام لینا چاہیئے بخل نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "سخاوت جنت کا درخت ہے اس کی شاخیں زمین تک لٹکی ہوئی ہیں۔ جس کسی نے اس کی کوئی شاخ پکڑ لی وہ شاخ اسے جنت تک پہنچا دے گی اور بخل جہنم کا درخت ہے۔ بخیل اس کی شاخ پکڑ لیتا ہے یہ شاخ اسے جہنم رسید کر کے ہی رہتی ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ مجھ سے جبرائیلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اس دین کو پسند کیا اس کی اصلاح سخاوت و حسنِ خلق ہی کر سکتی ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس دین کو ان دونوں کے ساتھ عزت بخشو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں کے ساتھ اس دین کا اکرام کرو جب تک کہ تم اس کے ساتھ رہو۔

حدیث نبوی ہے کہ اللہ نے کسی ولی کو بغیر سخاوت و حسن خلق کے پیدا نہیں کیا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کونسا ایمان افضل ہے۔ فرمایا صبر و حسن خلق۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت ابن زبیرؓ نے بہت سارا مال دو بوریوں میں بھر کر بھیجا۔ یہ کوئی ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ آپؓ نے ایک بڑا طباق منگایا اور سارا لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ شام ہوئی تو باندی سے فرمایا میری افطاری تو لے آؤ۔ روٹی اور تیل لائی گئی تو اُمِ درہ نے کہا یہ مال جو آپ نے تقسیم کیا اس سے ہمارے لیے ایک درہم کا گوشت افطار کے لیے نہ منگا دیا۔ فرمایا اگر اس وقت یاد لاتی تو ضرور منگا دیتی۔

مذمت بخل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''جو لوگ بخل سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔ نیز فرمایا ''بخیلوں کو اللہ نے جو مال دیا ہے یہ نہ خیال کرو کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ بہت برا ہے کیونکہ قیامت کے دن ان کے گلوں کا طوق بنا دیا جائے گا''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''بخل سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر دیا۔ انھیں اپنوں کی خوں ریزی پر اکسایا اور حرام چیزوں پر ڈالا''۔ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں جنت میں بخیل، دھوکے باز، خائن اور بد خلق داخل نہیں ہوں گے۔

فضیلتِ ایثار

سخاوت کے بلند درجوں میں ایثار ہے۔ ضرورت ہوتے ہوئے مال کو خرچ کر دینا ایثار ہے اور سخاوت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایثار کی تعریف کی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

وہ اپنے نفس پر ترجیح دیتے اگر چہ خود بڑے ضرورت مند ہوتے ہیں (الحشر: ۹)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر کسی شخص کو کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس نے اسے روک کر دوسرے شخص کو ترجیح دی تو اس کے گناہ بخش دیئے گئے''۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مہمان آیا۔ آپ کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا ایک انصاری آئے اور اسے اپنے گھر لے گئے کھانا سامنے رکھا اور بیوی سے کہا کہ چراغ بجھا دو پھر وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے رہے کہ مہمان سمجھتا رہا ساتھ کھا رہے ہیں حتیٰ کہ وہ کھا کر فارغ ہو گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات جو کچھ تم نے مہمان کے ساتھ کیا اللہ کو بڑا پسند آیا۔ پھر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔

علاج بخل

معلوم ہونا چاہیے کہ بخل کا سبب حبِ مال ہے اور حبِ مال کے دو سبب ہیں۔ ایک حبِ خواہشات کیونکہ خواہشات تک وصول بغیر مال اور طول امل کے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ انسان سوچتا ہے کہ اگر میں ایک دن یا ایک ماہ زندہ رہا تو شاید دل مال کے خرچ پر آمادہ ہو جائے گا یا اولاد میں سے کسی کے کام آجائے گا۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا، ''بچہ سببِ بخل، سبب بزدلی اور سبب جہالت

ہے''۔ اب اگر اس اسباب کے ساتھ فقر کا خوف اور رزق پر بھروسہ نہ ہونے کا روگ لگ جاتا ہے تو بخل اور قومی ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان صرف مال ہی سے محبت کرتا ہے۔ مثلاً بعض بے اولاد بوڑھے جنہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مال کی ضرورت نہیں پڑے گی صرف مال ہی سے محبت کرتے ہیں۔ یہ دل کی بڑی مزمن بیماری ہے۔ عیاذاً باللہ! اس کی مثال یوں سمجھ لو کوئی شخص کسی پر عاشق ہو مگر پھر اس کے قاصد سے محبت کرنے لگے اور اسے بالکل بھول ہی جائے۔ یہ مثال ہم نے اس لیے دی ہے کہ درہم و دینار سے مقصود اپنی اغراض تک پہنچنا ہے مگر ایسا شخص مقصود کو تو بھول گیا اور وسیلہ و واسطہ پر عاشق ہو گیا۔ اس کے اور پتھر کے درمیان کیا فرق ہے صرف اتنا کہ مال وسیلۂ حاجات ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں سمجھتا وہ جاہل ہے۔

بخل کا علاج یہ ہے کہ خواہشات کو کم کرو، موت کو بکثرت یاد کرو، دوستوں کی موت کا خیال کرو، زیارتِ قبور کرو، سوچو کہ ان کے اندر کیڑے بھرے ہیں، غرض اس قسم کی باتوں پر غور کرنا چاہیئے۔

اگر بچوں کی وجہ سے بخل کرتا ہے تو دل کو اطمینان دلائے کہ خالق نے اس کے ساتھ رزق بھی پیدا کیا ہے۔ کتنے بچے ایسے ہیں جو وارث مال بنے مگر اسے کھا نہ سکے اور کتنے ایسے ہیں جنہیں وراثت میں کچھ بھی نہیں ملا مگر خدا نے انہیں بہت مال دیا۔ پھر یہ کہ اگر بچہ نیک ہے تو اللہ صالحوں کا وارث ہے اور اگر فاسق ہے تو مال کا کو معاصی میں خرچ کرے گا۔ خدا اس جیسے مسلمانوں میں پیدا نہ کرے۔

یہ بات بہت مفید ہے کہ سوچے، لوگ بخیلوں کی بڑی مذمت کرتے ہیں طبیعتیں ان سے کراہت کرتی ہیں اور سخی لوگوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور تعریفیں کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ

شیطان فقر سے ڈرتا ہے اور بخل کا حکم دیتا ہے (البقرۃ: ۲۸۶)

شاید ان باتوں سے بخیل کو کوئی فائدہ پہنچے۔

تونگری و فقر

کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے علمائے سوء! لوگ تمہارے حکم سے روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں مگر تم خود یہ کام نہیں کرتے ہو، ان باتوں کا درس دیتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے تو یہ تمہارے حکم احکام تمہارے حق میں کتنے برے ہیں۔ زبان سے توبہ کرتے ہو مگر عمل خواہشات پر ہے۔ اپنی کھالوں کا صاف رکھنا تمہیں فائدہ نہیں دے سکتا ہے جب کہ دل میلا ہو۔ میں

تم سے سچ کہتا ہوں چھلنی کی طرح نہ بنو کہ اس سے اچھا آٹا نکل جاتا ہے اور چھانس رہ جاتا ہے۔ تم لوگ اپنے منہ سے حکمت و دانائی کی بارشیں کرتے ہو اور کھوٹ تمہارے دلوں میں باقی رہ جاتا ہے۔

اے دنیا کے غلامو! وہ شخص آخرت کو کیسے پا سکتا ہے جس کی خواہش دنیا منقطع نہ ہوئی ہو، میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے دل تمہارے اعمال پر روتے ہیں۔ تم نے دنیا کو اپنی زبانوں تلے اور عمل کو قدموں کے نیچے ڈال رکھا ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تم نے اپنی آخرت کو فاسد کر دیا ہے کیونکہ دنیا کی دوستی تمہاری نظروں میں آخرت کی دوستی سے زیادہ محبوب ہے۔ تم سے زیادہ ٹوٹے میں اور کون ہو سکتا ہے۔ کاش تم جانتے ہو تم پر افسوس ہے۔ کب تک تم تاریکی میں چلنے والوں کی راہ صاف کرو گے اور خود حیران کھڑے رہو گے۔ گویا تم اہل دنیا کو یہ دعوت دیتے ہو کہ وہ تمہارے لیے چھوڑ دیں۔ ٹھیرو ٹھیرو تم پر افسوس کیا تمہیں یہ بات گھر کی تاریکی سے بچا سکتی ہے کہ چھت پر چراغ رکھ دیا جائے اور اندر وحشت ناک اندھیرا ہو۔ اسی طرح اگر نور علم تمہارے منہ میں ہو اور باطن خالی اور بیکار ہو تمہیں کیا فائدہ۔

اے دنیا کے بندو تم پرہیزگار بندوں کی طرح ہو نہ شریف آزادگان کی طرح۔ قریب ہے کہ دنیا تمہیں جڑ سے اکھاڑ پھنکے اور تمہیں منہ کی بل گرادے۔ پھر سرنگوں کر کے تمہاری خطاؤں کو تمہاری پیشانیوں سے چمٹا کر ملک دیان کی طرف اندھا پھیر دے۔ درآنحالیکہ تم بالکل ننگے اور تنہا ہو گے۔ پھر اللہ تمہیں تمہاری برائیوں پر مطلع کرے گا۔ بعد ازاں تمہاری بداعمالیوں کا سزا دے گا۔

اس بیان سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ فقر اولیٰ اور افضل ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ تونگری افضل ہے اس نے رسول اللہ ﷺ، تمام انبیاء اور سلف صالحین کی تحقیر کی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

بعض بدبختوں نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کے واقعہ سے تونگری کی فضیلت پر دلیل پکڑی ہے۔ ہم ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بات کس قدر غلط ہے۔ لوگوں نے کہا ہمیں عبدالرحمان بن عوفؓ کے بارے میں خطرہ ہے کہ انہوں نے اتنا سارا مال ترکہ میں چھوڑا ہے تو حضرت کعبؓ نے کہا، سبحان اللہ اور عبدالرحمانؓ کے بارے میں خطرہ ہے؟ کسبِ حلال اور ترکہ حلال۔

یہ بات حضرت ابوذرؓ کو پہنچی تو وہ غصہ میں بھرے ہوئے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی لیے کعب کے پاس پہنچے۔ کعبؓ سے کہا گیا! ابوذر بلاتے ہیں وہ بھاگ کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں چلے گئے۔ انہیں معاملہ نوعیت بتائی اور فریاد رسی چاہی۔ حضرت ابوذرؓ حضرت کعبؓ کے پیچھے پیچھے حضرت عثمانؓ

کے گھر پہنچے۔ جب ابوذرؓ داخل ہوئے تو کعبؓ ابوذرؓ سے ڈر کر حضرت عثمانؓ کے پیچھے جا بیٹھے۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا، ہاں یہودی عورت کے پوت! تو کہتا ہے عبدالرحمانؓ نے جو کچھ چھوڑا کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے۔ میں ساتھ تھا۔ فرمایا اے ابوذرؓ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ ﷺ۔ فرمایا تونگر روز قیامت مین فقیر ہوں گے مگر جس نے ادھر ادھر پھینکا۔ یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے داہنے، بائیں، آگے اور پیچھے اشارہ کیا۔ پھر فرمایا مگر ایسے کم ہی ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ احد کے برابر مجھے سونا ملے اور میں اسے راہ خدا میں خرچ کردوں اور مروں تو دو قیراط برابر پیچھے چھوڑ جاؤں۔ میں نے دریافت کیا حضور کیا فرما رہے ہیں دو قیراط یا دو ڈھیر۔ برابر فرمایا دو قیراط پھر فرمایا اسے ابوذرؓ تو زیادہ چاہتا ہے اور میں کم۔ رسول اللہ ﷺ تو یہ فرماتے ہیں اور تو اسے یہودیہ کے بیٹے کہتا ہے عبدالرحمانؓ نے جو کچھ چھوڑا کوئی حرج نہیں، تو نے جھوٹ بولا اور جو بھی یہ بات کہے وہ جھوٹا ہے۔ تو کوئی بھی کچھ نہ بولا حتیٰ کہ وہ نکل کر باہر چلے گئے۔ کہتے ہیں حضرت عبدالرحمانؓ کے وانٹوں کا قافلہ یمن سے مال لایا تو مدینہ میں شور برپا ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا، کیا ہے؟ لوگوں نے کہا عبدالرحمانؓ کا قافلہ آیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا۔ یہ بات عبدالرحمانؓ تک پہنچی تو ان سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟ آپ نے کہا فرمایا تھا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں مہاجروں اور مسلمانوں کے فقیر جنت میں دوڑ دوڑ کر داخل ہو رہے ہیں اور سوائے عبدالرحمان بن عوف کسی بھی امیر کو ان کے ساتھ داخل ہوتے نہ دیکھا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ جنت میں گھٹنوں کے بل جا رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمانؓ نے یہ حدیث سنی تو فرمایا، یہ پورا قافلہ اور جو کچھ اس پر مال لدا ہے اللہ کی راہ میں دیا، سارے غلاموں کو آزاد کیا تا کہ میں بھی ان کے ساتھ آزادانہ دوڑ کر جنت میں داخل ہو سکوں۔

حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے دربار میں مجھے جاہ و منزلت حاصل تھی۔ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا اے عمران! ہمارے ہاں تیری قدر و منزلت ہے تو کیا تو فاطمہ بنت رسول اللہ کی عیادت کو چل سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں بھی ساتھ کھڑا ہوا تا آنکہ آپ ﷺ فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا میرے

ماں باپ آپؐ پر قربان یا رسول اللہ تشریف لائیے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا میں میرا ساتھی بھی۔ انہوں نے فرمایا وہ کون ہے؟ فرمایا، عمران بن حصینؓ۔ وہ بولیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں تو صرف ایک عبا اوڑھے ہوئے ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے ایسے کر لو اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کی بدن تو ڈھانپ لوں گی مگر سر کیسے چھپاؤں گی؟ تو آپ ﷺ نے ایک پرانی چادر اپنے سر اتار کر پھینکی اور فرمایا اسے سر پر باندھ لو پھر اندر آنے کی اجازت دے دی۔ آپ ﷺ داخل ہوئے اور فرمایا السلام علیک یا بنتاہ! صبح کیسی ہوئی؟ بولیں واللہ درد مند رہی اور اس سے درد اور بڑھ گیا کہ کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ بھوک نے مجھے اور زیادہ نقصان پہنچایا۔ تو آپ ﷺ رونے لگے۔ فرمایا بیٹی نہ گھبرا خدا کی قسم میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا حالانکہ میں تیری نسبت سے اللہ کے ہاں زیادہ مکرم و معظم ہوں۔ اگر میں پروردگار سے درخواست کرتا تو مجھے ضرور کھلاتا پلاتا مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ پھر ان کے منڈھے پر ہاتھ مار کر فرمایا، خوش ہو جا تو بخدا اہل جنت کی سیدۃ النسا ہے۔ انھوں نے دریافت فرمایا تو آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کہاں گئیں؟ فرمایا آسیہ اپنی دنیا کی سیدۃ النسا ہو گی، مریم اپنے جہاں کی، خدیجہ اپنے عالم کی اور تو اپنے دور کی۔ تو ایسے گھروں میں ہو گی جو بانس کے ہوں گے۔ نہ ان میں کوئی تکلیف ہو گی نہ شور، پھر فرمایا اپنے ابنِ عم پر قناعت کر قسم بخدا میں نے تیری شادی ایسے شخص سے کی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کا سردار ہے۔

باب ۲۸

مذمت جاہ و ریا کاری

معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ محبوب قلوب ہے۔ اسے صدیق ہی چھوڑ سکتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ صدیقوں کے سروں سے سب سے آخری چیز جو نکالی جاتی ہے وہ حبِ جاہ ہے۔ ہم اس مقصد کے لیے چند فصلیں قائم کرتے ہیں۔

حبِ جاہ

معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ کی اصل شہرت کا پھیلاؤ ہے اور یہ مذموم ہے البتہ جسے اللہ نشر دین کے لیے شہرت بخش دے وہ مذموم نہیں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''آدمی کے لیے یہ شہرت بہت کافی ہے کہ لوگ اس کی دین یا دنیا کے بارے اس کی طرف اشارہ کریں سوائے اس شخص کے جسے اللہ ہی محفوظ رکھے''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، ''خرچ کرو اس طرح کہ شہرت نہ ہو، اپنی شخصیت کو بلند نہ کرو کہ لوگ تذکرہ کریں، سیکھو اور چھپاؤ خاموش رہو، سالم رہو گے، نیکوں کو خوش کرو گے اور بدوں کو ناراض''۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کہتے ہیں، ''جس نے شہرت کو پسند کیا اس نے خدا کی تصدیق نہیں کی''۔ حضرت طلحہؓ نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ساتھ چلتے دیکھا تو کہا کہ یہ لالچی مکھیاں ہیں اور آگ کے پروانے۔ حضرت سلیمان بن حنظلہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے جا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا تو اس پر درے برسائے۔ وہ بولے، ''امیر المومنین! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا یہ تابع کے لیے ذلت ہے اور متبوع کے لیے فتنہ''۔ حضرت حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابنِ مسعودؓ گھر سے نکلے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے میرے پیچھے پیچھے کیوں چل رہے ہو؟ اگر تمھیں میرے دروازے کے اندر کا حال معلوم ہوتا تو بخدا ایک بھی میرا اتباع نہ کرتا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں، ''پیچھے پیچھے آنے والوں کے جوتوں کی آواز سے احمقوں کا دل کم ہی محفوظ رہتا ہے''۔

گمنامی کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''بعض پراگندہ بال، غبار آلود، گدڑی پوش جن کی طرف کوئی بھی

دھیان نہیں دیتا ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اسے ضرور پورا کرے۔ ان میں سے براء بنؓ مالک بھی ہیں''۔

حضرت ابنِ مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض گدڑی میں لپٹے ہوئے جن کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کی قسم کھائیں تو وہ اسے پورا کرے۔ اگر وہ کہیں اے اللہ تجھ سے جنت مانگتا ہوں تو وہ انھیں جنت دے مگر دنیا سے کچھ بھی نہ دے''۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں پراگندہ بال، غبار آلود، دوگدڑی والے ہیں جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر امیروں کے پاس جانے کیا اجازت مانگیں تو انھیں اجازت نہ ملے، اگر کسی عورت سے پیام دیں تو کوئی بھی نکاح پر راضی نہ ہو اور اگر وہ بات کریں تو لوگ ان کی بات نہ سنیں، ان کی ضرورت دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اگر قیامت کے دن ان کا نور لوگوں پر بکھیر دیا جائے تو نور چھا جائے''۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بنؓ جبل قبر رسول کے پاس رو رہے ہیں۔ پوچھا کیوں روتے ہو، بولے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ متقی لوگوں کو پسند کرتے ہیں کہ اگر غائب ہو جائیں تو انھیں کوئی بھی تلاش نہ کرے اور اگر موجود ہوں تو کوئی نہ پہچانے، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر تاریکی سے دور رہتے ہیں''۔

حضرت ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں ''علم کے سرچشمے ہدایت کے چراغ، گوشہ نشیں، رات کے قندیل نئے دلوں اور پھٹے پرانے کپڑے والے بنو کہ آسمان والوں میں پہچانے جاؤ اور زمیں والوں میں پوشیدہ رہو''۔

مذمت جاہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

''یہ دارِ آخرت ان لوگوں کے لیے ہے جو زمین میں سر بلندی اور فساد نہیں چاہتے''
(القصص: ۸۳)

جاہ کی حقیقت ملکیت قلوب ہے جیسے مال کی حقیقت ملکیت اشیاء ہے۔ جس طرح مال کا مالک اس کے ذریعہ سے اپنے مقاصد پورا کرتا ہے اسی طرح دلوں کا مالک بھی ان کے ذریعہ اپنے مقاصد

کی تکمیل کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جاہ بھی ایک مقصد ہے۔ جس طرح مال حرفتوں اور صنعتوں سے کمایا جاتا ہے اسی طرح دل بھی طرح طرح کی معاملات سے قبضے میں کیے جاتے ہیں۔ قلوب، اعتقادات کے ذریعہ مسخر کیے جاتے ہیں۔ جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص میں فلاں کمال ہے تو وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ملکیت قلوب دراصل لوگوں کا اپنے غلام بنانا ہے۔ مال انسان کو محبوب ہے تو جاہ کیوں نہ محبوب ہو وہ تو بدرجۂ اولیٰ محبوب ہوگی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جاہ روح کی غذا ہے کیونکہ روح استعلا اور ربوبیت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے کہ وہ عالم امر الٰہی سے ہے اور یہ عالم ربوبیت، علو، عبودیتِ انسان وحبِ کمال کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی بھی شخص کو اس کی محبت سے پاک نہیں پائیں گے۔

فصل

نفس، مدح سے خوش ہوتا ہے کیونکہ مدح سے شعور کمال ہوتا ہے اور نفس کمال سے محبت کرتا ہے۔ اس کے برعکس مذمت سے کراہت کرتا ہے کیونکہ مذمت سے نقص کا احساس ہوتا ہے اور نفس نقصان کو ناپسند کرتا ہے۔

علاجِ جاہ طلبی

معلوم ہونا چاہیئے کہ جس شخص کو جاہ سے محبت ہو جاتی ہے اس کی ساری ہمت حب جاہ پر لگ جاتی ہے اور مزید کی طلب میں لگی رہتی ہے۔ طالب جاہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو شکار کرے لہذا وہ ریاکاری اور نفاق کی طرف دوڑتا ہے۔ اس لیے رسول خدا ﷺ نے حبِ مال و جاہ کو ایسے دو بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے جو بھوکے ہوں اور بکریوں کے باڑے میں چھوڑ دیئے گئے ہوں اور فرمایا یہ نفاق کو اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی سبزے کو۔

اس کا علاج علم و عمل سے مرکب ہے۔ علم سے اس طرح کہ خیال کرے میرا مقصود دلوں پر قبضہ کرنا ہے اور اگر یہ میسر آ بھی جائے تو بالآخر مرجانا ہے۔ لہٰذا یہ باقیاتِ صالحات سے نہیں ہے بلکہ اگر مشرق و مغرب کے سارے باشندے تمھیں پچاس سال تک سجدہ کریں تو یہ سجدہ کرنے والا باقی رہے گا نہ اسے سجدہ کیا جائے گا وہ باقی رہے گا اور تمھاری حالت اس شخص کی سی ہوگی جو تم سے پہلے صاحبِ جاہ مر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک وہی کمال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے کہ موت اسے زائل کر دے گی۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا تھا، ''گویا آپ کا پالا ایسے آخری شخص سے پڑا ہے جس کے لیے موت لکھ دی گئی ہے اور وہ مر بھی چکا ہے''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انھیں اس کے جواب میں لکھا: ''گویا آپ کبھی دنیا میں تھے ہی نہیں اور آخرت ہی سے وابستہ رہتے ہیں۔ یہ لوگ نتائج پر نظر رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ آنے والا ہے قریب ہے، رہا ان کا طریقہ کار سو مختلف ہے۔ بعض نے شراب حلال پی جو خمر کے مشابہ تھی لہٰذا لوگوں نے انھیں شرابی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ بعض زہد میں مشہور ہو گئے تو حمام میں گئے۔ جب نکلے تو کسی دوسرے کے کپڑے پہن کر نکل آئے اور رہ میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے انھیں پکڑ کر پیٹا اور کپڑے اتار لیے گئے اور کہا یہ تو چور ہے لہٰذا اسے سب نے چھوڑ دیا۔ سب سے قریبی رہ یہ ہے کہ سفر کر کے کسی گوشہ گمنامی میں جا بیٹھے اس لیے کہ اگر اپنے شہر میں خلوت گزین ہوگا تو ریا کا احتمال ہے کیونکہ بستی والے جان جائیں گے کہ فلاں شخص گوشہ نشین ہو گیا ہے''۔

علاج:۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حبِ مدح وکراہتِ ذم کا سبب ایک وہی کمال ہے۔ تمھیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ بے اصل ہے اور اس سے سوائے اس دنیا کے کوئی اور فائدہ نہیں ہے۔ آخرت میں تو یہ بالکل ہی بے کار ہے۔ اگر کسی دینی کام کی وجہ سے شہرت اور حب مدح کی خواہش ہو تو یہ بھی ایک ہوس سے زیادہ نہیں کیونکہ اعتبار تو حسنِ خاتمہ کا ہے اور اس خطرے سے گزر جانے کے بعد ہی کچھ فائدے کی توقع ہو سکتی ہے۔

ریاء

معلوم ہونا چاہیے کہ ریاء حرام ہے اور صاحبِ ریاء پر اللہ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝

''افسوس ہے ان نمازیوں پر جو نماز کو بھول جاتے ہیں اور ریاکاری کرتے ہیں''
(الماعون:۴۔۶)

ایک دوسری جگہ فرمان ہے:

وَ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا

''جو پروردگار کی ملاقات کا آرزومند ہے اسے عمل صالح کرنا چاہیے اور کسی کو عبادت میں شریک پروردگار نہ کرنا چاہیے'' (الکہف:۱۱۰)

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کس چیز میں نجات ہے؟ فرمایا یہ کہ بندہ عطاعت الٰہی بغیر دکھاوٹ کے کرے۔ نبی پاک علیہ السلام نے مزید فرمایا، ''تمھارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے، صحابہ نے دریافت کیا، وہ کیا ہے یا رسول اللہؐ! فرمایا، ریاء۔ قیامت کے دن اللہ کہے گا جاؤ ان لوگوں کے پاس جن کے دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے، دیکھو کیا ان کے پاس تمھارے لیے کوئی جزاء ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''حزن کے گڑھے سے پناہ پکڑو، لوگوں نے دریافت کیا وہ کیا ہے یا رسول اللہؐ؟ فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جو ریاکاروں کے لیے رکھی گئی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے سند کے ساتھ ایک شخص سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے کہا مجھے کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، تو حضرت معاذؓ رو پڑے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اب روتے ہی رہیں گے بالآخر خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے اے معاذ! میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! فرمایا میں تجھے ایک بات سناتا ہوں اگر اسے محفوظ رکھے گا تو تجھے فائدہ ہوگا اور اگر ضائع کر دیا تو روزِ محشر میں اللہ کے ہاں تیری حجت ختم ہو جائے گی۔ اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ ارض وسما سے پہلے سات فرشتے پیدا کیے۔ پھر آسمان پیدا کیے اور ہر آسمان میں ساتوں میں سے ایک کو اس کا دربان بنایا اور اس سے بڑی عزت دی، محافظ فرشتے صبح سے شام تک کے اعمال اوپر لے جاتے ہیں۔ اس فرشتے کا نُور سورج کے نُور کی طرح ہے۔ جب کسی بندے کا عمل فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں تو اس کی خوب تعریف کرتے ہیں مگر سردارِ ملائکہ کہتا ہے اس عمل کو اس کے منہ پر جا کر مار دو میں غیبت کرنے والوں کے عمل کو آگے نہ جانے دوں گا۔ فرمایا، پھر محافظ فرشتے کسی اور شخص کا عمل لائیں گے اور اس کی بڑی تعریف کریں گے حتیٰ کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچ جائیں گے تو دوسرے آسمان کا موکل فرشتہ کہے گا، ٹھہرو! اس عمل کو اس شخص کے منہ پر جا کر مار دو، میں فخر کا فرشتہ ہوں اس شخص نے اس عمل سے دنیا چاہی تھی، مجھے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں۔ یہ مجلسوں میں بیٹھ بیٹھ کر فخر کیا کرتا تھا۔ فرمایا محافظ فرشتے کسی بندے کا عمل صدقہ وصیام وصلوٰۃ لے کر جو نور سے چمکتا ہوا ہوگا محافظ فرشتے اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے تیسرے آسمان تک لے جائیں گے، وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا ٹھہرو اس عمل کو اس شخص کے منہ پر جا کر مار دو میں تکبر کا بادشاہ ہوں میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کا عمل مجھ سے آگے نہ بڑھنے پائے وہ مجلسوں میں لوگوں پر غرور کیا کرتا

تھا۔فرمایا،محافظ فرشتے ایک شخص کا عمل جو کوکب دُرّی کی طرح چمکتا ہوگا اور شہد کی مکھیوں کی سی آواز اس سے آتی ہوگی یہ تسبیح، نماز، حج اور عمرہ وغیرہ کی صدائیں ہوں گی فرشتے اسے چوتھے آسمان تک لے جائیں گے وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا ٹھہرو اس عمل کو صاحب عمل کے منہ پر جا کر مار دو اور اس کی پشت اور پیٹ پر بھی، میں خود پسندی کا فرشتہ ہوں یہ جب بھی کوئی کام کرتا تو خود پسندی کو اس میں شامل کر دیا تھا۔فرمایا،ایک اور بندے کا عمل فرشتے پانچویں آسمان کی طرف لے جائیں گے جیسے وہ دلھن ہو وہاں کا موکل فرشتہ کہے گا ٹھہرو اس عمل کو اس کے منہ پر مار دو اور اس کے کندھے پر لاد دو۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں یہ شخص لوگوں سے حسد کیا کرتا تھا کہ وہ بھی اس کی طرح پڑھتے اور عمل کرتے ہیں اور جو بھی کوئی زیادہ عبادت کرتا تو یہ حسد کرتا اور ان کے بارے میں کچھ کچھ کہتا، میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں۔فرمایا،ایک اور بندے کے عمل کو چھٹے آسمان تک لے جائیں گے۔اس کے اعمال میں نماز، زکوٰۃ، حج اور عمرہ اور روزے ہوں گے۔وہاں کا فرشتہ کہے گا ٹھہرو اس عمل کو اسی شخص کے منہ پر مار دو وہ کسی انسان پر رحم نہیں کرتا تھا خواہ کوئی کتنا ہی مبتلائے مصیبت ہو بلکہ خوش ہوتا تھا میں فرشتہء رحمت ہوں، پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کا عمل آگے نہ بڑھنے پائے۔فرمایا،ایک انسان کا عمل فرشتے ساتویں آسمان تک لے جائیں گے اس کے اعمال میں روزہ، نماز، صدقہ، جہاد اور تقویٰ ہوگا ان اعمال کی آواز رعد کی سی ہوگی اور سورج کی طرح چمک ہوگی اور تین ہزار فرشتے ساتھ ہوں گے وہ ساتویں آسمان تک لے جائیں گے تو فرشتہ کہے گا ٹھہرو یہ اس شخص کے منہ پر جا کر مار دو اور اس کے اعضاء پر بھی، پھر ان سے اس کے دل پر قفل لگا دو، مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ ہر اس عمل کو اس تک پہنچنے سے روک دوں جو اس کی رضا کے لیے نہ ہو۔اس نے اپنے عمل سے غیر اللہ کا ارادہ کیا تھا، فقہاء کے ہاں رفعت چاہی تھی اور علماء کے ہاں شہرت اور شہروں میں نامِ نیک، مجھے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو اپنے سے آگے نہ جانے دوں۔ہر وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے نہ ہو ریاء ہے، اللہ ریاکار کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔فرمایا فرشتے ایک شخص کی نماز، زکوٰۃ روزہ، حج، عمرہ، حسنِ خلق، خاموشی، ذکر الٰہی کو لے کر اوپر جائیں گے ساتوں آسمان کے ملائکہ اس کے ساتھ ہوں گے حتیٰ کہ سارے حجاب الٰہی پار کر جائیں گے۔یہ اعمال خدا کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے عمل صالح خالصاً اللہ کی گواہی دیں گے تو اللہ فرمائے گا تم میرے بندے کے محافظِ عمل فرشتے ہو اور میں اس کے نفس کا نگہبان ہوں، اس نے عمل سے میرا ارادہ نہیں کیا بلکہ دوسروں کا لہٰذا اس پر میری لعنت تو ملائکہ کہیں گے تیری اور ہماری سب کی لعنت اور ساتوں آسمانوں کی

اور.........ان کی بھی جو آسمانوں میں ہیں لعنت۔حضرت معاذؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ رسول الٰہی ہیں اور میں معاذ ہوں، بتایئے کیسے نجات ہوگی؟ فرمایا اپنے نبی پر قربان ہو جا، اپنی زبان کو اپنے حاملین قران بھائیوں اور دوسروں کی چغلی سے روک، اپنے گناہ اپنے ہی اوپر لاد، دوسروں پر نہ لاد، ان کی مذمت کر کے اپنی پاکیزگی نہ جتا، اپنے آپ کو ان سے بڑا نہ سمجھ، دنیا کے عمل کو آخرت کے عمل میں شامل نہ کر، اپنی مجلس میں غرور نہ کر، کہیں تیری بداخلاقی سے لوگ خوف نہ کھائیں، کسی کے ساتھ ایسی حالت میں سرگوشی نہ کر جبکہ دوسرا شخص بیٹھا ہو، لوگوں سے بڑا نہ بن کہ دنیا کی بھلائی تجھ سے منقطع ہو جائے، لوگوں کو نہ پھاڑ کہ قیامت کے دن جہنم کے کتے تجھے جہنم میں پھاڑیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والناشطات نشطا پتا ہے یہ کیا ہے؟ اے معاذ! میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہؐ! فرمایا، جہنم کے کتے ہیں کہ گوشت اور ہڈیاں نوچ نوچ کر کھائیں گے۔میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہؐ! ان باتوں کی کون سکت رکھتا ہے؟ اور کون ان سے نجات پا سکتا ہے؟ فرمایا اے معاذ! یہ باتیں ان لوگوں کے لیے آسان ہیں جنھیں اللہ توفیق عطا فرما دے۔ان سب باتوں میں سے تیرے لیے یہ کافی ہے کہ تو لوگوں کے لیے وہ پسند کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے اور وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔راوی بیان کرتا ہے، میں نے معاذ سے زیادہ کسی کو قرآن تلاوت کرتے نہیں دیکھا۔وہ اس حدیث سے ڈرتے تھے''۔حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں 'اللہ بندے کو اس کی نیت کے مطابق دیتا ہے اتنا کہ اس کے عمل پر اتنا نہیں دیتا کیونکہ نیت زیادہ اثر رکھتی ہے''۔

حقیقت ریاء

ریاء روایت سے اور سمعہ سماع سے مشتق ہے۔ریا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان لوگوں سے قدر و منزلت حاصل کرنے کے لیے انھیں دکھاتا ہے۔قدر و منزلت کی طلب کبھی عبادت کے ذریعہ اور کبھی عبادت کے علاوہ کسی اور کام سے ہوتی ہے۔عبادت کے علاوہ ریاکاری کبھی تو کھردرے کپڑے پہن کر، کبھی کپڑوں کو خوب اونچا چڑھا کر، کبھی زرد رنگ دے کر، کبھی آنکھوں میں گڑھے ڈال کر، گاہے بال بکھیر کر، دھیمی آواز سے بول کر اور متانت کے ساتھ چل کر کی جاتی ہے۔یہ سب باتیں بطور تکمد، عبادت گزاری کے کی جاتی ہیں۔یہ سب حرام ہیں جبکہ ارادہ ریا کا ہو۔اسی طرح وعظ میں علما کا مقفی مسجع عبارتیں لانا اس لیے ہوتا ہے تاکہ لوگ ان کے علم کو دیکھیں اور معترف ہوں۔الّا یہ کہ ایسا اس لیے کیا جائے کہ لوگوں پر اچھا تاثر پڑے۔اگر واعظ صحیح نیت والا ہو تو بسا اوقات ایسا کرنا جائز ہو

جاتا ہے۔

عبادت سے ریاکاری کی یہ صورت ہے کہ لوگوں کے سامنے طویل رکوع وسجدہ کرے تاکہ لوگ اسے متقی پرہیزگار سمجھیں۔ بعض اوقات خلوت میں بھی ایسا کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے محتاج تکلف نہ ہونا پڑے۔ ایسا شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ریا سے خلاصی پا گیا کیونکہ خلوت میں طویل رکوع و سجدہ کرتا ہوں۔ اگر اسی ارادے سے ایسا کرتا ہے تو اس نے ریاکاری میں اور اضافہ کر دیا ہے کیونکہ وہ مخلص نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ریا طلب جاہ ہے اور عبادت اور بغیر عبادت کے بھی ہوتی ہے۔ اگر عبادت کے علاوہ کسی اور چیز سے ہے تو یہ مال حلال کی طلب کی طرح ہے لہٰذا حرام نہیں البتہ مکاری مال اور جاہ دونوں میں حرام ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ طلب جاہ بالکل حرام ہے کیونکہ جس طرح معیشت کے لیے مال ضروری ہے جاہ بھی ضروری ہے۔ لہٰذا بقدر ضرورتِ مال حلال کی طرح جاہِ حلال کا حاصل کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا:

اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ

مجھے زمین کے خزانے پر لگا دے میں حفیظ وعلیم ہوں (یوسف: ۵۵)

جاہ میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی، ایسے ہی جیسے مال کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ جس طرح کثرتِ مال اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے یہی حال کثرتِ جاہ کرتی ہے۔ اگر بغیر حرص کے وسعتِ جاہ حاصل ہو گئی اور اللہ سے غافل نہ کر سکی اور اس کا استعمال اسی طرح ہوا جس طرح مالِ کثیر کوئی شخص، سخاوت ایثار اور نفع خلائق کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو مالِ کثیر کا ہے۔ اس لیے کہ پیغمبروں، اماموں اور خلفاء کے جاہ سے زیادہ کسے جاہ نصیب ہو سکتا ہے۔ بس یہ چاہیے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہو اور اس کے زوال پر رنجیدہ نہ ہو۔

اس بنا پر اچھے کپڑے پہن کر نکلنا ریا ہے مگر حرام نہیں کیونکہ عبادت کے ساتھ ریاکاری نہیں کی گئی۔ اس پر دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلتے تو پانی کے مٹکے میں روئے مبارک دیکھتے، عمامہ اور بالوں کو درست کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ”میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اور ایسا کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں، اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ انسان اپنے بھائیوں کی طرف جائے تو بن سنور کر جائے“۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے لیے عبادت تھی کیونکہ آپ دعوتِ خلق پر مامور تھے اور اگر لوگوں کی نظروں سے گر جاتے تو معاملہ خراب ہو جاتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کے چند درجے ہیں۔ اگر کسی کام سے مقصود صرف ریا ہی ہو تو وہ یقیناً عبادت کو باطل کر دیتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ریا عبادت پر غالب آجائے۔ اگر عبادت اور ریا دونوں برابر ہوں تو اگر ایسا شخص اس طرح نجات پا گیا کہ اسے ثواب ملے نہ عذاب تو سمجھو کہ وہ نفع میں رہا۔ اگر اصل مقصود عبادت ہو اور ریا مغلوب ہو کہ اگر ریا کا خیال نہ ہوتا تب بھی عبادت کرتا تو شاید اصل عمل ضائع نہیں جائے گا مگر ثواب ضرور کم ملے گا یا بقدرِ ریا سزا ملے گی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ایمان کی جڑ ریا ہے تو یہ نفاق ہے۔ ایسا شخص جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اگر اصل ایمان میں ریا داخل نہیں ہے بلکہ فرائض کے اصول میں ہے تو یہ خفیف ہے اور اگر نوافل و اوصافِ عبادت میں ہے تو اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

ریائے خفی

ریائے خفی جو چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے یہ ہے کہ نہ تو اسے عبادت میں کوئی دخل ہوتا ہے نہ مخلوق کے دیکھنے سے عبادت میں خوشی اور آسانی ہوتی ہے، مگر عبادت کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ وہ عبادت گزار مشہور ہو جائے یا یہ خواہش کرتا ہے کہ لوگ اسے عبادت کرتا دیکھ پائیں۔ اگر اس بات سے خوش ہو کہ کوئی اسے دیکھ لے تو یہ ریائے خفی ہے۔ اس کے دفع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سوچے اس کی جڑ حبِ مال و جاہ وحبِ مدح ہے۔ ان سب کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ اس کے اصرار پر مطلع ہے اور وہ یہ کہے گا کہ دیکھنے والوں میں تیرے نزدیک میں سب سے بے وقعت تھا۔ اگر اس کے نتیجے پر غور کرے گا اور یہ سوچے گا کہ موت ان سب پر پانی پھیر دے گی تو اس چھوڑ دینا ہی بہتر جانے گا۔

گناہ کی پردہ داری

اخلاص کی اصل یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں برابر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ اعلانیہ عمل کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا امیر المومنین! اعلانیہ عمل کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا، وہ کام کہ لوگ دیکھ لیں تو تم اس کے کرنے پر شرماؤ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”جو کوئی تم میں سے کسی قسم کا گناہ کرے تو سترِ الٰہی سے اسے چھپا لے“۔ جس طرح اپنے گناہ کے اظہار کو ناپسند کرے دوسروں کے گناہوں کے آشکارا ہونے کو بھی ناپسند کرنا چاہیے۔

خوفِ ریا سے ترکِ عبادت

اگر کوئی عبادت بغیر ریا کے شروع کی ہے مگر یہ خطرہ ہو کہ درمیان میں ریا پیدا ہو جائے گی تو اس عبادت کو نہ چھوڑے کیونکہ پھر تو شیطان کا مقصد حل ہو جائے گا۔ بلکہ عبادت کی طرف قدم بڑھائے اور ریا کو دفع کرے۔ اسی لیے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مخلوق کے دیکھنے کی وجہ سے عبادت کو چھوڑ دینا ریا ہے البتہ عبادت پر مخلوق کے دکھانے کے لیے اقدام کرنا نفاقِ محض ہے۔

خدمتِ خلق

بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان کا تعلق مخلوق سے ہے، جیسے خلافت، امامت، سلطنت، تعلیم اور وعظ۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے امامِ عادل کا ایک دن سات سالہ گوشۂ عزلت کی عبادت بہتر ہے۔ پرہیز گار لوگ ایسے کاموں سے بھاگتے تھے کیونکہ ان میں بڑے بڑے خطرات ہیں۔ اس لیے کہ باطن کے سارے آفات حبِ مال و جاہ وغیرہ بیدار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے،'' جو بھی دس آدمیوں پر والی ہوگا روزِ قیامت اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے پھر اس کا عدل اسے چھڑا دے گا یا ظلم برباد کر دے گا''۔ عقل مند کو چاہیے کہ خطرے کے مقام سے بھاگے۔ اپنے اندر جھانکے اگر طلبِ ثواب غالب ہے تو کر گزرے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ جب کوئی ایسا آدمی مل جائے جو اس کی نیابت کر سکے تو اسے غنیمت جانے اور اس سے ناراض نہ ہو۔

باب ۲۹

تکبر اور خود پسندی

تکبر مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،'' میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق زمین پر تکبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے''۔ فرمایا،'' ہر جبارِ عنید خسارے میں رہا''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،'' وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی غرور ہوگا''۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،'' تکبر میری چادر ہے اور عظمت میری ازار۔ جو بھی ان میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے جہنم رسید کر دوں گا''۔

تکبر ایک وصف ہے جو نفس میں خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے۔ ظاہری طور پر جو انسان تکبر کا اظہار کرتا ہے یہ اس صفت کا اثر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،'' اے اللہ! میں تجھ سے غرور کی پھنکار سے پناہ مانگتا ہوں''۔ اگر انسان اللہ سے غرور کرتا ہے یعنی یہ کہ اس کے احکام کے سامنے بالکل نہیں جھکتا تو یہ کفرِ تام ہے اور اگر کسی رسول سے تکبر کرتا ہے یعنی یہ کہ اپنے جیسے انسان کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا تو یہ بھی کفرِ تام ہے۔ تکبر کی تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی مخلوق سے تکبر کرے، انھیں اپنی خدمت کے لیے بلائے اور ان سے تواضع و انکساری کا خواہش مند ہو۔ یہ بھی اللہ کے ساتھ اس کی تکبریائی میں جھگڑنا ہے کیونکہ اس کے علاوہ بلاوجہ کسی کا فرمابردار کسی کو نہ ہونا چاہیے۔

اگر تکبر مال و جاہ کی وجہ سے ہے تو اس کا علاج گزر چکا ہے اور اگر صلاح و تقویٰ کی وجہ سے ہے تو یہ بات خود صلاح و تقویٰ کے منافی ہے۔ اگر نیک کاموں کے کرنے، علم اور عمل کی بنا پر ہے تو یہ باتیں تو اللہ کے لیے ہونی چاہییں۔ اگر ان کی وجہ سے لوگوں پر غرور کیا تو اپنا اجر لے لیا جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح اجر کے زائل ہو جانے کے خطرے سے اس کا علاج کیا جا سکتا ہے اور خواطرِ قلبی سے سکون پا سکتے ہیں۔ لہٰذا جب نفس ترفع کی طرف مائل ہو تو اضع پر مجبور کرے اور اس کی مداومت کرے شاید اللہ اسے ذلت سے بچا دے۔

جب دل تکبر سے خلاصی چاہے تو چار امور سے نفس کا امتحان لے:

۱۔ مناظرہ کرتے وقت دیکھے کیا اس حق کے اظہار پر نفس غصہ کرتا ہے جو اس کے حریف کے ہاتھوں ظاہر ہوا اور آیا وہ غلبہ کا خواہش مند ہے کہ نہیں۔

۲۔ محفلوں میں دوستوں کو اپنے اوپر تقدیم دے۔

۳۔ کھانے پینے کی چیزیں بازار سے خود گھر لے جائے یہ سنت ہے۔ اپنے خادموں کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے اور ان کے ساتھ کھانا کھائے۔ یہ سب باتیں سنت ہیں۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ فقراء کی دعوت پر لبیک کہے، ان کے ساتھ بازار جائے اور ان کی ضروریات کو ان کے ساتھ اٹھا کر چلے۔

۴۔ محفل میں سادے گھریلو کپڑے پہن کر جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ”سادے کپڑے پہننا ایمان کا جزو ہے“۔ نیز فرمایا، ”جو اپنے اونٹ کو خود باندھتا ہے اور صوف کے کپڑے پہنتا ہے وہ غرور سے بری ہے“۔ فرماتے ہیں جو اپنی ضروریات کو اٹھا کر گھر لے جاتا ہے وہ تکبر سے پاک ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو واضع رہے کہ ہر کام میں اعتدال بہتر ہے۔ تواضع محمود یہ ہے کہ بغیر کسی ذلت کے ہمسروں کے ساتھ تواضع کرے۔

خود پسندی

خود پسندی مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”غزوہ حنین کے دن تم اپنی کثرت پر نازاں ہو گئے تو کثرت نے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا“۔

نیز فرمایا، ”وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بھلائی کر رہے ہیں؟ فرماتے ہیں، ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ ظاہر ہوا جس کا انھیں گمان بھی نہ تھا“۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ”تین باتیں ہلاک کر ڈالتی ہیں، بخیل کی فرمانبرداری، خواہشِ نفس کا اتباع اور آدمی کا اپنے اوپر ناز کرنا“۔

خود پسندی کی جڑ دراصل اندرون کا چھپا ہوا غرور ہے کہ خود کو بڑا عامل یا عالم سمجھے۔ البتہ اگر اس کے زوال سے ڈرتا ہے تو وہ خود پسند نہیں ہے یا اس نعمتِ الٰہی پر خوش ہوتا ہو تو یہ بھی خود بینی نہیں ہے بلکہ فضلِ الٰہی پر سر درہے۔ ہاں اگر اسے ایک ایسا وصف جانتا ہے کہ کبھی زائل نہ ہوگا، نہ اسے خدا کا فضل سمجھتا ہے بلکہ اپنی پیداوار جانتا ہے تو یہ خود بینی ہے اور مہلکات سے ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ عاقبت کا خیال رکھے اور بلعم بعور کے قصے پر نظر رکھے کہ اس کا خاتمہ کفر پر کیسے ہوا۔ یہی حال ابلیس کا ہے۔ پس جو کوئی سُوئے خاتمہ پر نظر کرے گا اور یقین رکھے گا کہ یہ اوصاف ممکن ہیں تو اپنی کسی بھی صفت پر عجب نہیں کرے گا۔

باب ۳۰

مذمّتِ تکبّر

ہلاکت کے اسباب میں غرور سب سے بالا ہے۔ غرور والوں کی بہت سی قسمیں ہیں مگر ہم صرف چار قسموں کا بیان کریں گے:

(۱) علماء (۲) صوفیاء (۳) متصوفہ (۴) اربابِ دنیا اور اصحابِ اموال۔

پہلے ہم غرور کی مذمت بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تمھیں حیات دنیوی غرور میں مبتلا نہ کر دے اور اللہ کے مقابلہ میں بہکا نہ دے۔ تمھیں آرزوؤں نے دھوکے میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ امر الٰہی آن پہنچا“۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ”داناؤں کی نیند قابلِ تعریف اور ان کا افطار بھی کہ احمقوں کی بیداری اور ان کے مجاہدات کو بے وقعت بنا دیتے ہیں، بے شک ایک ذرہ صاحبِ تقویٰ و یقین کا اربابِ غرور کے ایسے عمل سے بہتر ہے جو ساری زمین کو بھر دے“۔ غرور کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھے جو اصلیت کے خلاف ہو لہٰذا جہالت کی ایک قسم ہے اس میں نفس ایسی باتوں پر مطمئن ہوتا ہے جو خواہشات نفس یا خیال کے مطابق ہوتی ہیں۔

بعض اہلِ غرور وہ ہیں جنھیں ان کے ظنِ فاسد نے یہ بتا رکھا ہے کہ دنیا کی زندگی نقد اور یقین ہے اور آخرت ادھار اور شک ہے اور نقد و یقین کو ادھار اور شک کی بدولت نہیں چھوڑا جا سکتا۔ انہی کے بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ”یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بجائے حیاتِ دنیا کو خرید لیا ہے لہٰذا ان سے عذاب کی تخفیف نہیں کی جائے گی“۔ یہ لوگ کافر ہیں، ان کو ایمان کبھی کسی علت سے یا برھان و دلیل سے یا کبھی تقلید سے حاصل ہوتا ہے، مریض، صحت کی امید پر طبیب کی دوا کھاتا ہے۔ اگر کوئی مریض یہ کہے کہ میں تو اس وقت تک دوا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ مجھے دوا کے نافع ہونے کا یقین نہ ہو جائے تو وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان ذرا سے احتمال پر بھی بچے۔ اگر کسی شخص کو انبیاء کے اقوال و معجزات یقین نہیں بخشتے تو ظن یا احتمال تو یقیناً بخش دیتے ہیں۔ لہٰذا دانا انسان کو چاہیے کہ اگر کسی چیز کے نقصان پہنچانے کا احتمال بھی ہو تو اس سے بچے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک ملحد سے اس کی حجت بازی کو سن کر کہا تھا اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو تو میں اور تم دونوں خلاصی پا گئے اور اگر ایسا ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں تو میں

فلاح پا گیا اور تم برباد ہو گئے۔

بعض لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے ،بعض آباؤ اجداد کے تقوے پر نازاں ہیں۔مگر خلاصی کہاں، یہ بات جو کہتے ہیں کہ اللہ رحیم وکریم ہے بلاشبہ حق ہے لیکن آیات قرآنی بتاتی ہیں کہ اس کا رحم وکرم توفیقِ خیر دینوی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،''انسان کے لیے اس کی کوشش ہی ہے، اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کے لیے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے''۔ اگر اس کے رحم وکرم پر ہی بھروسہ ہے تو رزق کے بارے میں کیوں اس پر اعتبار نہیں ہے ،حالانکہ وہ فرماتا ہے'' جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا''۔

حکم دیا ہے کہ رزق کے بارے میں مجھ پر توکل کرو اور میرے کرم پر بھروسہ کرو تو انسان ایسا نہیں کرتا اور آخرت کے لیے عمل کرنے کا حکم دیا تو اس پر توکل کرتا ہے۔ یہ بالکل الٹا معاملہ ہے۔ رہے وہ لوگ جو آباؤ اجداد کے تقویٰ اور نسب کی پاکیزگی پر فخر کرتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف دیکھنا چاہیے کہ اس نے حضرت نوحؑ سے فرمایا'' تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے'' دانا وہ ہے جس کا نفس اس کا فرماں بردار ہے اور مابعد الموت کے لیے عمل کرتا ہے اور احمق وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کا اتباع کرتا ہے اور اللہ سے جھوٹی امیدیں وابستہ کرتا ہے''۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عاقلِ بصیر وہ ہے جو رات دن طاعتوں میں مشغول رہتا ہو اور گناہوں سے بھی بچتا ہو، سوئے خاتمہ سے ڈرتا رہتا ہے اور اللہ سے دعا کرتا رہتا ہے کہ اسے ثابت قدم رکھے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور قضا وقدر کی بجلیوں سے بھی ڈرتا رہتا ہے۔

آپ سوال کریں گے کہ پھر امید ورجا کا مقام کون سا ہے؟ بات یہ ہے کہ رجاؤ خوف ساجھی ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے، مقام رجا دو ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے نفس کو بخشش کی امید دلائے اس طرح کہ توبہ کرے جبکہ بخشش کو کثرتِ ذنوب، رہبری شیطان اور اس کے ناامید کردینے سے اپنے سے دور کر دیا ہو۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ اپنے نفس کو نعیمِ فردوس اور بلند مراتب کی امید دلائے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تاکہ فرائض پر اختصار نہ کرے۔

اب ہم ان لوگوں کی قسمیں بیان کرتے ہیں جو دھوکے میں مبتلا ہیں۔ پہلی قسم علماء کی ہے ان کے غرور کا ذکر ہم کتاب العلم میں کر چکے ہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ علماء الٰہی وہ ہیں جن کا خوف ان

کے علم سے زیادہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے''میں تم سب سے بڑا عالم الٰہی ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں''۔ جو شخص اپنے باطن کے عیوب سے اندھا ہے یا جانتا ہے مگر ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ مغرور وفریب خوردہ ہے۔ اسے اس کا علم کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ دوسری قسم اہل عبادت کی ہے۔ یہ لوگ جس قسم کی بھی عبادت کرتے ہوں ان کی عبادت ایک قسم کے غرور سے خالی نہیں ہوتی۔ سوائے ان داناؤں کے جنھیں اللہ نے توفیق دی مگر ایسے کم ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو فرائض کا حق ادا نہیں کرتے اور انھیں احکامِ سنن وشرائط کے ترک سے ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ وضو اور کپڑوں کی پاکیزگی میں مستغرق رہتے ہیں حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جاتا ہے یا تنگ ہو جاتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ انھیں نماز کی نیت کے بارے میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جماعت ختم ہو جاتی ہے۔ بعض کو ایسا وہم ہوتا ہے کہ وہ بار بار سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم مخارجِ حروف کو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک مخرج کے علاوہ اور کوئی بات اہم نہیں ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قاصد کسی بادشاہ کے دربار میں جائے تو وہ خوبی کے ساتھ الفاظ کی ادائیگی میں لگ جائے اور ان کی تکرار کرتا رہے اور احترام بارگاہ سے غافل رہے تو وہ اس قابل ہی ہوگا کہ اسے پاگل خانہ بھیج دیا جائے یا اسے سزا دی جائے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو حج یا روزہ ادا کرتے ہیں مگر حج کی شرائط جیسے توبہ اور ردِ مظالم ہے انھیں پورا نہیں کرتے۔ نہ انھیں یہ پتہ ہوتا ہے کہ اعمال کو کیا چیزیں برباد کرتی ہیں۔ نہ ظاہر وباطن کی پاکیزگی سے آشنا ہوتے ہیں لہٰذا وہ اپنے علم پر مغرور ہی ہوتے ہیں۔

تیسری قسم صوفیہ اور متصوفہ کی ہے۔ ان کے کئی فرقے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو صرف ان کے لباس اور وضع قطع پر قناعت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس معاملہ اتنا ہی ہے۔ بعض ذرا ان سے آگے ہیں وہ ایسے پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں جن کی قیمت ابریشم سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ان کی مثال اس بوڑھی عورت کی سی ہے جس نے یہ سنا ہو کہ مردانِ جنگ کے نام بادشاہ کے دفتر میں لکھے جارہے ہیں تو اس نے زرہ پہنی، ہتھیار زیب تن کیے اور سلطان کے سامنے پہنچ گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے ہتھیار اتار لیئے جائیں اور میدان جنگ میں آزمائش کے لیے بھیج دیا جائے۔ جب خود سر سے اتارا گیا اور زرہ کھینچ لی گئی تو بوڑھی نکلی۔ اس سے کہا گیا تو نے بادشاہ کی توہین کی ہے لہٰذا تجھے گرفتار کر کے ہاتھی کے سامنے ڈالا جائے گا اور تجھے سزا دی جائے گی۔

بعض وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے علومِ معرفت کے سلسلہ میں صوفیاء

کے اقوال یاد کر لیے ہیں لہٰذا وہ معرفت کے دعویدار ہیں، خدا بچائے یہ تو سراسر ہلاکت ہے۔

بعض وہ ہیں جو سب کچھ چھوڑ بیٹھے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمارے اعمال کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے مگر انھیں یہ معلوم نہیں کہ اعمال تو ان ہی کے فائدے کے لیے ہیں کسی اور کے نہیں۔

بعض وہ ہیں جو قسم قسم کی نعمتیں کھاتے ہیں اور حلال وحرام کی کوئی تفریق نہیں کرتے مگر یہ نہیں جانتے کہ حلال کی کثرت بھی شانِ تصوف کے خلاف ہے چہ جائیکہ حرام کی۔

بعض وہ ہیں کہ ان کے لیے راہِ معرفت کشادہ کر دی گئی مگر وہ وہیں ٹھہر گئے یہ خیال کر کے کہ وہ واصل ہو چکے ہیں حالانکہ اس راہ کے عجائبات بے شمار ہیں تو جو لوگ ہر عجوبہ کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں اس کا سفر دراز ہو جاتا ہے۔

ایک فرقہ ان سب سے آگے بڑھا کہ انھوں نے انوارِ طریق وعطایائے جزیلہ کی پرواہ نہیں کی۔ نہ ان پر خوش ہوئے بلکہ آگے ہی قدم بڑھاتے رہے حتیٰ کہ وہ قربِ الٰہی تک جا پہنچے تو انھوں نے خیال کیا کہ ہم خدا تک پہنچ گئے۔ حالانکہ انھیں مغالطہ ہوا کیونکہ اللہ کے نور کے ستر پردے ہیں۔ سالک جب کسی پردے تک پہنچ جاتا ہے خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ابراہیمؑ کا قول نقل کیا ہے وہ اسی کی طرف اشارہ ہو:

''جب اس پر رات چھا گئی تو ایک ستارہ دیکھا! بولا یہی میرا پروردگار ہے''۔ ستارے سے مراد یہ ستارے نہیں ہیں کیونکہ انھیں تو وہ بچپن سے دیکھتے چلے آئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ معبود نہیں ہیں۔ اول تو یہ بہت سارے ہیں ایک نہیں، تو خلیل جیسا انسان کیسے دھوکا کھا سکتے ہیں جبکہ کوئی عامی و جاہل بھی انھیں معبود نہ سمجھتا تھا۔ دراصل ستارے سے مراد ایک نورِ الٰہی ہے جو سب سے پہلا حجاب ہوتا ہے اور سالک کی راہ میں آتا ہے۔ اللہ تک پہنچنا بغیر ان حجابوں کے قطع کیے ممکن نہیں۔ یہ نورانی حجاب بقدرِ قرب و بعد بعض چھوٹے کواکب ہیں۔ لہٰذا اولِ نور کے لیے کوکب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے اور سب سے بڑا ستارہ سورج ہے اور چاند درمیانی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب ملکوت سماوات کو دیکھا تو وہ ایک نور سے دوسرے نور اور ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہم اسی طرح ابراہیمؑ کو دکھاتے رہے ملکوتِ سماء وارض (الانعام: ۷۵)

انوارِ الٰہی سے جو نور بھی ظاہر ہوا، وہ اس کی عظمت کی وجہ سے یہ سمجھے کہ وہ اپنے رب تک پہنچ چکے

ہیں لہٰذا پکار اٹھے کہ یہی میرا پروردگار ہے۔ مگر نورِ نبوت وتوفیق الٰہی سے ان پر منکشف ہو گیا کہ اس کے ماوراء بھی نور ہے۔ لہٰذا جب بھی اس سے اوپر کا نور ظاہر ہوا تو انھیں نیچے کا نور کم معلوم ہوا اور معلوم ہو گیا کہ یہ محدود ہے تو فرمایا میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اسی طرح آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ غیر محدود نور تک پہنچ گئے اور محدود سے ان کی طمع منقطع ہو گئی تو فرمایا'' میں متوجہ ہوتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا''۔

سالک ان انوار اور حجابوں تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اپنے نفس کے حجاب سے نہ نکل جائے۔ حجاب نفس بھی ایک امر ربانی ہے بلکہ انوار الٰہی سے منسلک ایک نور ہے، یعنی سرِ قلب و روح جس میں حقیقت حق منکشف ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ تمام عالم کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس میں صورت کلی ظاہر ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہی لوحِ محفوظ ہے۔

جب سالک اس مقام تک پہنچتا ہے تو اس کا نور بڑے شان سے چمکتا ہے کیونکہ اس میں سارے وجود کا جیسا کہ وہ ہے ظہور ہو جاتا ہے۔ اول امر یہ ایک قندیل کے ذریعہ محجوب ہے جیسا کہ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب یہ نور تجلی کرتا ہے اور جمالِ قلب نورِ الٰہی کے بعد منکشف ہوتا ہے تو بسا اوقات صاحبِ قلب، قلب کی طرف دیکھتا ہے اور ایک مدہوش کن جمال پاتا ہے تو اس دہشت وشک کی حالت میں بسا اوقات اس کی زبان سے انا الحق نکل جاتا ہے۔ اگر توفیقِ الٰہی دستگیری کرتی ہے اور الطاف الٰہی جذب کرتے ہیں تو وہ چل پڑتا ہے اور وہیں ٹھہرا نہیں رہ جاتا۔ تب وہ منازلِ انوارِ الٰہی کو پہچان جاتا ہے، ورنہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہی وہ محلِ غرور ہے کیونکہ بسا اوقات اس پر تجلی کرنے والا اور متجلی فیہ دونوں ملتبس ہو جاتے ہیں جیسے کہ آئینے کے سامنے کوئی رنگ آ جاتا ہے تو منعکس ہو جاتا ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہی آئینے کا رنگ ہے یا جیسے بوتل شربت کے رنگ سے ملوّن ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

''بوتل بھی لطیف تھی اور شراب بھی تو دونوں ایک جیسی ہو گئیں اور امتیاز مشکل ہو گیا تو گویا شراب ہی شراب تھی جام نہ تھا اور گویا جام ہی جام تھا شراب نہ تھی''۔ نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو اسی نظر سے دیکھا۔ انھیں نورِ الٰہی مسیح کے اندر چمکتا نظر آیا لہٰذا دھوکا کھا گئے۔ جیسے کسی شخص کو ستارہ آئینے یا پانی میں دکھائی دے تو وہ سمجھے کہ ستارہ آئینے یا پانی میں ہے اور پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ ظاہر ہے ایسا شخص دھوکے میں ہے۔ اس قسم کے دھوکے اتنے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں جو کئی جلدوں میں بھی نہیں سما سکتے۔ شاید اس قدر بیان کا چھوڑ دینا بھی بہتر ہی ہوتا کیونکہ سالک کو دوسروں کی سنی سنائی کی

ضرورت نہیں ہوتی اور جو شخص اس ذوق سے محروم ہو وہ ان باتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ شاید اسے ان باتوں سے نقصان پہنچے کہ وہ گھبرا جائے۔ اس لیے کہ ایسی باتیں سنتا ہے جنھیں سمجھتا نہیں۔ پھر بھی سامع کو تھوڑے بہت فائدے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ممکن ہے اسے توفیق ہو جائے اور وہ جان لے کہ معاملہ اس کے گمان سے بالا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اولیاء اللہ نے جو مکاشفات و حکایات بیان کیے ہیں ان کی تصدیق کر سکے اور گمراہوں کی باتوں کی تکذیب کر سکے۔ عنقریب ظالموں کو پتا چل جائے گا کہ وہ کس طرح قلابازیاں کھاتے ہیں۔

چوتھی قسم مال داروں کی ہے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو مسجدیں، سرائیں اور پل بناتے ہیں اور ان پر اپنا نام لکھاتے ہیں تاکہ ان کا نام ہمیشہ رہے اس کے باوجود وہ طالبِ مغفرت ہوتے ہیں حالانکہ یہ دھوکا ہے۔ اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ مال، ظلم، غصب اور لوٹ کا ہوتا ہے جس کا لوٹا دینا اس کام سے بہتر تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد ریا اور شہرت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان سے کہا جائے کہ ایک اشرفی ایسے مقام پر خرچ کر دو جہاں تمھارا نام نہ لکھا جائے تو وہ ہرگز نہ دیں۔ حالانکہ اللہ تو جانتا ہے خواہ وہ نام لکھوائیں یا نہ لکھوائیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ریا اور شہرت کے سوا کچھ نہیں۔ ایک تو فرقہ ہے، جن کا مال تو حلال ہے اور انھوں نے اس سے مسجدیں بنائیں اور انھیں خوب آراستہ کیا۔ یہ بھی دو سبب سے دھوکے میں ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاید انھوں نے اپنے بھوکے پڑوسی کو نہ دیا ہو جب کہ وہ اس کا زیادہ مستحق تھا اور دوسرے یہ کہ وہ نمازیوں کو نقوش اور پھول بوٹوں میں الجھا کر نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا فریب ظاہر ہے کہ امرِ منکر کو امرِ معروف سمجھا۔ اس پر حضرت حسنؓ کی روایت دلیل ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب رسولِ خدا نے مسجدِ مدینہ بنانی چاہی تو جبریل آئے اور کہا "ساتھ ہاتھ لمبائی رکھو اور نقش و نگار نہ کرو"۔

خلاصہ یہ کہ جو کوئی کسی مسکین فقیر پر یا ایسے مقامِ خیر پر خرچ کرنا چاہتا ہے تو دیکھے آیا اس کا نفس اخفاء کو پسند کرتا ہے۔ اگر نہیں پسند کرتا تو شاید ریا یا شہرت چاہتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ جو کچھ آپ نے بیان کیا کہ یہ سارے گروہ دھوکے میں ہیں تو ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمھارا ارادہ درست ہوگا تو حیلوں سے خود خبردار ہو جاؤ گے۔ اول تو یہ بات ہے کہ یہ معاملہ ان لوگوں کے لیے آسان ہی ہے جنھیں اللہ توفیق دیتا ہے۔ کیونکہ جو ذات کانوں سے سونا چاندی نکال سکتی ہے، سمندر کی گہرائیوں سے مچھلیاں اوپر لا سکتی ہے اور پرندوں کو ہوا سے نیچے اتار سکتی ہے، وہ ایک ایسے کام سے جو ان سے کہیں آسان ہے عاجز نہیں ہو سکتی۔

جب انسان یہ جان لے گا کہ اعمال کو کیا چیزیں تباہ کرتی ہیں اور ریا، جاہ و شہرت کے بارے میں یقین کرے گا کہ موت ان سب پر پانی پھیر دے گی، نفس اور اس کی ذلت، رب اور اس کی عزت، دنیا اور آخرت سے واقف ہو جائے گا تو اللہ کے لیے کام کیوں نہ کرے گا اور اس کی آفات سے کیوں نہ بچے گا۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ اس کے بعد بھی کیا کوئی خدشہ ہے؟ تو میں کہوں گا، ہاں۔ شیطان کے مسلط ہو جانے کا خطرہ ہے کہ شیطان اس سے کہے تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ ان آفتوں سے بچ گیا اب تو لوگوں کو نصیحت کر اور خلق کی دعوت دے۔ یہ بھی شیطان کا ایک مکر ہے کہ جب انسان دنیا کی طرف سے جال میں نہیں پھنستا تو دین کی طرف سے آتا ہے۔ ہم وعظ و نصیحت کی شرائط بیان کر چکے ہیں۔ اگر وہ ان پر پورا اترتا ہے تو کر گزرے۔ انشاء اللہ توفیق خداوندی ساتھ دے گی۔

باب ۳۱

توبہ

اس بیان میں کئی فصلیں ہیں۔ یہ ربع منجیات سے ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ چند امور سے مرکب ہوتی ہے: علم، حال اور فعل۔ رہا علم وہ گناہوں میں پوشیدہ نقصانات کو جاننا ہے اور ان کا اعبد اور ہر محبوب کے درمیان حجاب ہونا ہے۔ جب یہ معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو دل میں ایک حال پیدا ہوتا ہے یعنی محبوب کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا خوف جسے ندامت کہنا چاہیے۔ جب یہ حال دل پر چھا جاتا ہے تو توبہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور تلافیِ مافات کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ لہٰذا توبہ فی الحال گناہ کے چھوڑنے، آئندہ نہ کرنے کے عزم اور تلافی مافات کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''ندامت توبہ ہے''۔ ندامت علم کے بعد ہی ہوسکتی ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

وجوبِ توبہ

عقل اس کے فضل پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ آیات و احادیث وجوبِ توبہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اے مومنو! اللہ سے توبہ کرو شاید فلاح پا جاؤ''۔ فرمایا، ''اے ایمان والو! خلوص سے توبہ کرو''۔ مزید فرمایا، ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، ''توبہ کرنے والا اللہ کا حبیب ہے اور توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس نے کچھ کیا ہی نہیں''۔ نیز فرمایا، ''اللہ توبہ کرنے والے سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے وہ شخص خوش ہوتا ہے جس کا کھانا پینا ایک اونٹنی پر رکھا ہو اور وہ ایسے جنگل میں ہو جہاں نہ پانی ہو نہ دانہ۔ سو کر اٹھا تو دیکھا اونٹنی ندارد، ہر طرف پھرا پتا نہ چلا جب بھوک سے مرنے لگا تو سوچا وہیں جا کر سو رہوں جہاں پہلے سویا تھا حتیٰ کہ مر جاؤں مگر جب آنکھ کھلی تو اپنی اونٹنی مع ساز و سامان کے پائی''۔

آئمہ کا وجوبِ توبہ کے بارے میں اجماع ہے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ توبہ واجب کیسے ہوسکتی ہے جبکہ وہ ندامت کا ثمرہ ہے جو دل میں ہوتی ہے اور اس پر کسی کا اختیار نہیں۔ میں جواب دوں گا کہ اس کا سبب تو اختیار میں ہے، یعنی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ علم

واجب ہے کیونکہ وہ توبہ میں داخل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بندہ اسے پیدا کرتا ہے بلکہ علم، ندمت، عمل، ارادہ اور قدرت، اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تمھارے اعمال کو بھی۔ یہ بات صاحبِ بصیرت لوگوں کے نزدیک حق ہے۔ اس کے علاوہ سب گمراہی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بندے کو فعل و ترک کا اختیار نہیں ہے؟ تو میں کہوں گا ہے۔ مگر یہ بات ہمارے قول کے مناقض نہیں ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اختیار بھی مخلوقِ الٰہی ہے اور بندہ اپنے اختیار میں مجبور ہے۔ دیکھو جب اللہ نے تندرست ہاتھ پیدا کیا، لذیز کھانا پیدا کیا اور معدہ میں شہوتِ طعام، قلب میں یہ علم پیدا کیا کہ یہ کھانا مسکنِ شہوت ہے، پھر مختلف قسم کے متعارض خیالات پیدا کیے کہ کھانا گو مسکن خواہش ہے مگر آیا اس میں مضرت ہے، اور آیا کوئی بات اس کے تناول سے مانع ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی علم پیدا کیا کہ اس کے کھانے میں کوئی مانع نہیں ہے تو ان اسباب کے اجتماع سے ارادہ تناول کو تقویت پہنچ جاتی ہے۔ یہ امور سنت الٰہی میں مرتب ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ دیکھو اللہ نے ہاتھ کی حرکت، منظم کتابت کے ساتھ پیدا نہیں کی جب تک اس میں صفتِ قدرت پیدا نہ کر دی، جب تک حیات پیدا نہ کر دی اور جب تک کہ ارادے کو پیدا نہیں کر دیا۔ پھر عزم بالجزم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ نفس میں خواہش کتابت پیدا ہو جائے اور یہ خواہش بغیر علم کے پیدا نہیں ہوسکتی کہ آیا یہ فی الحال یا انجامِ کار مفید ہے۔

علم کی تخلیق میں بغیر دوسرے اسباب کے نہیں ہوتی یعنی قدرت، ارادہ اور علم ہو تب کسی خالص علم کی تخلیق ہوتی ہے۔ علم اور میلانِ طبعی ہمیشہ عزم بالجزم کو لاتے ہیں اور عزم و قدرت ہمیشہ حرکت کو لاتے ہیں۔ ہر عمل میں یہی ترتیب ہے اور سب کچھ اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ مگر بعض ایک دوسرے کے لیے شرط ہیں۔ یہی سنتِ الٰہی ہے جو بندوں میں اور قضا و قدر میں جاری ساری رہی۔ یہ ترتیب کلی کبھی نہیں بدلتی۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ ''ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے''۔

منجملہ امورِ قضا و قدر کے دستِ کاتب میں حرکت کی تخلیق ہے مگر یہ قدرتِ قصد، علم اور ارادے کے بعد تخلیق پائی۔ جب یہ چاروں امور کسی بندے کے جسم میں جمع ہو جاتے ہیں تو عاملانِ قضا و قدر کہتے ہیں لکھ اور آواز آتی ہے، ''تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا''۔ ''ان کے ساتھ قتال کرو اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں سے انھیں عذاب دے گا''۔

یہ حال دیکھ کر علما حیران رہ گئے۔ بعض نے کہا جبر محض ہے، بعض نے کہا انسان خود اپنے افعال کا

موجد ہے اور بعض نے درمیانی راہ اختیار کی اور کہہ دیا کہ بندے کو کسب کا اختیار ہے۔ اگر ان لوگوں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں اور یہ عالم غیب وملکوت کی طرف دیکھ سکیں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ اپنے اپنے مقام پر ہر ایک سچا ہے مگر کمی ہر مسلک میں ہے۔ یہ بات اشراق نوری ہی سے واضح ہو سکتی ہے جسے بھی اللہ توفیق دے دے۔

جو شخص بھی سلسلہء اسباب ومسببات کو حرکت دے گا، ان کے تسلسل کی کیفیت کو دیکھے گا اور مسبب الاسباب کے ساتھ ان کے تعلق کو جانے گا اس کے لیے سرِ قدر کھل جائے گا اور یقینی طور پر جان لے گا سوائے خدا کے کوئی خالق نہیں ہے۔ اگر تم یہ سوال کرو کہ جبر وقدر وکسب کے قائل سب کے سب من وجہ سچے ہیں مگر من وجہٍ ناقص بھی ہیں تو یہ کیسے؟ میں جواب دوں گا کہ ہاں یہی بات ہے۔ میں ایک مثال سے اسے واضح کیے دیتا ہوں، اندھوں کی ایک جماعت نے سنا کہ ان کے شہر میں ایک عجیب جانور لایا گیا ہے جسے ہاتھی کہتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ انھوں نے یہ نام سنا تھا نہ اسے دیکھا تھا تو انھوں نے کہا ہم ضرور اسے چھو کر دیکھیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اسے چھو کر دیکھا۔ کسی کا ہاتھ پاؤں پر کسی کا دانت پر اور کسی کا کان پر پڑا۔ جب لوٹے باقی اندھوں نے دریافت کیا تو جس کا ہاتھ پاؤں پر پڑا تھا کہنے لگا کھردرا ستون جیسا ہوتا ہے مگر اس سے نرم۔ جس کا ہاتھ دانت پر پڑا تھا بولا نہیں ، بہت سخت ہوتا ہے نرم تو قطعاً نہیں ہوتا اور چکنا ہوتا ہے باکل کھردرا نہیں ہوتا ستون جیسا نہیں عمود جیسا ہوتا ہے۔ جس نے کان چھوا تھا بولا وہ تو چادر جیسا ہوتا ہے۔ دیکھو ہر شخص نے سچ کہا کیونکہ جہاں تک اس کی پہنچ ہوتی تھی اس نے بتا دیا مگر اس معاملہ میں ہر ایک نے غلطی کی کہ یہ سمجھ بیٹھا کہ اس کی رسائی کل تک ہو گئی ہے۔ اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو کیونکہ علماء کے اکثر اختلافات کا یہی حال ہے۔ اب ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں، ہم پیچھے وجوبِ توبہ کا مع اس کے تین اجزاء کا ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ توبہ کرنا فی الفور واجب ہے کیونکہ معاصی کا ترک ہمیشہ اور ہر وقت فرض ہے۔ اسی طرح اطاعتِ الٰہی بھی علی الدوام فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتُوْبُوْ عَلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا

"سب اللہ سے ڈرو" (النور:۳۱)

اس آیت سے تمھیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ توبہ علی العموم تمام انسانوں پر فرض ہے۔ اس لیے کہ گناہ سے کوئی بھی شخص خالی نہیں ہے۔ یا اعضاء سے گناہ کرتا ہے یا خواطرِ قلبی سے، ورنہ کم از کم اللہ سے غافل تو رہتا ہی ہے۔ اس غفلت سے بھی توبہ کرنا شانِ انبیا وصدیقین ہے اور ان لوگوں کی شان ہے

جو مجرد وجود بلا فائدہ کو گوارہ نہیں کرتے۔ رہے وہ اولیاء جن کے سینوں کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان کا ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں کہ اگر دنیا ومافیا کو ایک سانس کے مقابلہ رکھا جائے تو اس کی قیمت کو نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا وہ اپنے وقت کی حفاظت کرتے ہیں اور دوسرے لوگ غفلت میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں حتیٰ کہ جب موت آن دباتی ہے تو کہتے ہیں، "اے رب! مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں صادق العمل بن سکوں اور صالحین سے ہو جاؤں"۔ حالانکہ جب وقت آن پہنچتا ہے تو اللہ کسی کی موت کو موخر نہیں کرتے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جب پردہ اٹھ جاتا ہے تو انسان ملک الموت سے کہتا ہے اے ملک الموت! ایک دن کی مہلت دے دے تاکہ اپنے رب سے معذرت کر سکوں اور صالح عمل کو توشہ بنا سکوں۔ ملک الموت کہتا ہے تو نے سب دن ختم کر دیئے اب کوئی دن تیرے لیے نہیں ہے، تو وہ کہتا ہے اچھا ایک گھڑی ہی کی مہلت دے دے، وہ کہتا ہے گھڑیاں بھی تمام ہو چکیں اب کوئی گھڑی نہیں ہے۔ پھر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے تو اس کی روح گلے میں غرغراتی ہے، سانس پسلیوں میں پھنس جاتا ہے۔ تدارک نہ ہو سکنے کی وجہ سے ناامیدی کے گھونٹ پیتا ہے اور عمر کے ضائع کرنے پر ندامت کی حسرت سے مضطرب ہو جاتا ہے۔ خدا بچائے اس کے ایمان کی جڑ ان صدمات میں پھنس جاتی ہے جب روح نکلتی ہے اگر خدا کے ہاں اس کی کوئی نیکی ہے تو آسانی سے توحید پر جان نکلتی ہے۔ اسے حسن خاتمہ کہتے ہیں۔ اگر قضائے الٰہی اس کے لیے بدبختی کا فیصلہ کر چکی ہے تو روح شک و اضطراب کی حالت میں نکلتی ہے۔ اسے سوئے خاتمہ بولتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، "توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں حتیٰ کہ جب موت آ جاتی ہے تو کہتا ہے اب میں نے اللہ سے توبہ کر لی ہے"۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے، "توبہ اللہ کے ہاں ان لوگوں کے لیے ہے نادانی سے برائی کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں"۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ برائی کے بعد بھلائی کرتے ہیں تاکہ بھلائی برائی کو مٹا دے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

توبہ کب قبول ہوتی ہے

تم یہ جان چکے ہو گے کہ جس توبہ کے شرائط پورے ہو جاتے ہیں وہ قبول ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے نورِ بصیرت سے قرآن میں غور کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عنداللہ قلبِ سلیم مقبول ہے اور اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی باقی رہنے والی آنکھوں سے اللہ کے چہرے کو دیکھ سکے۔ انھیں یہ بھی معلوم

ہوا ہے کہ فطری طور پر ہر قلب، سلیم پیدا ہوتا ہے، مگر اس کی سلامتی گناہوں کی تاریکی سے جاتی رہتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ندامت کی آگ اس کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے اور نیکی کا نور، دل کے چہرے سے برائی کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اور یہ کہ ظلمتِ معاصی کی نورِ حسنات کے سامنے نہیں چلتی جس طرح کہ رات کی تاریکی نورِ نہار کے ساتھ باقی نہیں رہتی یا جیسے میل کی کدورت، صابن کی سپیدی کے سامنے نہیں ٹھہرتی۔ اسی طرح گناہ نورِ توبہ واستغفار وندامت کے سامنے نہیں ٹھہرتے مگر یہ کہ پناہ بخدا گناہ اپنی کثرت ودوام سے قلب کو برباد کر چکے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے، ''ہرگز نہیں بلکہ ان کے کاموں نے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے'' یا جیسے کہ اللہ فرماتا ہے، ''بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''۔ یہ بات کفار ومنافقین کے حق میں ہے۔ رہے مسلمان مسلمان سو ان کے لیے ایسا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک بھر جائیں پھر نادم ہو کر توبہ کر لو تو اللہ تمھاری توبہ قبول کر لے گا''۔

کن چیزوں سے توبہ کرنی چاہیے

توبہ ہر گناہ سے ضروری ہے۔ تم پیچھے صفاتِ مذمومہ کا ذکر اور جو اعمال ان سے پیدا ہوتے ہیں پڑھ چکے ہو۔ توبہ ہر صغیرہ وکبیرہ سے ضروری ہے۔ کہتے ہیں اگر کسی صغیرہ پر ندامت کی جائے تو وہ صغیرہ نہیں رہتا اور اگر کسی کبیرہ پر استغفار کیا جائے تو وہ کبیرہ نہیں رہتا۔ البتہ اگر کسی شخص کے حق کے بارے میں توبہ کی جائے تو وہ قبول نہیں ہوتی جب تک کہ فیصلہ اسی کے سپرد نہ کیا جائے جیسے قصاص مظالم، مختلف قسم کے تاوان اور حدِ قذف۔

جو شخص توبہ کرنا چاہتا ہے یا توبہ کرنا چاہتا تھا لیکن نہیں کر سکا تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ گاروں کے بارے میں جو آیات واحادیث آتی ہیں ان سے دل کو ڈرائے اور بتائے کہ فسق وفجور پر جو لوگ مرے ان کا کیا انجام ہوا یا جو لوگ توبہ کے بارے میں ٹال مٹول کرتے رہے انھیں کیا سزا ملی۔ دل کو سمجھائے کہ ہو سکتا ہے اسی دنیا میں سزا مل جائے تاکہ اگر دل عاقبت کی عقوبت سے اندھا ہو تو دنیا کی رسوائی سے ڈر جائے۔
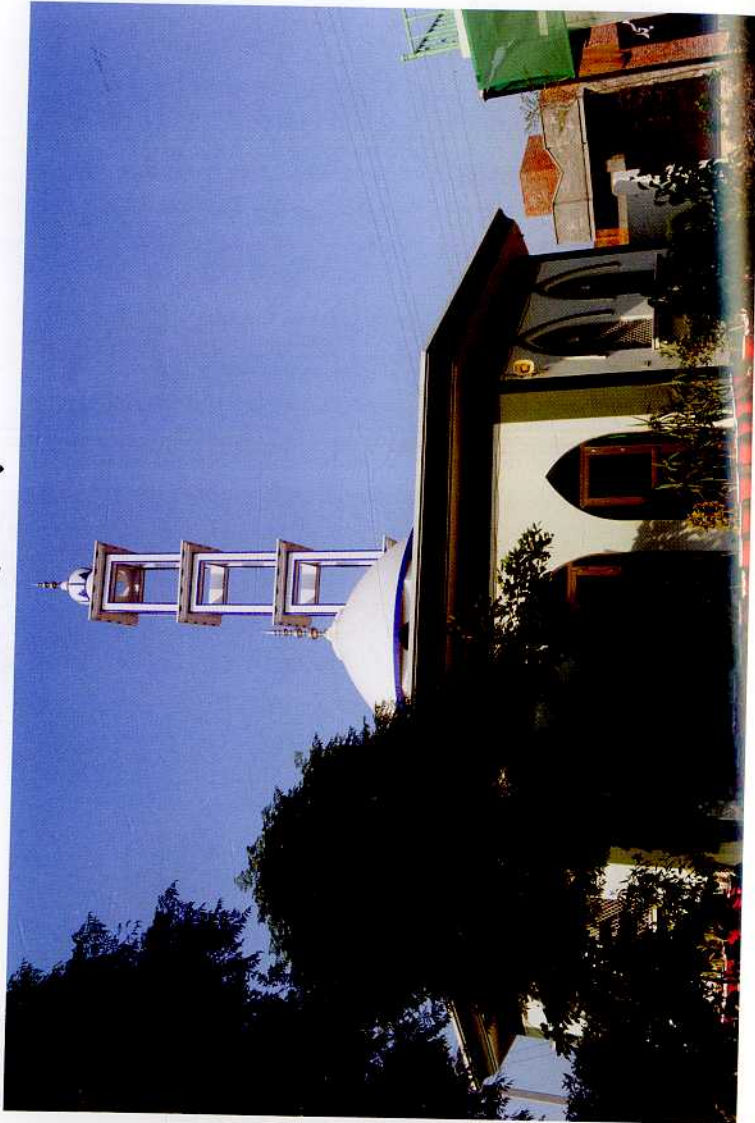
مسجد دارالحفیظ مدنی فیصل آباد

مسجد دارُالحفیظ مکہ سٹی فیصل آباد (اندرونی منظر)

دارُالحفیظ کالج فیصل آباد

باب ۳۲

صبر و شُکر

احادیث کے مطابق ایمان کے دو حصّے ہیں، نصف صبر اور نصف شُکر۔ صبر کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،'' جب انھوں نے صبر کیا تو ہم نے انہیں آئینہ ہدایت بنا دیا''۔ نیز فرمایا،'' صبر کی بنا پر بنو اسرائیل پر تمھارے رب کا کلمہء حُسن پورا ہو گیا،،۔ ایک اور مقام پر فرمایا،'' البتہ ہم ان لوگوں کو جزا دیں گے جنھوں نے صبر کیا''۔ رسول اللہ ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا صبر و نرم خلق۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے،'' صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے''۔

حقیقتِ صبر

صبر، علم، حال اور عمل سے مرکب ہے۔ علم درخت کی مانند ہے، حال شاخیں اور عمل اس کا پھل ہے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ مصلحتِ دین صبر میں ہے۔ واس سے قوت اور داعیہء صبر پیدا ہو جاتا ہے۔ صبر یا تو کسی عبادت کے بارے میں ہوتا ہے یا شہوت کے بارے میں۔، بہر حال وہ صبر ہی کی ایک نہ ایک قسم ہوتی ہے۔ مباح چیزوں کے بارے میں بھی حدِ اعتدال سے نہیں گزرنا چاہیے۔

عبادت پر صبر کا یہ طریقہ ہے کہ سوچے چند دن صبر کرے گا تو ابدالآباد تک سعادت پائے گا۔ عبادت کے اظہار اور ریا سے بھی صبر کرے۔ سب سے بڑا صبر شہوتوں سے رُکنا ہے جیسا کہ پہلے بیان گزرا۔

جن باتوں پر صبر ضروری ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص قول یا فعل سے کسی قسم کی جناحت کرے تو اس پر صبر کرے۔ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم کسی شخص کو اس وقت تک ایمان دار نہ سمجھتے تھے جب تک کہ وہ ایذا پر صبر نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:'' البتہ ہم صبر کریں گے تمھاری ایذا رسانی پر اور اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں''۔ صبر کبھی نفسِ فعل پر ہوتا ہے، کبھی اس کے برداشت کرنے پر اور کبھی بدلہ پر اور اسی سے تکمیلِ ایمان ہوتی ہے۔ صبر کی دوسری قسم وہ ہے جو بغیر ہمارے اختیار کے مصیبتیں آن پڑتی ہیں ان پر کیا جاتا ہے جیسے، بیماریاں، بصارت کا زوال، فسادِ اعضاء اور اموتِ اعزاء۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ قرآن میں صبر کی تین صورتیں ہیں، اول اللہ کیلئے ادائے فرائض پر صبر، اس کے تین سو درجے ہیں؛ دوم محارم الٰہی پر صبر، اس کے چھ

سَو درجے ہیں اور سوم صدمہ ءادنیٰ پر صبر، اس کے نوسو درجے ہیں۔ کہتے ہیں صبر جمیل یہ ہے کہ مبتلائے مصیبت کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہ چلے مگر یہ بات طویل مدت کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

شکر کی فضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ اللہ نے اس کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے، کہ ذکر الٰہی سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،'' مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''

اور فرمایا'' میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو''۔ نیز فرمایا،'' عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا''۔ فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں۔ احادیث میں ہے،شکر گزار کھانے والا، صائمِ صابر جیسا ہے۔،، شکر یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو منعم نہ جانے۔ پھر جب تمھیں نعمتِ الٰہی کی تفصیل معلوم ہو جائے گی کہ اس کے اعضاء، جسم اور روح میں کیا کیا نعمتیں رکھی ہیں تو دل میں اللہ کی طرف سے انبساط پیدا ہوگا، اس کی نعمت و فضل پر خوشی ہوگی اور پھر عمل کرنے کو جی چاہے گا۔ شکر، دل، زبان اور تمام اعضاء سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ دل کے ساتھ شکر کرنے کی یہ صورت ہے کہ ساری مخلوق کے لئے بھلائی کا خیال رکھے اور ذکرِ الٰہی میں بھی اس بات کا خیال رکھے۔ زبان سے شکر کی صورت ہے کہ از قسمِ حمد کلمات ادا کرے اور اعضاء کے ساتھ شکر اس طرح ہوتا ہے کہ الٰہی نعمتوں کو اس کی طاعت میں صرف کرے اور اس کی نعمت کی مدد سے معصیت سے بچے۔ آنکھ کا شکر یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی عیب کرتے دیکھو تو اس پر پردہ ڈال دو اور اس کے گناہوں اور خامیوں کی طرف نہ دیکھو۔ کانوں کا شکر یہ ہے کہ جو بُری بات سنو اسے چھپا لو اور وہی باتیں سنو جن کا سننا تمھارے لئے جائز ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے ایک شخص سے دریافت فرمایا، صبح کیسی ہوئی؟ بولا خیریت سے۔ پھر سوال کیا تو اُس نے ہی جواب دیا حتیٰ کہ تیسری بار میں کہا، خیریت سے گزری خدا کی تعریف کرتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں یہی تو کہلوانا چاہتا ہے۔ جس کسی سے بھی کوئی سوال کیا جاتا ہے تو اس کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں یا شکر کرے تو اللہ کا فرمانبردار ہو یا شکوہ کرے تو اس کا گنہگار ہو۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ شکر کا کیا مطلب ہے۔ جبکہ شکر کی توفیق بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے، تو میں کہوں گا یہ سوال حضرت داؤ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانوں پر بھی آیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا پروردگار میں کیسے تیرا شکر ادا کر سکتا ہوں جبکہ میں ہر نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ اگر یہ بات تجھے کھٹکی ہے تو تُو نے میرا شکر ادا کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے، جب تو یہ پہچان گیا کہ ساری نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں تو میں

تیرے شکر سے راضی ہو گیا۔ اگر آپ کہیں یہ جواب میری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ علم ایک تیسری نعمت ہے تو میں کہوں گا یہ بابِ توحید کی ایک شاخ ہے کہ شاکر و مشکور، محبّ و محبوب سب ایک ہے اور اللہ کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ ہر شے اس کے علاوہ ہلاک ہونے والی ہے۔ ہ بات ازلی و ابدی صداقت ہے اس لئے کہ وجود میں سوائے اللہ کے کوئی چیز نہیں ہے جو قائم بالذات ہو۔ قائم بالذات وہی ہے اور اس کے ماسوا اُسی سے قائم ہیں۔ وہی حیّ و قیوم ہے، لہٰذا وجود میں سوائے حی و قیوم کے کچھ بھی نہیں ہے۔

اس لئے وہی شاکر وہی شکور وہی محبّ اور ہی محبوب ہے۔ حضرت حبیب بن ابی حبیبؒ کی نگاہ اسی طرف گئی کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا،'' ہم نے اسے صابر پایا، وہ اچھا بندہ ہے بے شک وہ رجوع لانے والا ہے،، تو کہا،'' واہ دیا بھی اور ثنا بھی کی،،۔ مطلب یہ کہ جب اپنی عطا پر اس نے ثنا کی تو وہی ثنا خواں ہے اور وہی ممدوح۔ اسی طرح شیخ ابو سعید یہنیؒ کی نظر گئی کہ جب ان کے سامنے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) کی تلاوت کی گئی تو فرمایا،'' قسم میری عمر کی ہے ان سے محبت کرتا ہے، اسے محبت کرنے دو، وہ محبت میں سچا ہے کیونکہ اپنے ہی آپ سے محبت کرتا ہے''۔ اس سے انھوں نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ وہی محبّ ہے اور وہی محبوب۔ یہ ایک بڑا بھاری مرتبہ ہے جو تمھاری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ البتہ تمھاری عقل کے مطابق ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ دیکھو تمھیں معلوم ہے کہ مصنف جب اپنی تصنیف سے محبت کرتا ہے تو گویا اپنے آپ سے محبت کرتا ہے، اسی طرح جب صانع اپنی صنعت سے محبت کرتا ہے تو خود سے محبت کرتا ہے، باپ جب اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے تو اپنے ہی نفس سے محبت کرتا ہے۔ عالمِ وجود میں جو کچھ بھی ہے تصنیف الٰہی ہے تو اگر وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اپنے آپ ہی سے محبت کرتا ہے۔ نگاہِ توحید ایسا ہی دیکھتی ہے۔ اس کی طرف صوفیا نے اس قول میں اشارہ کیا ہے،'' جب میں اپنے نفس سے فنا ہو گیا اور غیر اللہ سے بھی تو سوائے اللہ کے کچھ نظر نہ آیا،،۔ لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے تو مذاق اڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں کیسے فنا ہو گیا حالانکہ اسکے سائے کی لمبائی اسی قدر ہے اور دن رات میں سیروں کھانا کھا جاتا ہے۔ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر ہنستے ہیں۔ عاف وہی ہے جس پر جاہل ہنسیں۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے،'' مجرم لوگ مومنوں پر ہنستے ہیں،،۔ پھر فرمایا،'' آج کے دن مومن کفار پر ہنسیں گے''۔

اب ہم اصل بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔ شکر، نعمت کے ایسے استعمال کو کہتے ہیں جس کے لئے وہ

پیدا کی گئی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ کسی بادشاہ نے اپنے غلام کے پاس ایک گھوڑا تمام سازوسامان کے ساتھ سواری کے لئے بھیجا تاکہ وہ حاضرِ بارگاہ ہو۔ اگر وہ اس گھوڑے کو جس کام کے لئے بھیجا گیا ہے استعمال کرتا ہے تو یہ نعمت کا برمحل استعمال ہے اور اگر اس پر سوار ہو کر بادشاہ سے دور بھاگ گیا تو یہ کفرانِ نعمت ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۳

اُمید و بیم

معلوم ہونا چاہئے کہ اُمید سالکوں کے مقامات اور طالبوں کے احوال سے ہے۔ جب تک کوئی وصف کبھی آتا ہے اور کبھی جاتا ہے تو یہ حال ہے اور اگر راسخ ہو جاتا ہے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ اگر ہونے والی بات ایسی ہو کہ اس سے دل کو خوشی پہنچے تو یہ اُمید ہے اور اگر غم پہنچے تو خوف ہے۔ اُمید انتظارِ محبوب و مطلوب میں نشاطِ قلبی کا نام ہے، مگر اس کا کوئی سبب ہونا چاہئے۔ اگر اکثر اسباب موجود ہیں تو یہ اُمید ہے اور اگر انقطاع اسباب کے باوجود انتظارِ مطلوب ہے تو یہ دھوکا ہے اور اگر دونوں جانبیں برابر ہیں تو یہ تمنا ہے۔ اربابِ قلوب جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دل زمین کی مانند ہے، ایمان تخم اور عبادتیں پانی اور کھاد وغیرہ کی طرح ہیں۔ وہ دل جو دنیا میں ڈوبا ہوا ہے سنگلاخ زمین کیطرح ہے جس میں تخم نہیں اُگتا۔ قیامت کا دن کھیتی کاٹنے کا دن ہے۔ جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔ کوئی کھیتی بغیر ایمان کے تخم کے نہیں اُگ سکتی۔ ایمان، خباثتِ قلبی اور سوائے اخلاق کے ہوتے ہوئے بہت کم اُگتا ہے۔ اسی طرح جیسے سنگلاخ زمین میں بیج نہیں اُگتا۔ جس شخص کے لئے سارے اسباب جمع ہو جائیں مثلاً عمدہ زمین، پانی، کھاد وغیرہ پھر وہ زمین کو آباد کرنے والی پاک کر کے عمدہ بیج ڈال دے اور کھیتی کاٹنے کا انتظار کرے اس اُمید پر کہ اللہ بجلیوں اور آفاتِ مفسدہ سے اُسے بچائے رکھے گا تو وہ اُمید کوئی وجہ رکھتی ہے۔ لیکن جو سنگلاخ زمین میں تخم ریزی کرتا ہے جہاں پانی بھی میسر نہیں تو اس کی اُمید دھوکا ہے۔ اگر تخم ریزی اچھی زمین میں کی لیکن پانی نہ دیا اور بارش کے بھروسہ بار آور ہونے کا انتظار کرتا رہا تو یہ تمنا ہے۔ ان مثالوں سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جس شخص نے قلب میں ایمان بویا، طاعت کے پانی سے اُس سیراب کیا اور دل کو خباثتوں سے پاکیزہ کیا اس طرح کہ زمین کو کانٹوں اور گھاس س صاف کیا جاتا ہے تو اسے اُمید رکھنا جائز ہے اور اس کے بغیر تمنا اور دھوکا ہے۔ اسی کی طرف رسُول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا، ”عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو زیر کیا اور موت کے بعد کے لئے عمل کیا اور احمق وہ ہے، جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور اللہ سے آرزوئیں وابستہ کر لیں“۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو کتاب کے وارث ہوئے مگر دنیا کے سامان کے پیچھے پڑ گئے اور کہتے ہیں کہ ہمیں بخش دیا جائے گا“۔ اللہ نے بتا دیا کہ ایسی اُمید بے اصل

ہے کیونکہ اس سے پہلے وہ کچھ نہیں کیا گیا جو کیا جانا چاہئے تھا۔حضرت زید الخیلؓ کی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔انھوں نے رسُول اللہ ﷺ سے کہا، میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جانوں اس امر کی کیا علامت ہے کہ اللہ کن لوگوں کو چاہتا ہے اور کن لوگوں کو نہیں چاہتا؟ آپ نے دریافت فرمایا آج تم نے کس حالت میں صبح کی؟ عرض کی میں نے بھلائی اور اہلِ خیر پر نظر رکھی او جب بھی کسی بھلائی پر قادر ہوا اُس کی طرف سبقت کیا اور اس کے ثواب پر یقین رکھا۔ اگر میں اسے حاصل نہ کر سکا تو غم کیا اور اس کی طرف اشتیاق کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ علامت ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جنہیں اللہ چاہتا ہے اور اگر وہ دوسری بات چاہتا تو اس کی تجھ میں استعداد پیدا کر دیتا پھر پرواہ بھی نہ کرتا کہ تو کس وادی میں ہلاک ہوا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کی نشانی بتا دی جن کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ کیا اور وہ اس سے اُمید رکھ سکتے ہیں۔

اُمید کی فضیلت

اُمید پر عمل کرنا خوف پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ بندوں میں جو اللہ سے زیادہ قریب ہیں وہ اسے زیادہ محبوب ہیں اور محبت اُمید پیدا کرتی ہے اور محبوب بناتی ہے اور خوف فرار کا سبب ہوتا ہے۔ اسی کی طرف رسُول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا،"تم میں سے جب بھی کوئی مرے تو اللہ کے ساتھ حسنِ ظن رکھے"۔آپ ﷺ ایک شخص کے پاس حالتِ نزع میں پہنچے تو سوال کیا،، تو اپنے آپ کو کیسا پاتا ہے؟ کہنے لگا گناہوں سے ڈر رہا ہوں اور رحمتِ رب کی اُمید کر رہا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ایسے وقت جس انسان کے دل میں یہ دونوں جمع ہوں تو اللہ اسے اس کی اُمید دیتا ہے اور خوف سے مامون کر دیتا ہے۔

علاج

جس شخص پر یاس کا غلبہ ہو حتیٰ کہ وہ بالکل ہی نا اُمید ہو جائے یا خوف کا غلبہ ہو جائے تا آنکہ وہ اپنے اور اپنے خاندان کے واسطے باعثِ ضرر بن جائے تو یہ دونوں باتیں علاج طلب ہیں اور گر کسی پر اُمید کا غلبہ ہو جائے تو اس کے حق میں رجاء سم قاتل ہے۔ گویا یہ شہید ہیں کہ اگر غلبہ برودت (ٹھنڈے مزاج) والے کو دے دیا جائے تو وہ شفا پا جائے اور اگر غلبہ حرارت والے کو دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے۔جس شخص پر تمناؤں اور آرزؤں کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ خوب گناہ کرتا ہے۔ایسے کا

علاج خوف سے کیا جائے اور جس پر خوف غالب ہو اس کا علاج اُمید سے کیا جائے ہر ایک کا اس کی حالت کے مطابق علاج کیا جائے گا۔حضرت علیؓ نے فرمایا،"عالم وہ ہے جو اللہ کی رحمت سے لوگوں کو مایوس نہ کرے اور انہیں خدا کی گرفت سے بے خوف نہ کرے"۔چونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں لہذا وہ طبیبِ قلوب ہیں۔ہر مریض کا مناسب علاج کرتے ہیں۔اُمید کے لئے نافع دوا یہ ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ اللہ نے اسے کیا کیا نعمتیں عطا کی ہیں۔صحت جسمانی اور سلامتی اعضاء دی، پھر ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے اور اصلاح کے لئے طرح طرح کی غذائیں، مشروبات اور دوائیں پیدا کیں۔اسباب رجاء کی تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے،"اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے نفوس پر زیادتی کی ہے میری رحمت سے نا اُمید نہ ہو بے شک اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔نیز فرمایا،"فرشتے پروردگار کی حمد کرتے ہیں اور اہل زمین کیلئے استغفار کرتے ہیں"۔فرمایا،" ان کے اُوپر اور نیچے آگ کے سائے ہیں، ان سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے"۔اس آیت میں صاف کہہ دیا کہ اللہ مومنوں کو آگ سے ڈراتا ہے مگر وہ کافروں کے لئے ہے اور انھیں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،"میری اُمت، اُمتِ مرحومہ ہے، اسے آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا،،۔اس بارے میں بہت سی آیات وا حادیث وارد ہوئی ہیں۔ایک طویل حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک بدو نے رسولِ خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا۔فرمایا اللہ! اس نے دریافت کیا، کیا وہ خود حساب لے گا! آپ ﷺ نے جواب دیا ہاں! تو بدو مسکرا دیا، رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا اے بدو! تو کیوں ہنسا؟ وہ بولا، جب کوئی کریم قادر ہوتا ہے تو معاف کرتا ہے اور حساب لیتا ہے تو چشم پوشی کرتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا بدو نے سچ کہا، سنو اللہ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں، وہ اکرام الاکرامین ہے۔پھر فرمایا، یہ بدو فقیہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے"۔

خوف

خوف ورجاء دو مہار کی مانند ہیں جو ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں پر جمالِ الٰہی ظاہر نہیں ہوا۔جس نے اپنے قلب سے اس کے جمال کو دیکھ لیا، وہ خوف ورجا سے بلند ہو جاتا ہے۔حضرت واسطیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے،"خوف اللہ اور عبد کے درمیان حجاب ہے۔جب حق کا طباع پر ظہور ہوتا ہے تو خوف ورجاء کی بنا پر کسی بھی فضیلت کو اختیار نہیں کرتیں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب محبّ جمالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے تو خوفِ فراق کا ڈر وصل کو برباد کر دیتا ہے۔مگر ہم تو ابتدائی حالات سے بحث کر رہے ہیں، لہذا جلبِ خوف کے طریقے بیان کرتے ہیں۔

جو آیتیں اور احادیث شدتِ عذاب وحساب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں غور کرنا چاہئے اور جلالِ خداوندی کی نسبت سے اپنے نفس کے حال پر بھی نظر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''یہ جنت کے لئے ہیں اور مجھے پرواہ نہیں اور وُہ آگ کے لئے ہیں اور مجھے پرواہ بھی نہیں''۔اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ ترک اوامر اور ارتکابِ مناہی سے انسان عذابِ الیم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اگر سارے عالم کو بھی ہلاک کر دے تو پرواہ نہیں کرے گا۔ دیکھو سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں، ''میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی بھیجی، ''اے داؤد! مجھ سے ڈر جیسا کہ تو پھاڑنے والے درندے سے ڈرتا ہے اور درندے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ تمھیں پھاڑ دے تو پرواہ نہ کرے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے''۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ

جو لوگ کرتے ہیں جو کچھ انھوں نے کیا درآنحالیکہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں
(المومنون:۶۰)

کے مصداق کیا زانی وسارق جیسے لوگ ہیں؟ فرمایا، ''نہیں بلکہ وہ جو روزہ رکھتا ہے، صدقہ دیتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور عدم قبولیت سے ڈرتا ہے''۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا، ''جو بھی مومن بندہ خشیت الٰہی سے ڈرتا ہے اللہ اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے اگرچہ اس کا آنسو مکھی کے منہ کے برابر ہوں''۔

پیغمبروں کا خوف

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی یا ہوا کا رنگ بدل جاتا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا، کھڑے ہو جاتے اور اپنے حجرے میں پریشانی سے کبھی اندر آتے کبھی باہر جاتے، یہ سب کچھ خوفِ الٰہی سے ہوتا تھا۔ اک دفعہ آپ نے سورۃ الحاقہ کی ایک آیت پڑھی تو بے ہوش ہو گئے۔ دیکھو اللہ فرماتا ہے: وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے بطحاء میں جبریلؑ کی صورت کو دیکھا تو بے ہوش ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''جب بھی جبریلؑ میرے پاس آئے تو خوفِ الٰہی سے کانپتے ہی آئے''۔ کہتے ہیں جب ابلیس کو اپنا حال معلوم ہو

گیا تو جبریل و میکائیل رونے لگے۔ اللہ نے وحی بھیجی کیوں روتے ہو؟ وہ کہنے لگے پروردگار ہم تیرے انتقام سے ڈرتے ہیں۔ اللہ نے کہا، ہاں تم اسی طرح ڈرتے رہنا بے خوف نہ رہنا۔ حضرت ابوالدرداؓ فرماتے ہیں، ''جب ابراہیم خلیل اللہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو خوف سے ان کے سینے کی آواز ایک میل سے سنائی دیتی تھی''۔ حضرت مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام چالیس دن تک سجدے میں اس طرح روئے کہ سجدے سے سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی اور اتنی بڑی ہو گئی کہ ان کے سر پر چھا گئی۔ آواز آئی اے داؤد! کیا تو بھوکا ہے کہ کھانا کھلایا جائے یا پیاسا ہے کہ سیراب کیا جائے یا ننگا ہے کہ کپڑا پہنایا جائے؟ حضرت داؤدؑ نے یہ سنا تو ایسی گرم آہ کھینچی کہ لکڑی تک جل گئی۔ تب اللہ نے ان کی توبہ واستغفار کو قبول کیا، انھوں نے عرض کیا اے پروردگار! میرے گناہ میری ہتھیلی پر رکھ دے چنانچہ ان کی ہتھیلی پر گان کی خطائیں لکھ دی گئیں۔ جب بھی کھانے پینے وغیرہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو لکھے کو دیکھتے اور رو پڑتے''۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، ''آپ کے سامنے پیالہ لایا جاتا جس میں دوثلث پانی ہوتا تو پیالہ لیتے تو ہوئے اپنی خطاؤں کو دیکھتے اور پیالہ منہ سے نہ لگاتے جب تک کہ آنسو نہ بہا لیتے''۔ حضرت داؤدؑ ہی کے بارے میں روایت ہے کہ جب بھی آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو خدا سے شرما کر مر جاتے۔ اپنی مناجات میں فرمایا کرتے تھے، ''پروردگار! جب بھی خطاؤں کو یاد کرتا ہوں تو وسعت کے باوجود زمین تنگ معلوم ہی ہے اور جب تیری رحمت کو یاد کرتا ہوں تو میری روح لوٹ آتی ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ اے اللہ! میں تیرے طبیب بندوں کے پاس گیا

تا کہ میری خطاؤں کا علاج کریں تو ہر ایک نے تیری ہی طرف اشارہ کیا۔ تباہ ہو جائیں جو تیری رحمت سے نااُمید ہیں''۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ ایک دن حضرت داؤدؑ نے اپنی خطاؤں کو یاد کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آنے کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر پہاڑوں کی طرف بھاگے۔ درندے ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے فرمایا، لوٹ جاؤ میں تمھیں بلانا نہیں چاہتا میں تو پنے گناہ پر رونا چاہتا ہوں، اگر تم میں کوئی خطا کار ہے تو آئے اور روئے اور اگر خطا کار نہیں تو داؤد کو اپنی خطا پر رونے دو''۔ کثرت گریہ وزاری پر آپ کے دوست احباب آپ کو ٹوکتے تو فرماتے، ''مجھے رونے دو اس سے پیشتر کہ رونے کا دن نکل جائے، قبل ازیں کہ ہڈیاں جلائی جائیں، پیٹ میں آگ بھر دی جائے، سخت گیر ملائکہ کو میرے بارے میں حکم دیا جائے اور وہ کریں جو انھیں حکم دیا جائے گا کیونکہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، ''جب حضرت داؤدؑ نے خطا

کی تو آواز خراب ہوگئی۔ کہنے لگے الٰہی صدیقین کی آوازوں کے طفیل میری آواز درست کردے''۔
روایت ہے کہ جب وہ بہت روئے اور رونے سے کچھ فائدہ معلوم نہ ہوا تو بڑے تنگدل اور غمگین ہو گئے، کہنے لگے، اے پروردگار! تجھے رونے پر رحم نہیں آتا؟ اللہ نے وحی بھیجی اے داؤد! اپنی خطا کو بھول گیا اور اپنے رونے کو یاد رکھا تو وہ بولے، میں اپنی خطا کو کیسے بھول سکتا ہوں، میں جب بھی زبور کی تلاوت کرتا ہوں تو بہتا پانی بھی ٹھہر جاتا ہے، ہوا بھی رُک جاتی، پرند میرے سر پر جمع ہوجاتے اور وحشی جانور میری محراب کے اردگرد آجاتے۔ الٰہی! یہ کیا میرے تیرے درمیان فاصلہ سا پیدا ہوگیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی! اے داؤد! وہ طاعت کی اُنسیت تھی اور یہ خطا کی وحشت ہے۔ اے داؤد! آدم کو میں نے پیدا کیا، اپنے ہاتھ سے بنایا، اپنی روح پھونکی، اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا، اپنی کرامت کا لباس پہنایا، اپنے وقار کا تاج اوڑھایا، وہ مجھ سے تنہائی کی شکایت کرنے لگا تو میں نے اپنی باندی حوا سے اس کی شادی کردی، اپنی جنت میں جگہ دی۔ مگر جب اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اُسے عریاں کر کے اپنے جوار سے دور کردیا، اے داؤد! میں سچ کہتا ہوں تو نے ہماری اطاعت کی، ہم نے تیری اعانت کی، تو نے سوال کیا ہم نے دیا، تو نے خطا کی تو ہم نے مہلت دی، اب تو اُسی حالت پر لوٹ آئے گا تو ہم تمھیں قبولیت سے سرفراز کریں گے۔ حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ کہتے ہیں،'' مجھے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام جب رونے کا ارادہ کرتے تو سات دن پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا چھوڑ دیتے پھر ایک دن پہلے ان کا منبر نکالا جاتا اور سلیمان کو حکم دیتے کہ بلند آواز سے پکاریں اس طرح کہ سارے شہروں جھاڑیوں پہاڑیوں اور خشکی میں آواز پہنچ جائے۔ چنانچہ درندے جھاڑیوں سے، حشرات الارض پہاڑوں سے، پرند آشیانوں سے اور کنواریاں پردوں سے نکل آتیں۔ لوگ اس دن جمع ہوتے، حضرت داؤدؑ آتے، منبر پر چڑھتے، سارے بنواسرائیلی اردگرد ہوتے، ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ پر ہوتا، حضرت سلیمانؑ کھڑے ہوکر حمد باری شروع کرتے تو سب چیخ چیخ کر رونے لگتے۔ پھر جنت دوزخ کا ذکر کرتے تو حشرات الارض درندے اور وحشی جانور مرجاتے۔ پھر قیامت کے دن کا ہول کا ذکر کرتے اور رونے لگتے تو بقیہ حیوانات بھی مرجاتے''۔ جب حضرت سلیمان علیہ الاسلام ہر طرف مردے ہی مردے دیکھتے تو کہتے، اے باپ! آپ نے سننے والوں کو پارہ پارہ کردیا، بنواسرائیل کے بہت سے لوگ مرگئے اور وحشی جانور و حشرات الارض بھی۔ لہٰذا وہ دعا کرنے لگتے ہیں وہ اسی حالت میں ہوتے ہیں کہ بنواسرائیل کے بعض عابد و زاہد لوگ کہتے، اے داؤد آپ نے طلبِ جزا میں جلدی کی۔ حضرت داؤد علیہ الاسلام غش کھا کر گر پڑتے۔ حضرت سلیمانؑ یہ

دیکھتے تو چارپائی پر انھیں لٹا کر لے جاتے۔ پھر منادی کو حکم دیتے کہ پکار کر کہے جو لوگ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ ذِکر جنت و نار سے مرچکے ہیں۔ جس کا کوئی قریبی ہو چارپائی لائے اور اٹھا کرلے جائے۔ عورتیں اپنے عزیزوں کے لئے چارپائیاں لاتیں اور اٹھوا کر لے جاتیں اور پکارتیں جاتیں، اے وہ جسے ذِکر نار نے مار ڈالا وہ جسے خوف الٰہی نے قتل کردیا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام ہاتھ سر پر رکھتے اور عبادت خانے میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیتے۔ پکارتے، اے داؤد کے پروردگار! کیا تو ناراض ہے؟ برابر مناجات میں لگے رہتے حتٰی کہ حضرت سلیمانؑ آتے اور دروازے پر بیٹھ جاتے، اجازت طلب کرتے تو پھر داخل ہوتے۔ ان کے ساتھ جو کی ایک روٹی ہوتی تھی۔ عرض کرتے اے باپ! اس سے طاقت حاصل کر لیجئے، وہ جتنی چاہتے کھا لیتے پھر بنواسرائیل کی طرف نکلتے۔ یزید رقاشی کہتے، اک دن داؤد لوگوں کو نصیحت کرنے کے لئے برآمد ہوئے کوئی چالیس ہزار آدمی تھے جن میں تیس ہزار مر گئے۔ صرف دس ہزار کے ساتھ آپ لوٹے۔ آپکی دو باندیاں تھیں جب وہ خوف سے گر پڑتے اور مضطرب ہوجاتے تو وہ دونوں آپ کے سینے اور پیروں پر بیٹھ جاتیں تاکہ آپ کے اعضاء منتشر نہ ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک پرندے سے فرمایا،'' کاش میں تجھ جیسا ہوتا اور انسان نہ ہوتا''۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا،'' کاش میں درخت ہوتا''۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ نے فرمایا،'' کاش میں مرجاتا تو اٹھایا نہ جاتا''۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،'' کاش میں بالکل ملیامیٹ کردی جاتی''۔ حضرت عمرؓ کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ آپؓ فرماتے ہیں،'' جو اللہ سے ڈرا، بابرکت ہوا، جس نے اللہ کے لئے تقوٰی اختیار کیا، خواہشات کو چھوڑا اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو معاملہ دگرگوں ہوتا''۔ حضرت علیؓ نے ایک دن نمازِ فجر کا سلام پھیرا آپ بڑے غمگین سے تھے۔ فرمایا،'' میں نے اصحاب محمدؐ کو دیکھا ہے، آج ان جیسی ایک بات بھی نہیں پاتا ہوں،۔ وہ لوگ صبح کرتے تو زرد رو ہوتے، پراگندہ بال غبار آلودہ ہوتے، ان کی آنکھوں کے درمیان بھیڑوں کے گھٹنوں کے سے گھٹے پڑے ہوتے، رات بھر اللہ کے لئے سجدہ و قیام کرتے، کتاب اللہ کی تلاوت کرتے، صبح کرتے تو اللہ کو یاد کرتے اور ایسے نشاط والے ہوتے جیسے درخت کی شاخ ہوا میں ہلتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تو دامن تر ہوجاتے۔ خدا کی قسم اب تو گویا میں ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں جو غفلت میں رات گزارتے ہیں''۔ پھر آپ چلے گئے اور اس کے بعد آپ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا گیا حتٰی کہ ابنِ ملجم نے آپ کو شہید کردیا۔

حضرت عمرؓ جب کبھی کوئی آیت سنتے تو غش کھا کر گر جاتے اور کئی کئی دن بیمار رہتے۔ ایک دن

زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہنے لگے،'' کاش مجھے میری ماں جنم نہ دیتی، کاش میں بالکل ہی بھلا دیا جاتا''۔حضرت علی بن حسینؓ جب وضو کرتے تو رنگ زرد پڑ جاتا۔ان کے گھر والوں نے پوچھا وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ تو فرمایا تمھیں معلوم نہیں میں کس ذات کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔روایت ہے کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کو لوگوں نے عرفہ کے دن دیکھا کہ اس طرح رو رہے تھے جیسے کسی غمزدہ ماں کا بچہ مرگیا ہو۔حتٰی کہ جب سورج غروب ہونے لگا تو داڑھی پکڑ کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر فرمایا،'' میں کس قدر بخت ہوں اگر چہ تو مجھے بخش دے''۔پھر لوگوں کے ساتھ وہاں سے واپس چلے آئے۔حضرت ابن عباسؓ سے خائفین (ڈرنے والے) کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا،'' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل خوف سے زخمی اور آنکھیں اشک بار ہیں''۔کہتے ہیں،''ہم کیسے خوش ہوں جب کہ موت ہمارے پیچھے ہے، قبر سامنے، قیامت موعد، جہنم راستہ اور رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے''۔
حضرت حماد بن عبداللہؒ جب بیٹھتے تو دونوں قدموں پر بیٹھے رہتے۔لوگ کہتے اطمینان سے بیٹھئے، فرماتے، اس طرح تو بے خوف لوگ بیٹھتے ہیں، میں تو بے خوف نہیں ہوں جب کہ پروردگار کی نافرمانی کر چکا ہوں۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ غفلت اللہ کی رحمت ہے ورنہ وہ خوفِ خدا سے مرجاتے۔روایت ہے کہ ایک انصاری لڑکا آگ کے خوف ڈر گیا۔رسول اللہ ﷺ گئے اور اُسے گلے لگالیا تو وہ مرگیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،'' اسے کفن دے دو کیونکہ خوفِ خدا سے اس کا جگر پارہ پارہ ہو گیا ہے''۔واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۳۴

فقر و زہد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،'' اے لوگو تم اللہ کے فقیر ہو''۔فقیر اُس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی چیز کا ضرورت مند جس کا وہ مالک نہیں۔سارے لوگ اللہ کی طرف محتاج ہیں کیونکہ وہ اپنے وجود کے دوام اور ابتدائے وجود میں اس کے محتاج ہیں۔وہ اپنے وجود کے خود پیدا کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔لہذا وہی غنی مطلق ہے۔ان ہم ان لوگوں کا بیان کرتے ہیں جو مال کے فقیر ہیں۔مال کا فقیر وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اپنی ضروریات معیشت کو پورا کر سکے۔فقیروں کے چند احوال ہیں۔بعض لوگ وہ ہیں جو مال سے کراہت کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں یہ زاہد ہیں۔بعض وہ ہیں جو نہ تو اس سے بھاگتے ہیں نہ رغبت کرتے ہیں لیکن مل جاتا ہے تو کراہت نہیں کرتے۔یہ راضی ہیں۔بعض وہ کہ مال کے ملنے کو پسند کرتے ہیں بشرطیکہ صاف ستھرا کہیں سے آجائے مگر اس کی طلب نہیں کرتے۔بعض وہ ہیں جو مال سے رغبت رکھتے ہیں مگر عجز کی بنا پر طلب نہیں کر سکتے۔بعض وہ ہیں کہ وہ ہاتھ نہ آنے والے مال کے لئے مضطر رہتے ہیں جیسے بھوکا روٹی کیلئے اور ننگا کپڑے کے واسطے، ایسی حالتوں والا شخص اگر رغبت سے محفوظ ہے، گو ایسا ہونا بہت نادر ہے، تو حقیقی زاہد ہے۔ان سب احوال سے اعلی درجہ یہ ہے کہ وجود و عدم دونوں برابر ہوں خواہ مال زیادہ ہو یا کم۔پرواہ ہی نہ ہو اور کسی سائل کو منع بھی نہ کرے اور کسی ضرورت کا خیال نہ کرے۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ درہم عطیہ کے آئے تو سارے تقسیم کر دیئے اور اپنی ضرورت کا خیال تک نہ کیا۔خادمہ نے کہا کاش آج افطار کے لئے آپ ایک درہم کا گوشت خرید دیتیں۔آپ نے فرمایا اگر پہلے سے کہتی تو ضرور منگا دیتی۔

فضیلت فقر

حضرت ابنِ عمرؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب سے دریافت فرمایا، کونسا آدمی بہتر ہے؟ صحابہ نے عرض کی جو مالدار اپنے نفس اور مال سے حق الٰہی ادا کرے۔فرمایا، ہاں یہ اچھا آدمی ہوتا ہے مگر سب سے اچھا نہیں ہے۔انھوں نے دریافت کیا پھر کون ہے اے رسول اللہ! جو حد سے زیادہ دے۔خبرِ مشہور ہے، میری اُمت کے فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل

ہوں گے''۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو زمین پر سو رہا تھا۔ سر کے نیچے ایک اینٹ رکھی تھی اور چہرے داڑھی پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ ایک عبا پہنے ہوئے تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! تیرا یہ بندہ تباہ حال ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی اے عیسیٰ! تو جانتا نہیں کہ جب میں اپنے بندے کی طرف پوری توجہ سے دیکھتا ہوں تو ساری دنیا اُس سے منہ پھیر لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''میرے دو دوست ہیں، جو ان سے محبت کرے گا مجھ سے محبت کرے گا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا مجھ سے بغض کیا، فقر اور جہاد''۔

روایت ہے کہ جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، ''اے محمدؐ! اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور دریافت کرتا ہے کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ ان سارے پہاڑوں کو آپ کے لئے سونا بنا دوں اور جہاں کہیں آپ جائیں یہ ساتھ جائیں؟ تو آپ نے ایک گھڑی کے لئے سر جھکا لیا پھر فرمایا! اے جبرائیل دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اسے وہ جمع کرتا ہے جسے عقل نہیں۔ جبرائیلؑ نے کہا اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ آپ کو قولِ ثابت پر راسخ قدم رکھے''۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی سیاحت کے دوران ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو عبا میں لپٹا سو رہا تھا۔ آپ نے اسے جگایا اور کہا اے سونے والے اٹھ! اللہ کو یاد کر۔ وہ بولا کیا چاہتے ہو؟ میں تو دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ چکا۔ آپ نے فرمایا، ''تو اے دوست سو جا''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ''میں نے جنت میں جھانکا تو اکثر لوگوں کو فقیر پایا۔ جہنم میں جھانکا تو اکثر کو امیر دیکھا''۔ نیز فرمایا ''اے گروہِ فقراء اللہ کو اپنی رضا دو تو فقر کی وجہ سے ثواب پاؤ گے ورنہ نہیں''۔ اللہ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف وحی بھیجی، ''مجھے ٹوٹے دل والوں کے پاس تلاش کر۔ انھوں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا سچے فقراء''۔ احادیث و آثار فقراء کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں مگر اکتسابِ مال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اے اللہ! آلِ محمدؐ کی روزی بقدر کفاف کرو، کفاف کے علاوہ جو زیادہ ہو وہ باعثِ نقصان ہے''۔ زائد از ضرورت مال کو روکنا درجات کو کم کرتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

بھیک مانگنا

بہت سی حدیثیں بھیک مانگنے کی حرمت کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے رسولِ اکرم ﷺ کا یہ قول ہے کہ ''جو شخص مستغنی ہوتے ہوئے بھیک مانگتا ہے وہ جہنم کی آگ میں اضافہ کرتا ہے''۔ ایسی

حدیثیں بھی ہیں جن سے سوال کرنے کا جواز ملتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، ''سائل کا حق ہوتا ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہی کیوں نہ آئے''۔ اگر سوال کرنا جائز نہ ہوتا آپ یہ کیوں فرماتے کہ سوال کرنے والے کا حق ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ بقدرِ ضرورت سوال کا حق ہے جو اس سے زیادہ ہو اس کی اجازت کی گنجائش نہیں۔

احوال سائلین

حضرت بشرؒ فرمایا کرتے تھے: ''فقیر تین طرح کے ہیں، ایک وہ جو سوال نہیں کرتا۔ اگر دے دو تو لے لیتا ہے۔ یہ شخص جنتِ فردوس میں مقربین کے ساتھ ہوگا۔ ایک فقیر وہ ہے جو ضرورت کے وقت سوال کرتا ہے۔ یہ اصحابِ یمین کے صادقین کے ساتھ ہوگا۔

اس قول سے ان پانچوں قسم کے فقیروں کا حال معلوم ہو گیا جو ہم نے پیچھے اس بات کے شروع میں ذکر کئے۔ مگر اس بات میں شک نہیں کہ سوال خواہ ضرورت سے ہو درجات کو کم کر دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے حضرت شقیق بن ابراہیمؒ سے جب کہ وہ خراسان سے واپس لوٹے پوچھا، اپنے فقراء دوستوں کو کس حال میں چھوڑا؟ انھوں نے جواب دیا اگر کوئی دے دیتا ہے تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر نہیں دیتا تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت شقیقؒ یہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے کہ سوال نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا بلخ کے کتوں کو میں نے ایسا ہی پایا۔ حضرت شقیقؒ نے دریافت کیا، اے ابو اسحاق! آپ کے ہاں فقراء کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا ہمارے فقراء کو اگر نہیں دیا جاتا تو شُکر کرتے ہیں اور اگر دیا جاتا ہے تو وہ ایثار کرتے ہیں۔ شقیق نے ان کا سر چوم کر کہا اے استاد! آپ نے سچ فرمایا۔

بعض اشخاص کے لئے بعض احوال میں سوال کرنا ترکِ سوال سے بہتر ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوالحسن نوریؒ کو ہاتھ پھیلائے مانگتے دیکھا تو انھیں بڑا ناگوار گزرا۔ اس بات کا ذکر انھوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے کیا تو کہا اس بات کو ہرگز بُرا نہ سمجھنا کیونکہ نوری نے اس لئے سوال نہیں کیا کہ لوگ انھیں دیں، بلکہ اس لئے تا کہ آخرت میں انھیں اجر ملے اور نوری کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور شاید انھوں نے اس طرف اشارہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''دینے والے کا ہاتھ بالا ہوتا ہے''۔ بزرگوں نے کہا، ''دینے والے کا ہاتھ اس لئے بلند نہیں ہے کہ وہ مال لے دے رہا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ثواب لے رہا ہے، قدر ثواب کی ہے مال کی نہیں''۔ پھر حضرت جنیدؒ نے کہا ترازو لاؤ تو سو درہم وزن کئے پھر ایک مٹھی بھر کے ان میں اور ڈال دیئے اور کہا نوری کو لے آؤ۔ میں نے

دل میں کہا چیز کو مقدار معلوم کرنے کے لئے وزن کیا جاتا ہے یہ کیوں کیا کہ بے تولی چیز شامل کردی حالانکہ جنیدؒ تو بڑے دانا آدمی ہیں۔ میں شرم کی وجہ سے سوال نہ کر سکا۔ بہر حال تھیلی کو لے کر نوری کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا ترازو لاؤ۔ سو درہم تول کر علیحدہ رکھ دیئے اور کہا انھیں جنید کے پاس واپس لے جاؤ اور کہنا میں تم سے کچھ قبول نہیں کروں گا مگر جو درہم سو سے زیادہ تھے وہ رکھ لئے۔ راوی کہتا ہے مجھے بڑا تعجب ہوا تو میں نے نوری سے پوچھا یہ کیا بات ہوئی؟ وہ کہنے لگے جنید بڑا دانا ہے دونوں طرف سے رسی پکڑتا ہے۔ سو درہم اس لئے وزن کئے تھے تا کہ ان کا ثواب اسے پہنچے اور ایک مٹھی بغیر وزن کئے لوجہ اللہ ڈال دیئے تھے۔ جو اللہ کے تھے وہ میں نے لے لئے اور جو انھوں نے اپنے لئے ذخیرہ کئے تھے وہ واپس کر دیئے۔ راوی کہتا ہے یہ درہم میں جنید کے پاس لے گیا تو وہ رونے لگے۔ بولے اپنا مال لے لیا اور ہمارا واپس کر دیا۔

دیکھو ان لوگوں کے دل اور احوال کیسے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے لئے اپنے اعمال کو خالص رکھا تو ایک دوسرے نے ایک دوسرے کے دل کا حال زبان کے واسطہ کے بغیر معلوم کر لیا۔

زہد

زہد کہتے ہیں کسی چیز سے اعراض کرنا اور کسی دوسری کی طرف مائل ہونا۔ جو شخص دنیا سے منہ موڑتا ہے اور آخرت کی طرف جھکتا ہے وہ دنیا کے بارے میں زاہد ہے۔ زہد کا سب سے بلند مرتبہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے بے رغبت ہو جائے حتیٰ کہ آخرت سے بھی۔

زہد کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان جانے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور جو عمل اس کی وجہ سے صادر ہوتا ہے وہ آخرت کی رغبت پر دلیل ہوتا ہے۔ فضیلتِ زہد پر بہت سی آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،" ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اُسے زینت بنا دیا ہے تا کہ دیکھیں سب سے زیادہ کون اچھے عمل کرتا ہے"۔ نیز فرمایا؛" جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے وہ دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛" جو شخص ایسی حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کا مطمعِ نظر دنیا ہوتی ہے تو اللہ اس کے مقاصد کو منتشر کر دیتا ہے، اس کی زمین کو تقسیم کر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے درمیان ڈال دیتا ہے۔ اسے دنیا اُسی قدر ملتی ہے جو مقسوم ہو چکی اور جو ایسی حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کا مطمع آخرت ہوتی ہے تو اللہ اس کے مقاصد کو جمع کر دیتا ہے، اس کی زمین کی حفاظت کرتا ہے، اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور دنیا اُس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے"۔ نیز فرمایا؛" جب تم کسی

شخص کو خاموش اور دنیا میں بے رغبت دیکھو تو اس سے قریب ہو جاؤ کیونکہ وہ حکمت کی باتیں کرے گا"۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا؛" اگر چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو دنیا میں رغبت ہو جاؤ اللہ محبت کرے گا"۔

حضرت حارثہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں پکا مومن ہوں، فرمایا کیسے؟ کہا، میں نے اپنے نفس کو دنیا سے بے تعلق کر لیا ہے۔ میرے نزدیک پتھر اور سونا برابر ہیں اور گویا میں جنت و جہنم کو دیکھ رہا ہوں اور گویا میں عرشِ پروردگار کے سامنے ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا تو عارف ہو گیا ہے خاموش رہ، تیرے دل کو اللہ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان آیتوں میں شرح کے کیا معنی ہیں؟" اللہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، وہ پروردگار کی جانب سے نور والا ہو جاتا ہے"۔" اللہ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا؛" نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو اُس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے"۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! اس کی کوئی علامت ہے؟ فرمایا؛" ہاں، دار الغرور سے دوری، دار الخلود کی طرف رجوع اور پہلے سے موت کے لئے تیاری"۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا۔ فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ ملایا جنت میں داخل ہوا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، اس کی تشریح فرما دیجئے۔ فرمایا؛" طلبِ دنیا اور اس کا اتباع۔ بعض لوگ انبیاء والی باتیں کرتے ہیں اور عمل جباروں ایسا کرتے ہیں تو جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور اس میں یہ باتیں نہیں ہیں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی"۔

حدیث پاک میں ہے؛" سخاوت، یقین سے ہے اور آگ میں صاحبِ یقین داخل نہیں ہوگا اور بخل شک سے ہے اور جنت میں شک والا داخل نہیں ہوگا"۔

درجاتِ زہد

پہلا درجہ یہ ہے کہ بہ تکلف دنیا میں بے رغبتی کرے اور نفس سے اس کے ترک کے لئے مجاہدہ کرے باوجود یہ کہ اسے خواہشِ دنیا ہو، ایسے شخص کو متزہد بولتے ہیں، ایسا شخص مسلسل کوشش سے زہد تک پہنچ سکتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا میں بخوشی بے رغبت ہو اور اُسے حقیر جانتا ہو، اس لالچ میں کہ اس سے بہتر اجر ملے گا۔ جیسے کوئی شخص دو درہم کے لئے ایک درہم کو چھوڑ دے، ایسی صورت میں دل پر کوئی گرانی نہیں ہوتی لیکن چونکہ ایسی صورت میں انسان متروک پر اور اپنے نفس پر نظر رکھتا ہے لہٰذا اس میں ایک گونہ نقصان ہے گویہ بھی زہد ہے۔ تیسری قسم سب سے بلند ہے۔ یہ کہ خوشی سے

ترک دنیا کرے اور اس ترک کو بھی ترک کر دے یعنی اس امر پر نظر ہی نہ کرے کہ اس نے دنیا کو ٹھکرایا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا بے حقیقت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ ٹھیکری کو ٹھکرایا ہو اور جوہر کو لے لیا ہو لہذا وہ اُسے معاوضہ نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے دنیا کی آخرت کی نسبت سے کیا حقیقت ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے حضرت ابوموسیٰ عبدالرحمانؒ سے دریافت کیا، کس بات کے بارے میں بات چیت کررہے ہو؟ انھوں نے کہا زہد کے بارے میں، پوچھا کس چیز کا زہد؟ بولے دنیا سے۔ حضرت بایزیدؒ ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور کہا میں تو سمجھا تھا تو کسی چیز کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔ دنیا تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی رغبت کی جائے۔

اہل معرفت کے نزدیک اس شخص کی مثال جس نے دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دیا ہو اس شخص کی سی ہے جسے بادشاہ کے دروازے سے کتے نے روک دیا ہو تو اس نے کتے کے آگے روٹی کا ایک لقمہ ڈال دیا۔ کتا کھانے میں مشغول ہوا تو وہ دروازے میں داخل ہوگیا اور بادشاہ کے ہاں قرب حاصل کرلیا۔ حتٰی کہ اس کی ساری سلطنت میں اُسی کا حکم چلنے لگا۔ تم کیا خیال کرتے ہو کیا کتے کے آگے ایک ٹکڑا ڈال دینے سے وہ بادشاہ پر کوئی احسان رکھ سکتا ہے؟ شیطان بارگاہِ خداوندی کا کتا ہے۔ لوگوں کو اندر جانے سے روکتا ہے حالانکہ دروازہ کھلا ہے اور پردے اٹھے ہوئے ہیں۔ دنیا ایک لقمۂ نان کی مانند ہے۔ کھاؤ تو فی الحال لذت ہے حلق سے اُترا تو لذت ختم، پھر معدہ میں ثقل پیدا کرتا ہے اور پھر اتنا بدبودار ہو جاتا ہے کہ تم اس کے نکالنے پر مجبور ہو جاتے ہو۔ جو شخص دنیا کو خدا کے لئے چھوڑتا ہے وہ اس کی طرف کیسے ملتفت ہو سکتا ہے۔

دنیا جو کچھ ہمیں دیتی ہے آخرت کی نسبت سے وہ ایک لقمے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت، دنیا متناہی ہے اگرچہ ایک سو سال رہے اور کدورتوں سے بالکل صاف ہو پھر بھی انجام زوال ہے۔ جب یہ بات تم پر آئینہ ہو چکی ہے تو اچھی طرح جان لو کہ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے بے رغبت ہو جاؤ۔ یہ بات تو تب ہی ہو سکتی ہے کہ تمھیں اس لذت سے شناسائی ہو اور اس کے علو مرتبہ کو جانو۔ لہذا کھانے، لباس، نکاح، مسکن اور ضرورت سے اتنا لو کہ تمھارے بدن کا قوام درست رہے اور تم مدافعت پر قادر ہو۔ یہی زہد حقیقی ہے۔

واللہ اعلم

باب ۳۵

توحید و توکل

توکل کی فضیلت آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ''اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو''۔ نیز فرمایا، ''جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے''۔ حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''میں نے جنّت میں امتوں کو دیکھا تو اپنی امت کو سب سے زیادہ پایا مجھے ان کی کثرت پر تعجب ہوا تو مجھ سے دریافت کیا گیا تم اب خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں، کہا ان کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جو بغیر حساب جنت میں کئے جائیں گے۔ دریافت کیا گیا وہ کون ہوں گے فرمایا جو جسم کو نہیں داغتے، بدشگونی نہیں لیتے، جنتر منتر نہیں کرتے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''۔ حضرت عکاشہؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل کر دے آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اسے ان میں شامل کر دے۔ یہ سن کر دوسرے صحابی کھڑے ہوے اور عرض کی میرے لیے بھی دعا کر دیجئے۔ فرمایا عکاشہؓ تم سے سبقت لے گیا۔ پھر فرمایا ''اگر تم لوگ اللہ پر پورا پورا توکل کرتے تو اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح اٹھتے ہیں تو پوٹے خالی ہوتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں تو بھرے ہوئے''۔

جب حضرت خواصؒ نے یہ آیت پڑھی کہ اس زندہ پر توکل کرو جو نہیں مرے گا تو کہا ''انسان کو زیب نہیں دیتا کہ غیر اللہ سے التجا کرے''۔

حقیقت توحید

توحید جو کہ اصل توکل ہے، اس کے معنیٰ وہی ہیں جو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کے ہیں اور قدرت پر ایمان لانے کا نام ہے جس کی ترجمانی لہ الملک کرتا ہے، اور جود و حکمت پر ایمان لانے کا جس کی ترجمانی لہ الحمد کرتا ہے تو جس کے قلب پر اس جملے کے معنیٰ کا غلبہ ہوگا وہ متوکل ہوگا، جس کی اصل توحید ہے۔ توحید کے چار درجے ہیں:

(۱) مغز (۲) مغز کا مغز (۳) چھلکا (۴) چھلکے کا چھلکا۔

پہلا درجہ ایمان باللسان کا ہے۔ یہ چھلکے کا چھلکا ہے اور منافقوں کا ایمان ہے، دوسرا درجہ کلمہ کے معنیٰ کی تصدیق ہے، یہ عام مسلمانوں کا ایمان ہے، تیسرا درجہ بطریق کشف اس کا مشاہدہ کرنا یہ

مقربین کا مقام ہے۔ یہ اس طرح کہ اسبابِ کثیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ جانے کہ سب واحدِ قہار سے ہیں۔ چوتھا یہ ہے کہ سوائے واحد کے کسی کو نہ دیکھے۔ یہ صدیقین کا مشاہدہ ہے جسے صوفیاء فنائی التوحید کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے باطن کو نہیں دیکھتا کیونکہ وہ واحد میں مستغرق رہتا ہے۔ حضرت بایزیدؒ کے قول کا یہی مطلب ہے کہ مجھے اپنے آپ کو بھی بھلا دیا ہے۔

پہلا درجہ یعنی ایمان باللسان، اس سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جاسکتی اور اس کا مال و جان محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''جب وہ کلمہ پڑھ لیں تو مجھ سے ان کے جان و مال محفوظ ہوگئے''۔

دوسرا درجہ یعنی موحد، جو دل سے مفہوم کلمہ پر اعتقاد رکھتا ہے اور کوئی شک نہیں کرتا مگر اسے شرحِ صدر نہیں ہوا یہ حالت عذابِ آخرت سے بچاتی ہے بشرطیکہ اسی پر دم نکلا اور معاصی کی مداومت سے اسے کم زور نہیں کیا۔ اس بیان میں بدعتی کے لیے نقص کی راہیں ہیں اور متکلمین کے لیے دفعِ نقص کی۔

تیسرا درجہ اس موحد کا ہے جسے شرحِ صدر ہو گیا اور وہ واحد ہی کا مشاہدہ کرتا ہے گو اسباب کی کثرت ہے مگر وہ ان کا مصدر واحدِ حق ہی کو سمجھتا ہے۔

چوتھا درجہ اس موحد کا ہے جس کے قلب و شہود میں صرف واحدِ حق ہی ہے۔ وہ وسائط و اسباب اور اپنے نفس کو فنا کر چکا ہے۔ یہ بلند ترین حالت ہے اس کی مثال اخروٹ کی گری کے تیل کی سی ہے۔ اس حالت کے بارے میں کیا کلام، البتہ تیسری حالت کے بارے میں کلام کیا جاسکتا ہے یعنی جو شخص واحدِ حق کو دیکھتا ہے اور سارے اسباب کو بھی ایک ہی سمجھتا ہے کیونکہ وہ واحد حق سے صادر ہوئے۔ ایسا شخص جو تعدادِ اسباب سموٰت و ارض اور اعدادِ کثیرہ کو دیکھتا ہے کیسے سب کو ایک دیکھتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ان اسرار کا کشف کرنا ممکن نہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے، سرِّ ربوبیت کا افشا کفر ہے۔ مگر ہم آپ کے سمجھانے کے لیے کچھ بیان کئے دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ایک چیز ایک اعتبار سے کثیر اور دوسرے اعتبار سے قلیل ہوتی ہے۔ جیسے انسان کہ اپنے اجزاء کے اعتبار سے کثیر ہے مگر شخص واحد ہونے کے اعتبار سے اس میں تعدد نہیں ہے۔ یہی حال ہر چیز کا ہے۔ جو وجود میں ہے کہ اس کے بہت سے اعتبارات ہیں اور وہ ہر اعتبار کے لحاظ سے واحد ہے۔ اگرچہ انسان کی مثال پوری طرح مطابق نہیں ہے مگر یہ مثال بتائی ہے کہ ایک چیز ایک اعتبار سے کثیر ایک اعتبار سے قلیل ہوتی ہے۔ اسی کی طرف حسین بن منصور نے اشارہ کیا تھا کہ جب خواص کو دور دور کا سفر کرتے دیکھا تو

پوچھا کس لیے؟ انھوں نے کہا کہ توکل کو درست کرسکوں، حسین نے کہا ساری عمر تو باطن کی تعمیر میں صرف کر دی توحید میں فنا نہیں ہوا جاتا۔ تو خواص تیسرے مقام پر تھے۔ حسین نے چوتھے کی طرف دعوت دی۔

اب آپ کہیں گے اس چوتھے مقام کی تشریح کیا ہے؟ بات یہ ہے تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے اور کوئی ذرّہ ارض و سما کا اس کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ فقر و غنا اور موت و حیات بغیر اس کے اذن کے نہیں ہوتے۔ وہ سب کا مخترع ہے تو جس شخص نے اس کا مشاہدہ کرلیا اور جان لیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ماسوا سے مستغنی ہو گیا۔ وہ کسی کی طرف نہیں دیکھتا کیونکہ سب اس کی قدرت کے تابع ہیں۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ کسی کو معافی نامہ لکھ کر دے تو کاغذ و قلم کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا بلکہ بادشاہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ رہا وہ موحد جس کا ہم نے ذکر کیا، مشاہدہ جمال میں محو ہو کر قلم کی طرف نہیں دیکھتا، نہ اس کے دل میں قلم و دوات کا خیال آتا ہے، گو دیکھتا ہے مگر ذکر تک نہیں کرتا۔

آپ کہیں گے جمادات کے بارے میں تو یہ بات سمجھ میں آگئی مگر وہ انسان جو مختارِ عفو و عطاء ہے ہم اس کے فعل کو کیسے اصل پر محول کریں؟ میں کہتا ہوں یہیں تو اکثر لوگوں کے قدم پھسل گئے ہیں۔ سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے ہیں کہ شیطان کی دسترس سے باہر ہیں۔ لہٰذا انھوں نے نورِ بصیرت سے کاتب کو مسخر و مضطر دیکھا جیسے کہ تمام ضعیف لوگوں نے قلم کو دستِ کاتب میں مسخر دیکھا۔ ضعیف البصر لوگوں کی غلطی ایسی سمجھ لو کہ ایک چیونٹی نے کاغذ پر کچھ لکھتے دیکھا تو قلم پر نظر گئی کاتب کہ نہ دیکھ سکی۔ مگر جن لوگوں کو اللہ نے توفیق دی ہے اور ان کے سینوں کو اپنے نور سے کھولا ہے، ان کی نظر اس سے اوپر گئی، کیونکہ اللہ نے ان کے لیے ہر ذرہ سماء و ارض کو اپنی قدرت سے گویائی بخشی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان کی تقدیس و تسبیح کو سنتے ہیں اور عجزِ لسانی کے باوجود وہ گواہی دیتی ہیں۔ ایک فصیح زبان کے ساتھ جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز۔ جو سن نہیں سکتے وہ ان کی آواز سننے سے عاجز ہیں۔ ہر ذرہٗ عالم اربابِ قلوب کے ساتھ مناجات کرتا ہے۔ یہ کلام الٰہی کے اسرار سے ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

چنانچہ اللہ فرماتا ہے، ''اگر سمندر بھی رب کے کلام کے لیے روشنائی بن جاتا تو کلام الٰہی ختم نہ ہو''۔ تو یہ ہمیشہ اربابِ قلوب کو اسرارِ ملکوت پہنچاتے رہتے ہیں مگر افشائے سرنائت ہے بلکہ صدورِ احرار، قبورِ اسرار ہوتے ہیں۔ کیا تم نے اسرارِ سلطانی کے کسی امین کو علی الاعلان راز اگلتے دیکھا ہے؟

اگر افشائے سر جائز ہوتا تو نبی علیہ السلام نہ فرماتے، "اگر تم وہ باتیں جان جاؤ جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور بہت روتے۔" بلکہ آپ ان کے سامنے بیان کر دیا کرتے تا کہ ہنسیں نہیں بلکہ روئیں اور نہ آپ سرِ قدر کے افشاء سے روکتے، نہ یہ فرماتے کہ جب علمِ نجوم کا ذکر ہو تو رک جاؤ اور جب تقدیر کا ذکر ہو تو زبان بند کر لو۔ نہ آپ حضرت حذیفہؓ کو بعض اسرار کا امین بناتے۔ ہم اس بات کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔

بعض انوارِ الٰہی کے دیکھنے والوں نے کاغذ سے دریافت کیا تیرا چہرہ سیاہی سے کالا کیوں پڑ گیا؟ تو کاغذ نے کہا مجھ سے نہیں سیاہی سے پوچھو کہ وہ دوات میں تھی وہاں سے سفر کر کے میرے چہرے پر آن پڑی۔ اس نے کہا تو نے سچ کہا۔ پھر اس نے سیاہی سے دریافت کیا اس نے کہا میں تو اپنے مقام پر تھی قلم آیا اور مجھے سفید صحن میں ڈال گیا۔ اس سے دریافت کرو۔ اس نے کہا تو نے سچ کہا۔ اور قلم سے پوچھا وہ بولا، انگلیوں اور ہاتھ سے سوال کرو میں تو نہر کے کنارے کھڑا تھا۔ ہاتھ چھری لے کر کاٹ لایا، مجھے کاٹا، چھیلا اور سر تراشا، سر چیرا اور ہاتھ دوات میں ڈال دیا اب وہ مجھے سر کے بل چلاتا ہے۔ اس نے کہا سچ ہے اور ہاتھ سے پوچھا، وہ کہنے لگا میں تو گوشت پوست ہوں، قدرت و طاقت کی سواری ہوں یہ بات تو اس سے پوچھو۔ اس نے کہا تو نے سچ کہا اور قدرت سے سوال کیا اس نے کہا میں تو خاموش اپنی جگہ پڑی تھی ظالم ارادہ آیا اور اس نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا اس سے سوال کرنا چاہیے۔ اس نے ارادے سے پوچھا تو وہ بولا میں کچھ نہیں جانتا حضرتِ قلب کی طرف سے علم وعقل کا قاصد پہنچا اور اس نے مجھے حکم دیا تو میں نے تعمیل کر دی لہٰذا علم سے سوال کرو۔ اس نے علم، عقل اور قلب سے پوچھا، عقل نے کہا میں تو ایک چراغ ہوں، قلب نے کہا میں تو ایک لوح ہوں اور علم نے کہا میں تو بس ایک نقش ہوں جسے لوحِ قلب پر نقش کر دیا گیا ہے، میں نے خود تو نہیں لکھا یہ بات تو تم قلم سے دریافت کرو کیونکہ خط ونقش وہی لوح پر جماتا ہے۔ یہ جواب سن کر سائل حیران رہ گیا۔ علم سے کہنے لگا میں تو یہاں نہ قلم دیکھتا ہوں نہ چراغ نہ تختی یہ کیا معاملہ ہے؟ تو علم نے کہا تیری پونجی بہت تھوڑی ہے۔ جو جیسے کرتا ہے کرنے دے اور اگر جاننا ہی چاہتا ہے کان دھر کر سن لے کہ تیری اس راہ میں تین قسم کے عالم ہیں:

۱۔ عالم الملک والشہادة، کاغذ، روشنائی، قلم اور ہاتھ اس عالم سے ہیں تو ان منزلوں سے سہولت سے گزر گیا۔

۲۔ عالمِ ملکوت جو اس سے بالا ہے اس میں بڑے بڑے میدان، گہرے سمندر اور اونچے اونچے

پہاڑ ہیں معلوم نہیں تو کیسے سالم رہے گا۔

۳۔ عالمِ جبروت ہے۔ یہ عالمِ ملک وملکوت کے درمیان ہے۔ تم تین منزلوں کو قطع کر چکے کیونکہ اس کے اوائل میں منزل قدرت ارادہ اور علم ہے اور یہ عالمِ ملک وملکوت کے درمیان واسطہ ہے کیونکہ عالم ملک کی راہ آسان ہے اور عالمِ ملکوت کی دشوار۔ عالمِ جبروت جو کہ عالمِ ملک وملکوت کے درمیان ہے کشتی کے مشابہ ہے جو کہ زمین اور پانی کے درمیان ہوتی ہے۔ نہ وہ اضطرابِ آب کے حدود میں ہوتی ہے نہ سکونِ ارض کے حدود میں تو جو شخص بھی زمین پر چلتا ہے وہ عالمِ ملک وشہادة میں ہے۔ اگر وہ کشتی پر سوار ہونے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ گویا عالمِ جبروت میں چلتا ہے۔ پھر اگر پانی پر بغیر کشتی کے چلتا ہے تو وہ عالمِ ملکوت میں چلتا ہے۔ اگر تم پانی پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تو واپس لوٹ جاؤ کیونکہ زمین سے تجاوز کر چکے ہو اور کشتی کو چھوڑ چکے ہو اب صرف پانی رہ گیا ہے۔ اولِ عالم ملکوت، مشاہدہ قلم ہے جس کے ذریعے علم رکھتا ہے۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا قول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نہیں سنا "اگر ان کا ایمان اور بلند ہوتا تو ہوا پر چلتے"۔

سالک سائل بولا، میں تو حیران رہ گیا ہوں اور جو راہ کے خطرات تو نے بتائے ہیں ان سے میرا دل کانپتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں یہ جنگلات طے کر سکوں گا یا نہیں۔ تو کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ اس نے کہا، ہاں اپنی آنکھ کھول اور میری طرف دیکھ اگر تجھے وہ قلم دکھائی دے گیا جس سے میں لوحِ قلب پر لکھتا ہوں تو شاید تو اس راہ کا اہل ثابت ہو سکے۔ کیونکہ جو کوئی عالمِ جبروت سے تجاوز کر کے ابوابِ ملکوت کا پہلا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اسے قلم نظر آ جاتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے قلم دکھایا اور یہ آیت اتری "پڑھ اور تیرا پروردگار اکرم ہے جس نے قلم کے ذریعے سکھایا، سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا"۔

سالک بولا تو نے میری آنکھیں کھول دیں بخدا میں نہ نرکل دیکھتا ہوں نہ لکڑی، میں تو قلم لکڑی وغیرہ کا سمجھتا تھا۔ علم نے کہا، سنو گھر کا سامان گھر والے کے مشابہ ہوتا ہے۔ تجھے معلوم ہوگا کہ خدا کی ذات کسی کے بھی مشابہ نہیں ہے۔ اس طرح اس کا ہاتھ بھی کسی کے ہاتھ کے مشابہ نہیں، نہ قلم دوسرے قلموں کے، نہ کلام دوسرے کلاموں کے اور اس کا خط دوسروں کے خطوط کے مشابہ ہے۔ یہ امور الٰہیہ عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا اللہ نہ جسم ہے، نہ وہ اوروں کی طرح کسی مکان میں ہے نہ اس کا ہاتھ، گوشت ہڈی اور خون کا ہے۔ نہ اس کا قلم نرکل کا ہے، نہ تختی لکڑی کی، نہ کلام صوت وحرف سے مرکب، نہ خط رسم اور قسم والا اور نہ روشنائی پھٹکری اور گوند کی۔ اگر تو اس طرح مشابہ نہیں کرتا تو مردانِ

تنزیہ وموشانِ تشبیہ کے درمیان مخنث ہے۔ دونوں کے درمیان مذبذب، نہ اِدھر نہ اُدھر کیونکہ تو اس کی ذات کو جسمیت سے منزہ کرتا ہے، اس کے کلام کو حروف واصوات سے مرکب مانتا ہے، تو ہاتھ، قلم، لوح اور خط کے بارے میں کیوں توقف کرتا ہے؟ اگر تو حدیثِ رسول اللہ ﷺ ''خلق اللہ آدم علیٰ صورتہ'' سے یہ سمجھتا ہے کہ ایسی صورت مراد ہے جو آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے تو پھر مکمل مشبہہ بن جا اور اگر باطنی صورت والا سمجھتا ہے جو نہ بصیرت سے ادراک کی جا سکتی ہے نہ بصر سے تو خالص منزہ ومقدسہ بن جا۔

جب سالک نے یہ باتیں سنیں اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اسے اپنے اوپر بڑا غصہ آیا۔ مگر جب علم نے اپنی حدت سے اس کے اندر نور پیدا کر دیا تو علم نے کہا یہ اچھا موقعہ ہے آنکھیں کھول تو اس کے لیے علمِ الٰہی منکشف ہو گئی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ قلم نہ لکڑی کا ہے نہ نرکل کا نہ اس کے نوک ہے نہ دم، وہ علی الدوام لکھتا ہی رہتا ہے۔ گویا قلوب بشر میں اس کی نوک ہے تو اسے بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا، علم تو بہترین رفیق ہے کیونکہ مجھے قلم کی حقیقت اسی کی وجہ سے معلوم ہو گی۔ اب اس نے علم کو الوداع کہا اور کہا اب میں قلم کی بارگاہ میں جانا چاہتا ہوں۔ اسی سے اس کے بارے میں دریافت کروں گا۔ چنانچہ وہ قلم کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ وکیسے قلوب میں علوم کو رقم کرتا رہتا ہے؟ اس نے کہا قلم والی حکایت بھول گیا بس اسی پر مجھے قیاس کرے۔ وہ کہنے لگا مگر تُو تو اس کے مشابہ نہیں ہے۔ قلم نے کہا تو نے سنا نہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا؟ وہ بولا ہاں، کہا تو یمین الملک سے میرے بارے میں دریافت کر کیونکہ میں اس کے قبضہ میں ہوں اور آدمی کے قلم اور اس قلم میں کوئی فرق نہیں کہ دونوں مجبور ومسخر ہیں۔

وہ پوچھنے لگا، یمین الملک کون ہے؟ قلم نے کہا کیا اللہ کا یہ قول نہیں سنا، ''والسمٰوٰت مطویات بیمینہ''؟ کہا ہاں، کہا تو قلم بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ وہی چلاتا ہے۔ سالک یمین الملک کے پاس گیا تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ دوسرے ہاتھوں کی طرح نہ تھا نہ انگلیاں دوسروں کی انگلیوں کی طرح تھیں۔ اس نے قلم کو اس کے ہاتھ میں چلتا دیکھا تو اسے معلوم ہو گیا کہ واقعی قلم معذور ہے۔ اس نے یمین الملک سے پوچھا قلم کو کیوں ہلاتے ہو؟ اس نے کہا میرا بھی وہی جواب ہے جو عالمِ شہادت میں تم نے یمین سے سنا تھا کہ قدرت یہ کام کرتی ہے۔ وہ قدرت کی طرف گیا اور اس سے سوال کیا کہ یمین کو کیوں حرکت دیتی ہے؟ وہ بولی میں تو ایک صفت ہوں قادر سے پوچھ، وہ سوال کی جرات کرنے ہی والا تھا کہ بارگاہِ ایزدی سے ندا آئی ''وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور ان سے

سوال کیا جائے گا'' یہ ندا سن کر وہ ہیبت سے بے ہوش ہو گیا، مدت تک پڑا رہا ہوش آیا تو کہہ اٹھا: ''سبحانک ما اعظم شانک تُبتُ الیک''۔ اب ہم مقصودِ اصل کی طرف لوٹتے ہیں اور توکل کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ وکیل پر اعتماد کرنے کو توکل کہتے ہیں، کیونکہ انسان جانتا ہے کہ اس کے علم سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی اور غیر نفع وضرر کا مالک نہیں۔

اقوالِ شیوخ

حضرت ابوموسیٰ دیلیؒ کہتے ہیں، میں نے حضرت بایزیدؒ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا وہ بولے تمھارے احباب کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا ہمارے احباب کہتے ہیں اگر درندے اور سانپ تمھارے داہنے ہوں اور بائیں بھی تو ذرا سی بھی پریشانی نہ ہو۔ بایزیدؒ نے کہا ہاں قریب قریب ایسا ہی ہے، لیکن اگر اہل جنت، جنت میں مزے اڑا رہے ہوں اور دوزخ والے عذاب میں مبتلا ہوں اور تم ان دونوں کے درمیان امتیاز کرو تو توکل سے باہر ہو گئے۔

حضرت ابوعبداللہ قریشیؒ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا، ''ہر حال میں اللہ سے تعلق رکھنا توکل ہے''۔ سائل نے کہا اور کچھ فرمائیے تو بولے، ''ہر اس سبب کو چھوڑ دینا جو خدا تک نہ پہنچا سکے''۔

درجاتِ توکل

توکل کے تین درجے ہیں: پہلا یہ کہ اللہ پر ایسا یقین ہو جیسا کسی امانت دار، مہربان، شفیق، درست کار وکیل پر ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ ہو جیسے بچے کا ماں کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ اس کے سوا کسی کو نہیں جانتا اور اسی کی طرف ہر بات میں رجوع کرتا ہے اور سب سے پہلے اسی کا خیال اس کے دل میں آتا ہے۔ یہ مقام ترکِ دعاء وسوال عن غیر اللہ کو چاہتا ہے کیونکہ وہ شفیق وکریم ہے۔ تیسرا یہ کہ کبھی ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے جیسے مریض کے چہرے کی رنگت کبھی زرد پڑ جاتی ہے اور کبھی رونق آ جاتی ہے۔

اب آپ یہ سوال کریں گے کیا بندے کا اسباب تدبیر کے ساتھ کوئی تعلق رہ جاتا ہے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ تیسرا مقام تدبیر کی نفی کرتا ہے البتہ اللہ سے دعا اور بچے کی طرح تضرع وزاری کر سکتا ہے۔

اعمالِ متوکلین

بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ متوکل ایسا ہو جانا چاہیے جیسے قصاب کے سامنے گوشت پڑا

رہتا ہے مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ اعمال و افعال یا تو جلبِ نفع کے لیے ہوتے ہیں یا حفاظتِ نفع کے لیے یا دفاعِ ضرر کے واسطے ہوتے ہیں یا قطعِ ضرر کے لیے۔

جلبِ نفع والے افعال بعض ایسے ہیں کہ سنتِ الٰہی اسی طرح ہے لہٰذا ان کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے کھانے کو چبانا یا منہ تک لے جانا ان کا چھوڑنا حماقت وجنون ہے۔ رہے وہ افعال جو عموماً اسی طرح ہوتے ہیں جیسے سفر کے لیے توشہ لے جانا، تو جو شخص ایسے مقام کا سفر اختیار کرے جہاں دانا پانی نہ ہو اور توشہ ساتھ نہ لے تو یہ توکل نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسی کرتا ہے تو وہ توکل کے بلند ترین درجے پر ہے۔ رہیں وہ باتیں جو مقصود تک بہت ہی کم پہنچاتی ہیں جیسے کسب واکتساب کے لیے چھوٹی چھوٹی جزئیات میں جانا تو اس سے توکل باطل ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقام توکل کا یہ ہے کہ اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ رہے۔ یہ توکل تو ہے، کہ ترکِ اسباب کر دیا اور کسب کو چھوڑ دیا، مگر پہلے سے بہت کم درجہ کا ہے کیونکہ وہ ایسی جگہ بیٹھا ہے جہاں لوگ آتے جاتے ہیں۔

تیسرا مقام یہ ہے کہ سنت کے مطابق کسب کرے۔ جیسا کہ کسب کے باب میں گزرا۔ کہتے ہیں ایسا کرنے سے توکل سے خارج نہیں ہوتا مگر یہ سب سے کم درجہ کا توکل ہے۔ اس میں جلی یہ شرط ہے کہ مال واسباب پر توکل نہ ہو۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ چوری یا ضائع ہو جانے سے غم نہ ہو۔

عیال دار کا توکل

عیال دار اپنے بیوی بچوں کے حق میں توکل نہیں کر سکتا کیونکہ توکل جب کر سکتا ہے کہ بھوک پر کم سے کم ایک ہفتہ صبر کر سکے اور اگر رزق نہ پہنچے تو مرنا قبول کرے۔ اسی قسم کی اور دوسری باتیں ہیں۔ یہ باتیں اولاد کے حق میں نہیں سوچی جا سکتیں لہٰذا کسب ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہے کہ وہ عیال کے لیے کمانے نکلے تھے۔ یہ وہی تیسرا مقام ہے جس کا ہم ذکر کر چکے۔ کھانے کا اولاد کے لیے ذخیرہ کرنا سنت ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص عیال دار نہیں ہے اور اسے مثلاً وراثت میں مال مل گیا یا کسی اور طرح سے ہاتھ لگ گیا، تو توکل اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت لے لے اور باقی کو تقسیم کر دے اور کل کے لیے ذخیرہ نہ کرے۔ دوسرا درجہ یہ کہ چالیس دن یا کم کے لیے جمع کرے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ایسا شخص توکل سے نکل گیا یا نہیں۔

... تیسرا درجہ یہ ہے کہ مہینہ یا سال کے لیے ذخیرہ کرے۔ ایسا کرنے سے یقیناً درجہ متوکلین سے گر جاتا ہے۔ کہتے ہیں تین حیوان ذخیرہ کرتے ہیں چوہا، چیونٹی اور ابنِ آدم۔

توکل کی دوسری قسم یہ ہے کہ ضرر کو اپنے آپ سے دور کرے یا بچے، جیسے جھکی ہوئی دیوار یا گرنے والی چھت سے بھاگے۔ ایسا کرنے سے توکل یا باطل نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کی باتیں بزرگوں سے منقول ہیں۔

ان اسباب کی تین قسمیں ہیں: موہوم، مظنون اور مقطوع۔ موہوم کا ترک واجب ہے جیسے جنتر منتر وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے متوکلین کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ جادوٹونے، داغ دینے اور بدل فالی سے بچتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ سردی سے بچاؤ کے لیے کپڑے نہیں پہنتے۔ ہاں اگر یہ ممکن ہو کہ کسی کی ایذاء رسانی پر صبر کر سکتے تو یہ توکل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''ان کی ایذاء رسانی کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر توکل کرو''۔ علاج کے ترک کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ بعض نے بعض حالات میں علاج نہیں کروایا، اس کا دار و مدار انسان کے مقامِ توکل پر ہے۔

باب ۳۶

محبت، شوق و رضا

معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ کے واسطے محبت بلند مقاصد سے ہے۔ شوق، انس اور رضا اس کے تابع ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا کیونکہ وہ اس لذت سے محروم تھے۔ ہم آیات و احادیث سے اسے ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو ایمان لائے وہ اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں، وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتا ہے''۔ حدیث شریف میں ہے، ''تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کے اللہ اور رسول تمہارے اہل، مال اور سارے لوگوں سے محبوب نہ ہوں''۔ مشہور حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح قبض کرنے لگا تو انھوں نے دریافت کیا کبھی تجھے کوئی ایسا دوست ملا جو اپنے دوست کو مار ڈالے تو اللہ نے وحی بھیجی کہ تم نے کوئی ایسا دوست دیکھا جو دوست سے نہ ملنا چاہے؟ حضرت ابراہیمؑ بولے، اے ملک الموت اب روح قبض کر لے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''اے اللہ مجھے اپنی محبت دے اور جو شخص تجھ سے محبت کرتا ہو اور اس کی بھی جو مجھے تیری محبت سے قریب کر دے، اپنی ذات کو ٹھنڈے پانی سے زیادہ میرے محبوب کر دے''۔

ایک بدو نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تونے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ بولا، نہ میں کثرت سے روزے رکھے نہ ہی بکثرت نماز پڑھی مگر یہ کہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد اگر کسی چیز سے خوش ہوتے پایا تو وہ اللہ رسول ﷺ کی محبت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، ''جو شخص خالص اللہ اور رسول کی محبت پالیتا ہے، وہ طلب دنیا سے رک جاتا ہے اور سارے آدمیوں سے اسے وحشت ہوجاتی ہے''۔

محبت کی حقیقت

محبت یہ ہے کہ طبیعت اس کی طرف مائل ہو اور لذت محسوس کرے۔ بغض اس کی ضد ہے۔ بغض یہ ہے کہ طبیعت نفرت کرے کیونکہ وہ چیز موافق طبع نہیں ہے۔ جس قدر لذّت زیادہ ہوگی محبت زیادہ

ہوگی۔ لذّت چشم دیکھنے میں، لذّت گوش سننے میں اور لذّت شم سونگھنے میں ہے۔ اسی طرح جملہ حواس اپنی لذّت سے محبت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''مجھے تمھاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں، خوشبو اور عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرما دیا کہ حواسِ خمسہ کی لذّتوں کے علاوہ ایک اور بھی محبوب و لذیذ چیز ہے کیونکہ نماز سے حواسِ خمسہ لذّت یاب نہیں ہوتے۔

باطنی بصیرت، ظاہری بصارت سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ دل آنکھ سے زیادہ ادراک کرتا ہے اور جمالِ معانیِ مدرکہ بالعقل، جمالِ صورتِ ظاہری سے زیادہ کامل و اکمل ہے لہٰذا قلب کو جو لذّت امورِ الٰہیہ کے ادراک سے حاصل ہوتی ہے وہ حواس کی لذّتوں سے بہت بلند ہے۔ اس لیے طبع سلیم کا میلان ادھر زیادہ ہوتا ہے۔ اس لذّت کا وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو درجہ بہائم میں ہے اور حواس سے آگے قدم نہیں اٹھا سکا۔

انسان کو سب سے زیادہ محبوب دوامِ نفس ہے کیونکہ اسے نفس سے بہت زیادہ مناسبت ہے۔ لہٰذا وہ اپنے نفس کے دوام کو چاہتا ہے۔ اس کے بعد انسان کو اپنے محسن سے زیادہ محبت ہوتی ہے کیونکہ انسان احسان کا غلام ہوتا ہے۔ کبھی انسان کو کسی چیز سے محبت اس کی ذاتی خوبی کی بنا پر ہوتی ہے۔ یہ محبت کی سب سے عمدہ قسم ہے کہ اس میں کوئی غرض شامل نہیں ہوتی۔ ہر جمال محبوب ہوتا ہے۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ خیالات میں محبوس انسان یہ خیال کرتا ہے کہ جمال صرف محسوسات و متخیلات میں ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ حسنِ جمیل ہر اس کمال سے تعلق رکھتا ہے جو حدّ امکان تک ہو۔ دیکھو، گھوڑے کو وہ چیزیں حسین بناتی ہیں جو آدمی کو حسین نہیں بناتی اور خط میں ایسی باتیں حسن پیدا کرتی ہیں جو آواز یا صورت پیدا نہیں کرتیں۔ یہ سب اشیاء محبوب ہیں۔ اگر چہ کوئی یہ خیال کرے کہ حسن ظاہر ہی میں ہوتا ہے۔ دیکھو اخلاق حسنہ، علم قدرت اور عقل سب حسین اور محبوب ہیں حالانکہ غیر محسوس ہیں۔ البتہ نورِ بصیرت سے ان کا ادراک ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی، اصحاب اور آئمہ مذہب کی محبت ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو مستحق محبت اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خالق و واہب ہے، پھر یہ کہ وہی دوام بقا اور سلامتی کا سبب ہے اور ہر حال میں محسن ہے۔ وہی جمیل و حسین ہے اور سارے جمال اسی کے عطیہ سے ہیں۔ جو شخص بھی انبیاء، صحابہ اور آئمہ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ مجموعہ اخلاقِ حسنہ تھے تو یہ سب اسی کی طرف سے اور اسی کے جمال سے تھے۔

آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کی طبیعت اسے اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہونے کی قدرت دیتی ہے۔ تخلقو با اخلاقِ اللہ دل میں ایک نورِ الٰہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کے نور سے منور ہے''۔ جمال سے ہر کوئی محبت کرتا ہے اور خدا سے زیادہ جمیل کوئی نہیں۔ بقدرِ ادراک لذّت ہے اور بقدرِ لذّت، محسوس ہے۔

فصل

مدرکات

مدرکات کی دو قسمیں ہیں: بعض وہ ہیں جو خیال میں آتی ہیں جیسے صورتیں اور بعض وہ ہیں جو خیال سے بالاتر ہیں جیسے ذاتِ باری اور ہر شے جو نہ جسم ہے نہ صورت۔ جیسے علم، قدرت اور ارادہ۔ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہیں پھر آنکھ بند کر لیتے ہیں تو اس کی صورت کو اپنے خیال میں حاضر پاتے ہیں گویا اس دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب آنکھ کھولتے ہیں تو دونوں میں فرق پاتے ہیں۔ یہ فرق صورتوں کے درمیان نہیں ہوتا بلکہ مزید کشف و وضوح میں ہوتا ہے۔ ایسے سمجھ لو کہ جیسے ہم کسی شخص کو اندھیرے منہ دیکھیں اور پھر اسی کو سورج نکلنے کے بعد دیکھیں تو دونوں میں فرق نہیں ہے البتہ واضح اور روشن ہونے کے اعتبار سے فرق ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی تو معلوم ہونا چاہیے کہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب تک نفس صفاتِ ذمیمہ سے محجوب رہتا ہے عالمِ حس و خیال سے بالا کی چیزوں کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ گویا یہ بند آنکھ کے لیے پلکوں کی مانند ہیں۔ جس قدر یہ صفات محو ہوتی ہیں اسی قدر کشف، وضوح، لذّت اور محبت کا اضافہ ہوتا ہے۔

اسبابِ حبِّ الٰہی

آخرت میں سب سے بڑا سعید وہ ہوگا جو اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا۔ کیونکہ آخرت کیا ہے اللہ کی طرف بڑھنا اور اس سے ملاقات کرنا۔ عاشق اپنے محبوب کی طرف بڑھے تو اس سے زیادہ طول انتظار کے بعد کیا نعمت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی چیز مزاحم بھی نہ ہو۔

زیادتی محبت کے دو سبب ہیں:

۱۔ دل کا ماسوا سے خالی ہونا کیونکہ جب کوئی برتن جس قدر خالی ہوگا اسی قدر اس میں چیز سما سکے گی۔ قطع علائق سببِ تجرید و تفرید ہے۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے، ''کہہ دو اللہ، پھر انھیں

چھوڑ دو''۔

۲۔ کمالِ معرفت ہے۔ پہلے سبب کی مثال ایسی ہے سمجھ لو جیسے کوئی زمین کو خس و خاشاک سے پاک کر دے اور دوسرے سبب کی مثال یوں سمجھ لو جیسے کوئی زمین میں بیج ڈال دے تو وہ پھلے پھولے اور اس سے شجرِ معرفت پیدا ہو یعنی کلمہ طیبہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''اس کی جڑ زمین میں اور شاخیں آسمان میں ہیں''۔ واللہ اعلم۔

فصل

شوق

محبت دل میں گھر کر لیتی ہے تو محبوب کی طرف اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر بہت سی آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت کعبؓ سے کہا، مجھے تورات کی سب سے خصوصی آیت بتایئے تو انھوں نے فرمایا اللہ کہتا ہے، ''ابرار کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت زیادہ ہے اور میرا شوق ان کی ملاقات کے لیے ان سے زیادہ ہے''۔ حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ اس کے برابر لکھا ہے، ''جو مجھے طلب کرتا ہے پاتا ہے اور جو غیر کو طلب کرتا ہے وہ مجھے نہیں پاتا''۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہؐ سے ایسا ہی سنا ہے۔

حضرت داؤدؑ کے بیان میں ہے کہ اللہ نے فرمایا، ''اے داؤد! اہلِ زمین کو یہ بات پہنچا دو کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اُس کا ہم نشین ہوں جو میرے پاس بیٹھتا ہے، اُس کا مونس ہوں جو میرے ذکر سے مانوس ہوتا ہے، اُس کا ساتھی ہوں جو میرے ساتھ رہتا ہے، اُس کو پسند کرتا ہوں جو مجھے پسند کرتا ہے اور اُس کا مطیع ہوں جو میری اطاعت کرتا ہے جو بندہ بھی دل کے ساتھ مجھ سے محبت کرتا ہے میں اُسے قبول کرتا اور اُس سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے نہیں بڑھتا، جس نے حق کے ساتھ مجھے طلب کیا پایا، اور جس نے غیر کو طلب کیا مجھے نہیں پا سکا لہٰذا اے اہلِ زمین! نیرنگی دنیا کو ٹھکرا دو اور میری کرامت و مصاحبت کی طرف بڑھو، میرے ساتھ انس کرو میں تمھارے ساتھ انس کروں گا اور تمھاری محبت کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔ میں نے اپنے احباب کی مٹی کو ابراہیم خلیل، موسیٰ کلیم اور محمد مصطفیٰ کی مٹی سے پیدا کیا ہے، اپنے مشتاقوں کے دلوں کو اپنے نور سے بنایا اور اپنے جلال سے زینت دی''۔

بعض سلفِ صالحین سے منقول ہے کہ اللہ نے بعض صدیقوں کی طرف وحی بھیجی کہ ''میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں اُن سے محبت کرتا ہوں، وہ میری طرف

مشتاق ہوتے ہیں اور میں ان کی طرف مشتاق ہوتا ہوں، وہ مجھے یاد کرتے ہیں، میں انھیں یاد کرتا ہوں، وہ مجھے دیکھتے ہیں اور میں انھیں دیکھتا ہوں، اگر تم ان کے طریق پر چلو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اگر ان سے منہ موڑو گے تو میں تم سے نفرت کروں گا''۔ اُنھوں نے دریافت کیا، ''پروردگار! ان کی کیا پہچان ہے؟'' فرمایا، ''وہ دن کو سایوں پر ایسی نگاہ رکھتے ہیں جیسے مہربان چرواہا اپنی بکریوں کی۔ غروب شمس کے منتظر رہتے ہیں جیسے پرندے غروب کے وقت اپنے آشیانوں کے۔ جب رات چھا جاتی ہے، تاریکی چھا جاتی ہے، بستر بچھائے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں جاتا ہے تو وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنے چہروں کو بچھا دیتے ہیں۔

میرے کلام کے ساتھ مجھ سے مناجات کرتے ہیں اور مجھ سے میرے انعام کے لیے خوشامد کرتے ہیں۔ کوئی آہ وزاری کرتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی شکوہ کرتا ہے، کوئی کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی بیٹھا تو کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں۔ میری وجہ سے وہ جو کچھ برداشت کرتے ہیں، میں دیکھتا رہتا ہوں اور میری محبت میں جو شکوے کرتے رہتے ہیں میں سنتا رہتا ہوں سب سے پہلے میں انھیں تین چیزیں دیتا ہوں:

۱۔ اپنا نور ان کے قلوب میں ڈالتا ہوں تو وہ میرے بارے میں خبر دیتے ہیں جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔

۲۔ اگر آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان کی ترازو میں ڈال دیا جائے تو میں اسے ان کے لیے کم ہی سمجھتا ہوں۔

۳۔ میں خود ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں جس کی طرف التفات کرتا ہوں اسے کیا دینا چاہتا ہوں؟''

حضرت داؤدؑ کے بارے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی، ''اے داؤد کب تک جنت کا ذکر کرو گے اور میری محبت کا سوال نہیں کرو گے؟'' حضرت داؤدؑ نے دریافت کیا، ''پروردگار! تیرے مشتاق کون لوگ ہیں؟'' فرمایا، ''میرے مشتاق وہ ہیں جنھیں میں نے ہر کدورت سے پاک کر دیا ہے، انھیں پرہیز گاری دی اور ان کے دلوں میں ایک روشندان رکھ دیا ہے جس سے وہ میری طرف دیکھتے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ سے ان کے دلوں کو اٹھاتا ہوں اور اپنے آسمان پر رکھتا ہوں۔ پھر اپنے شریف ترین ملائکہ کو بلاتا ہوں، وہ جمع ہو جاتے ہیں تو مجھے سجدہ کرتے ہیں، میں کہتا ہوں سجدہ کرنے کے لیے نہیں بلایا بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ مشتاقوں کے دل پیش کرو اور اہل شوق سے فخر کرو۔

ان کے دل میرے آسمان میں ملائکہ کو ایسے چمکتے دکھائی دیتے ہیں جیسے سورج اہل زمین کے لیے چمکتا ہے۔ اے داؤد! میں نے مشتاقوں کے دل اپنی رضا سے ترکیب دیئے ہیں، انھیں اپنے چہرے کے نور سے جلا بخشی، انھیں اپنے ساتھ باتیں کرنے والا بنایا۔ زمین پر ان کے جسموں کو اپنا محل نظر بنایا اور ان کے دلوں میں ایک راہ بنائی جس سے وہ میری طرف دیکھتے ہیں اور مزید اشتیاق حاصل کرتے ہیں۔''

حضرت داؤدؑ نے کہا پروردگار مجھے اپنی محبت والے دکھا،'' فرمایا اے داؤد! لبنان پہاڑ پر جا وہاں چودہ آدمی ہیں۔ کچھ جوان، کچھ پختہ عمر والے، کچھ بوڑھے، جب وہاں جاؤ تو میرا اسلام پہنچاؤ اور کہو تم لوگ کیوں اپنی کسی ضرورت کے بارے میں سوال نہیں کرتے۔ تم تو میرے احباب، اصفیاء اور اولیاء ہو۔ میں تمھاری خوشی سے خوش ہوں گا اور تمھاری محبت کی طرف دوڑوں گا۔'' حضرت داؤدؑ گئے، انھیں ایک چشمے کے قریب پایا کہ عظمتِ الٰہی میں غور وفکر کر رہے ہیں۔ جب انھوں نے حضرت داؤدؑ کو دیکھا تو منتشر ہو گئے۔ حضرت داؤدؑ نے کہا میں تمھارے پاس اللہ کا قاصد بن کر آیا ہوں تو وہ آگے بڑھے اور نیچی نگاہیں کیے ان کی بات غور سے سننے لگے۔ حضرت داؤدؑ نے کہا میں اللہ کا قاصد ہوں، اللہ تمھیں سلام کہتا ہے۔ اور کہتا ہے ''اپنی کسی ضرورت کے بارے میں سوال کیوں نہیں کرتے ہو، مجھے کیوں نہیں پکارتے ہو؟ کہ تمھاری آوازیں اور تمھاری باتیں سنوں اور تمھاری طرف ہر دم مادرِ مہربان کی طرح شفقت بھری نگاہوں سے دیکھوں''۔ یہ سن کر سب کے آنسو رخساروں پر جاری ہو گئے۔ ان میں سے ایک بوڑھا کہنے لگا، سُبحَانَکَ سُبحَانَکَ، ہم تیرے غلام اور غلاموں کی اولاد ہیں، ہمیں بخش دے کہ ہم پچھلی زندگی میں تجھے یاد نہ کر سکے۔ دوسرا بولا سبحانک سبحانک ہم تیرے غلام اور غلاموں کی اولاد ہیں ہم پر حسنِ نظر کے ساتھ احسان کر، تیسرا بولا، سبحانک سبحانک ہم تیرے غلام اور تیرے غلاموں کی اولاد ہیں، کیا ہم دعا مانگنے پر جرات کر سکتے ہیں، تجھے تو معلوم ہے ہمیں اپنے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، بس ہمیں اپنی راہ پر چلائے جا اور یہ احسان پورا کر دے۔ چوتھا بولا، ہمیں نطفہ سے پیدا کیا اور ہم پر یہ احسان عظیم کیا کہ اپنی عظمت کے بارے میں غور کرنے کی صلاحیت دی۔ کیا وہ شخص جرات کر سکتا ہے جو تیری عظمت کے ساتھ مشغول ہو، تیرے جلال میں غور کرتا ہو اور اپنے نور سے سرفراز فرمایا ہو؟ پانچواں کہنے لگا، زبانیں تیرے قرب تیری محبت اور تیری عظمت شان کی وجہ سے دعا سے گونگی ہو گئی ہیں۔ چھٹا بولا، تو نے اپنے ذکر کی طرف ہمارے دلوں کع ہدایت دی اور اپنے ساتھ مشغول کیا، ہماری کوتاہی شکر کو بخش دے۔ ساتویں نے کہا، تو ہماری ضرورت سے واقف ہے بس تجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ آٹھویں نے کہا، جو کچھ تو نے دیا ہے ہم اس نعمت کی تکمیل چاہتے ہیں۔ نواں

بولا، ہمیں مخلوق سے غرض نہیں اپنا دیدار دے دے۔ دسواں بولا، میں یہ سوال کرتا ہوں کہ دنیا و آخرت کی طرف سے اندھا ہو جاؤں۔ گیارہویں نے کہا، ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ مشغول رکھ اور ہر چیز سے غافل کر دے۔ بارھویں، تیرھویں اور چودھویں نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں تو اللہ نے حضرت داؤدؑ کو وحی بھیجی ان سے کہہ دیجیے، میں نے تمھاری باتیں سنیں اور تمھاری دعائیں قبول کیں اب تم سب ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ اور ایک تہ خانے میں چلے جاؤ کیونکہ میں پردہ اٹھانے والا ہوں تاکہ تم میرے نور کو دیکھ سکو۔'' حضرت داؤدؑ نے سوال کیا پروردگار! انھیں یہ رتبہ کیسے ملا؟ فرمایا حسنِ ظن، ترکِ خلائق، خلوت اور مناجات سے، یہ وہ مقام ہے جس کا وہی لوگ سوال کرتے ہیں جنھوں نے دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ دیا، مجھی سے دل لگایا اور ساری مخلوق کو ٹھکرا کر میرے ہی ساتھ مشغول ہو گئے ہیں۔ ان پر مہربانی کرتا ہوں اور پردے اٹھا دیتا ہوں حتیٰ کہ وہ میری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی شخص آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ میں ہر گھڑی انھیں اپنی کرامت دکھاتا ہوں اپنے نورِ رخ سے قریب کرتا ہوں۔ اگر بیمار ہوتے ہیں تو عیادت کرتا ہوں جیسے مادرِ مہربان اپنے بچوں کی تیمارداری کرتی ہے۔ پیاسے ہوتے ہیں تو سیراب کرتا ہوں اور اپنے ذکر کا مزا چکھاتا ہوں۔ اے داؤد! جب میں کسی کے ساتھ ایسا کرتا ہوں تو اسے دنیا اور اہل دنیا سے اندھا کر دیتا ہوں۔ وہ ہر دم میرے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ وہ میرے پاس آنے کی جلدی کرتا ہے اور میں اسے مارنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ مخلوق میں میرا مطمعِ نظر ہوتا ہے۔ میرے سوا کسی کو نہیں دیکھتا اور میں اس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اے داؤد! میں جب اسے ایسی حالت میں دیکھتا ہوں کہ دبلا ہو گیا ہے، اس کا نفس، اس کا جسم اور اس کے اعضاء پگھل گئے ہیں تو میں اپنے ملائکہ اور اہل سمٰوٰت کے سامنے فخر کرتا ہوں۔ میری عزت و جلال کی قسم اے داؤد! میں اسے جنتِ فردوس میں جگہ دوں گا اور اس کے سینے کو اپنے دیدار سے ٹھنڈا کروں گا حتیٰ کہ وہ خوش رہے''۔

داؤد علیہ السلام کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے، میرے ان بندوں سے جو میری طرف متوجہ ہوتے ہیں کہہ دیجیے، اگر تم مخلوق سے حجاب میں ہو گئے اور میں تم سے بے حجاب ہو گیا تو تم نے کوئی نقصان نہیں اٹھایا۔ اگر تم دنیا سے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور میں نے تمھاری طرف ہاتھ بڑھا دیا تو تم خسارے میں نہیں رہے اور تمھیں مخلوق کی ناراضگی سے کوئی ضرر نہیں پہنچا اگر تم میری رضا کے طالب ہوئے۔

احوالِ حضرت داؤدؑ میں لکھا ہے کہ اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی ''تم خیال کرتے ہو کہ مجھ سے

محبت کرتے ہو، اگر ایسا ہی ہے تو دل سے محبتِ دنیا کو نکال دو کیونکہ کسی دل میں میری اور اس کی محبت جمع نہیں ہوتی، اے داؤد! میرے محبت کرنے والوں سے محبت خلوص سے کر، اہل دنیا سے میل ملاپ رکھ، اپنا قرض میرے ذمہ ڈال دے لوگوں کے ذمہ نہ ڈال، میں تیرا قائد و رہبر بنوں گا، بغیر مانگے دوں گا۔ مصیبتوں میں تیری مدد کروں گا کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اس بندے کو ضرور جزا دوں گا جو مجھ سے مستغنی نہیں ہے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ذلت و خوف کو تجھ سے دور کر دوں گا اور تیرے دل کو غنی کر دوں گا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ جو شخص اپنی ذات اور اپنے افعال کو نہیں دیکھتا میں اس کا وکیل بن جاتا ہوں۔ میری معرفت کی کوئی حد نہیں ہے۔ جب بھی تو اضافہ چاہے گا اضافہ کر دوں گا۔ بنو اسرائیل سے کہہ دے کہ میرے اور مخلوق کے درمیان رشتہ نسب نہیں ہے لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری ہی طرف رغبت کریں۔ میں وہ چیز دوں گا جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، کسی کان نے نہیں سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر گزری۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ اور دل کی آنکھ سے دیکھ۔ ان لوگوں کی طرف نہ دیکھ۔ جو میری طرف سے حجاب میں ہیں کہ ان کے دل میلے ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے عزت و جلال کی قسم کھائی ہے کہ اپنا ثواب اس بندے کے لیے کھول دوں گا جو میری اطاعت میں لگا رہتا ہے۔ اے داؤد! جنھیں تو تعلیم دیتا ہے ان سے تواضع کر اور مریدوں کے سامنے بڑا نہ بن۔ اگر میری محبت والے یہ جانتے کہ مریدوں کی میرے ہاں کیا عزت ہے تو ان کے لیے زمین بن جاتے۔ اے داؤد! اگر تو ایک مرید کو اس کی غفلت سے نکال دے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تو میں تجھے مجاہد بندہ لکھ دوں گا اور میں جسے مجاہد لکھ دیتا ہوں۔ اس پر نہ کبھی غم طاری ہوتا ہے نہ فاقہ۔ اے داؤد! میرے کلام کو مضبوطی سے تھام لے، اپنے لیے اپنے نفس سے توشہ حاصل کر، میرے بندوں کو میری رحمت سے مایوس نہ کر، میرے لیے اپنی خواہشات کو منقطع کر دے کیونکہ میں نے خواہشات کم زور بندوں کے لیے مقسوم کی ہیں۔ اس لیے کہ شہوتیں مناجات میں خلل ڈالتی ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو دنیا نہیں دیتا۔ اے داؤد! میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو نہ ملا جسے حبِ دنیا نے مدہوش کر دیا ہو کہ وہ تجھے اپنے شکر سے میری محبت سے روک دے۔ یہ راہ کے ڈاکو ہیں۔ ترکِ شہوت کے لیے روزے رکھ اور افطار کے وقت زیادہ مت کھا۔ اے داؤد! اپنے نفس سے دشمنی کر اور اسے شہوتوں سے روک۔ میرا محبوب بن جائے گا اور پردے اٹھ جائیں گے''۔ یہ ساری حکایتیں امکانِ شوق پر دلیل ہیں۔

اللہ کی بندوں سے محبت

اس پر بہت سی آیتیں اور احادیثِ نبویؐ دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر جہاد کرتے ہیں''۔ ''اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا اور گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی مانند ہے''، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو موت سے پہلے ان کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے لہٰذا پچھلے گناہوں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے گذشتہ کفر اسلام کے بعد بے اثر ہو جاتا ہے۔ اللہ جس سے محبت کرتا ہے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ فرماتا ہے، ''اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا''۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا، ''اللہ دنیا ان لوگوں کو دیتا ہے جن سے محبت کرتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جن سے محبت نہیں کرتا مگر ایمان محبت والوں کو ہی دیتا ہے''۔ نیز فرمایا، ''جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے اور جو تکبّر کرتا ہے اللہ اسے گرا دیتا ہے اور جو بکثرت ذکرِ خدا کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس کی آنکھ اور کان بن جاتا ہے، جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے''۔

حضرت زین بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ کہہ دیتا ہے'' جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ فرماتا ہے بندہ میری طرف نوافل سے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں''۔ اللہ کی محبت کی یہ علامت ہے کہ اسے دوسروں سے نفور کر دیتا ہے اور اس کے سارے اسباب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور جب بہت محبت کرتا ہے تو مال و اولاد سے محروم کر دیتا ہے''۔

حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ سواری کے لیے گدھا کیوں نہیں خرید لیتے؟ فرمایا میں گوارا نہیں کرتا کہ گدھا مجھے خدا سے غافل کر دے۔ حدیث پاک ہے، ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو ابتلا میں مبتلا کر دیتا ہے، اگر صبر کرتا ہے تو اسے چن لیتا ہے اور اگر راضی رہتا ہے تو برگزیدہ کر دیتا

ہے''۔

صوفیاء نے کہا ہے، اللہ کی محبت کی یہ نشانی ہے کہ انسان اپنے محبوب کو اس کے محبوب پر قربان کر دیتا ہے، اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے اور خلوت و مناجات اس کے لیے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔

فضیلتِ رضا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے راضی''۔ حدیث پاک میں ہے، ''اللہ مومنوں کے لیے تجلّی کرتا ہے اور کہتا ہے، مجھ سے سوال کرو تو وہ کہتے ہیں، اپنی رضا دے''۔ ان کا رضا کا سوال کرنا انتہائی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا کہ تم لوگ کیا ہو؟ وہ بولے مومن، پوچھا تمھارے ایمان کیا کیا علامت ہے؟ بولے بلاء میں صبر کرتے ہیں، عیش میں شکر کرتے ہیں اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ فرمایا، ''رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو''۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا، ''تم لوگ حکماء و علماء ہوا پنے تفقہ کی وجہ سے قریب ہے کہ انبیاء ہو جاؤ''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پروردگار! مجھے ایسا کام بتا جس میں تیری رضامندی ہوتا کہ عمل کروں؟ اللہ نے وحی بھیجی، ''میری رضا اس چیز میں ہے، جس سے تو کراہت کرتا ہے تو اس چیز پر صبر ہی نہیں کرتا جو تجھے ناپسند ہوتی ہے حضرت عیسیٰؑ نے عرض کی پروردگار! بتا دے وہ کیا چیز ہے؟.......... فرمایا ''رضا بقضا'' معلوم ہونا چاہیے کہ رضا، اللہ کا سب سے بڑا دروازہ ہے جس شخص نے ادھر راہ پائی وہ اعلیٰ درجہ و رُتبہ پر ہے''۔

فصل

حکایاتِ محبّین

حضرت ابوتراب بخشیؒ اپنے ایک مرید سے بہت ہی خوش تھے۔ اسے اپنا قرب دیتے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ مرید اپنی عبادت و احوال میں مشغول رہتا تو حضرت ابوترابؒ نے ایک دن اس سے کہا کہ کاش تو حضرت بایزیدؒ کی زیارت کر لیتا۔ مرید نے کہا مجھے بایزیدؒ سے ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ جب حضرت ابوترابؒ نے بار بار تقاضا کی تو مرید کو غصہ آ گیا بولا، افسوس میں بایزیدؒ کا کیا کروں گا میں نے تو اللہ کو دیکھ لیا ہے، اس نے مجھے بایزیدؒ کی ملاقات سے بے نیاز کر دیا ہے، تو

حضرت ابوترابؒ کو غصہ آ گیا بولے تو اللہ پر نہ جانا اگر تو ایک بار بایزیدؒ کو دیکھ لے تو ستر بار زیادہ خدا کے دیکھنے سے تجھے نفع ہو۔ مرید یہ سن کر حیران رہ گیا اور یہ بات اسے ناگوار گزری۔ کہنے لگا یہ کیسے؟ حضرت ابوترابؒ نے کہا، تجھ پر افسوس! تو اللہ کو دیکھتا ہے تو تیری مقدار کے بقدر اس کی تجلی ہوئی ہے اور بایزیدؒ کے لیے اس کے مرتبہ کے برابر۔ تو وہ مرید سمجھ گیا اور کہنے لگا مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ چنانچہ دونوں روانہ ہوئے اور ٹیلے پر بایزید کا انتظار کرنے لگے۔ وہ ایسی جھاڑی میں رہتے تھے جہاں درندے تھے۔ وہ آئے ایک پوستین پیٹھ پر پڑی تھی۔ حضرت ابوترابؒ نے مرید سے کہا، دیکھ یہ بایزید ہیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا، ہلایا تو مر چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے دفن کر دیا۔ حضرت ابوترابؒ نے حضرت بایزیدؒ سے کہا آپ کی ایک نظر نے اسے مار ڈالا۔ فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کا مرید صادق تھا۔ اس کے قلب میں ایک راز تھا جو اس سے کھل نہ سکا تھا۔ جب ہمیں دیکھا تو کھل گیا برداشت نہ کر سکا کیونکہ کم زور مریدوں کے مقام میں تھا لہٰذا مر گیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے ایک پیغمبر کو وحی بھیجی "میں اسے دوست بناتا ہوں جو میرے ذکر سے کوتاہی نہیں کرتا، میرے سوا اس کا کوئی نہیں ہوتا اور کوئی مخلوق اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اگر آگ میں بھی جلا دیا جائے تو متاثر نہ ہو اور اگر رندوں سے چھیل دیا جائے تو پتا نہ چلے"۔

جس پر محبت کا اتنا غلبہ نہ ہو تو پھر کیا کرامات و مکاشفات، یہ سب محبت سے ورے ہیں اور محبت ایمان سے ورے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی تین سو خصلتیں ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے ایمان کے ساتھ رکھتا ہوگا جنت میں داخل ہوگا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھ میں کوئی خصلت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، "ابوبکر تم میں سب ہیں اور خدا کو سب سے زیادہ محبوب سخاوت ہے"۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا، "میں نے آسمان سے ایک ترازو لٹکتی دیکھی، میں ایک پلڑے میں بٹھا دیا گیا اور امت ایک پلڑے میں تو میرا پلڑا جھکا رہا اور ابوبکر کو ایک پلڑے میں بٹھایا گیا اور میری امت کو ایک میں تو ابوبکر کا پلڑا بھاری رہا"۔ اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کو اتنی محبت تھی کہ غیر اللہ کے لیے جگہ ہی نہ تھی۔ اس لیے فرمایا اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر میں تو اللہ کا دوست ہوں۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں، "محبت، لذت میں مدہوشی ہے اور تعظیم میں حیرت ہے"۔ نیز فرمایا، "شوق نارِ الٰہی ہے جسے اس نے اپنے اولیاء کے دلوں میں مشتعل کیا ہے تاکہ جو کچھ بھی خواطر، ارادے، حاجات و عوارض ہیں سب جل جائیں"۔

باب ۳۷

نیت، اخلاص، صدق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "ان لوگوں کو اپنے سے پرے نہ کرو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ وہ اسی کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ ارادے سے مراد نیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "اعمال نیتوں سے ہیں"۔ نیز فرمایا، "لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ جسے اللہ نے مال و علم دیا تو اپنے علم کے مطابق مال کو خرچ کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی کہتا ہے اگر مجھے اللہ اسی جیسا دیتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا ان دونوں کا اجر ایک جیسا ہے۔"

حدیث پاک ہے، "جب دو مسلمان شمشیر زن ہوتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں آگ میں جاتے ہیں"۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک تو قاتل ہے، مقتول نے کیا جرم کیا؟ فرمایا کیونکہ اس نے بھی اپنے بھائی کے قتل کا ارادہ کیا تھا"۔ نیز فرمایا، "جس کسی نے غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائی قیامت کے دن اس کی خوشبو مردار سے زیادہ بدبودار ہوگی اور جس نے خدا کے لیے لگائی قیامت کے دن مشک سے بھی زیادہ خوش بودار ہوگی"۔

حقیقت نیت

نیت، ارادہ اور قصد کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یہ قلب کی ایک حالت ہے جو علم و عمل سے مخلوط ہوتی ہے۔ علم اس کے لیے تمہید و شرط ہے اور عمل اس کا اتباع کرتا ہے۔ لہٰذا نیت عبادت ہے اس ارادے سے جو علمِ سابق اور عملِ لاحق کے درمیان ہوتا ہے۔ انسان پہلے جانتا ہے پھر ارادہ کرتا ہے تاکہ علم کے مطابق عمل کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاسق کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بری ہے"۔ اگر عمل بلا نیت اور نیت بلا عمل کا مقابلہ کیا جائے تو بلا شک و شبہ بغیر عمل کے نیت عمل بے نیت سے بہتر ہوگی اور اگر عمل سے اس نیت کا مقابلہ کیا جائے جو عمل سے پہلے تھی، تب بھی نیت ہی بہتر ہوگی کیونکہ یہی تو ارادہ ہے جو علم سے پھوٹتا ہے، یہ دل سے بہت زیادہ قریب ہوتی ہے، بہرحال مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اعمال کی تین قسمیں ہیں: معاصی، طاعات اور مباحات۔ جو چیز معصیت ہے نیت سے عبادت

نہیں بن سکتی۔ طاعتوں میں نیت ضروری ہے لہٰذا بغیر نیت کے وہ طاعت نہیں بن سکتیں۔ پھر دوام حسن نیت سے طاعت کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک عمل، فعل واحد ہوتا ہے مگر حسن نیت سے کئی عبادتیں بن جاتی ہیں۔ جیسے کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر زیارتِ الٰہی کی نیت کرے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو مسجد میں بیٹھا اس نے اللہ کی زیارت کی اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر زائر کا اکرام واجب ہوتا ہے اور نماز کا بھی انتظار کرے (نماز کا منتظر گویا نماز میں مشغول ہوتا ہے) اور مسجد میں اعتکاف کی نیت کرے اور اعضاء کو معاصی سے روکنے کی نیت کرے اور ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن کی نیت کرے تو یہ ساری نیکیاں ایک ہی نیت سے اکتساب کی جاسکتی ہیں۔

مباحات، حسنِ نیت سے طاعتیں بن جاتے ہیں لہٰذا اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ اس سے سارے حرکات وسکنات عبادت بن جاتے ہیں۔ اس طرح عمر کا ایک لحظہ بھی ضائع نہیں جاتا اور انسان بہائم سے بھی ممتاز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کیف ما اتفق کا کر گزرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ''روز قیامت بندے سے ہر بات کے بارے میں سوال کیا جائے گا حتیٰ کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے، انگلیوں پر مٹی کے ذرات لگ جانے اور اپنے بھائی کا کپڑا پہننے سے بھی، جس کسی نے اعمال کو مطابق نیت بنایا اور بھلائی کی نیت کی وہ مقربین سے ہوگا''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ کوئی بات بغیر پرکھے بوجھے نہیں کہتا۔

ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک چٹھی لکھی تو ارادہ کیا کہ پڑوسی کی دیوار سے اس پر خاک چھڑک دوں مگر باز رہا۔ پھر سوچا مٹی ہی تو ہے اور مٹی کی کیا قیمت، لہٰذا اس پر دیوار سے مٹی ڈال دی تو ہاتف نے ندا دی، اس شخص کو جس نے مٹی کو حقیر جانا عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیسے حساب لیا جائے گا۔

حضرت امام ثوریؒ نے ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھی۔ دیکھا کہ لباس الٹا پہن رہا ہے تو درست کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ اس سے پوچھا تو نے الٹا کیوں پہن رکھا ہے۔ اس نے کہا میں نے جامہ اللہ کے لیے پہنا ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کے لیے اسے درست کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں روز حشر ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کو پکڑے گا تو وہ کہے گا میں نے کیا کیا تھا؟ وہ کہے گا تو نے میری دیوار سے اینٹ نکالی تھی اور میرے کپڑے سے دھاگا کھینچا تھا۔

نیت پر اختیار نہیں ہوتا

بعض ناواقف نیت کے بارے میں یہ بیان پڑھیں گے تو کہیں گے میں اللہ کے لیے درس دیتا

ہوں، میں اللہ کے لیے تجارت کرتا ہوں، میں اللہ کے لیے کھاتا ہوں، حالانکہ نیت تو بڑی دور کی بات ہے یہ تو حدیثِ نفس ہے اور خیال سے دوسرے خیال کی طرف منتقل ہونا ہے۔

نیت دراصل، دل کے میلان اور شوق کا نام ہے جو غرض مطلوب کے لیے پیدا ہوتا ہے اور باطن میں ہوتا ہے۔ یہ تکلیف وکسب سے حاصل نہیں ہوتا، جیسے ایک پیٹ بھرا کہے میں نے بھوکے رہنے کی نیت کی ہے۔ بھوک کی وجہ سے کھانے کی نیت کی ہے یا ایک بے محبت دل والا کہے میں عشق کرنے کی نیت کی ہے، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، مگر دل میں عشق کا جذبہ نہیں تو کیسے عشق حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تک پہلے سے اس کا سبب موجود نہ ہو جائے نفس کے ہیجان کو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثال نکاح سی ہے کہ کوئی شخص غلبہ شہوت کی بنا پر نکاح کرے، پھر بہ تکلف اقتدائے رسول اور ولد صالح کی نیت کا اعلان کرے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ باطن میں تو شہوت ہی کارفرما ہے۔

بعض سلفِ صالحین عبادت سے پیچھے ہٹ گئے کیونکہ نیت نہ تھی۔ حضرت ابن سیرینؒ، حضرت حسن بصریؒ کے لیئے دعا کرنے سے پیچھے ہٹ گئے، جب پوچھا گیا تو کہا کہ نیت نہ تھی۔ حضرت حماد بن سلیمانؒ کوفہ کے بڑے عالموں سے تھے۔ حضرت امام ثوریؒ سے کہا گیا کہ آپ ان کے جنازے میں کیوں شریک نہیں ہوئے، فرمایا اگر نیت ہوتی تو شرکت کرتا۔ حضرت طاؤسؒ بغیر نیت کے حدیث بیان نہ کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے حدیث بیان کرو تو کہتے، کیا بغیر نیت کے حدیث بیان کر دوں؟ ان سے کہا گیا ہمارے لیے دعا کیجیے، بولے جب نیت ہوگی تب کر دوں گا۔

اخلاص

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''انھیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں۔ سنو دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے'' (الزمر: ۳)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ارشاد ہے، ''اخلاص میرے اسرار سے ہے جس بندے سے محبت کرتا ہوں اس کے دل میں ودیعت کرتا ہوں'' (البیّنۃ: ۵)۔

بنو اسرائیل میں ایک عابد مدّت سے عبادت کیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے پاس آئے اور کہنے لگے یہاں کچھ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایک درخت کو پوجتے ہیں تو وہ غضب ناک ہو گیا۔ اپنی کلہاڑی لی اور درخت کو کاٹنے چلا۔ سامنے ابلیس بوڑھے آدمی کی شکل میں آیا اور کہا کہاں چلے، بولا اس درخت کو کاٹنے۔ شیطان نے کہا تجھے کیا تو نے اپنی عبادت اور اپنے نفس کو چھوڑا اور غیروں کے لیئے چل دیا، وہ بولا یہ بھی عبادت ہے شیطان نے کہا میں کاٹنے نہ دوں گا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی تو عابد

شیطان کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ابلیس نے کہا ذرا میری ایک بات سن لو۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ شیطان بولا، اللہ نے تیرے ذمے یہ فرض نہیں لگایا تو درخت کی عبادت نہیں کرتا، دوسروں سے تجھے کیا غرض؟ اللہ کے سیکڑوں نبی ہیں وہ چاہتا تو کسی کو بھیج دیتا اور وہ وہاں کے لوگوں کو کاٹنے کا حکم دے دیتا۔ عابد بولا میں تو ضرور کاٹوں گا۔ دونوں پھر گتھم گتھا ہو گئے۔ عابد پھر غالب آیا اور سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ابلیس عاجز آ گیا تو بولا کیا کوئی فیصلہ کن بات سننا چاہتے ہو؟ جو تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔ اس نے چھوڑ دیا۔ ابلیس بولا تو ایک فقیر آدمی ہے، تیرے پاس کچھ بھی نہیں، لوگوں پر بوجھ ہے شاید تو یہ چاہتا ہے کہ مالدار بن جائے؟ عابد بولا ہاں، شیطان نے کہا تو واپس چلا جا اور میں ہر رات تیرے سرہانے دینار رکھ دیا کروں گا، تو اپنے اور اپنی عیال پر خرچ کرنا اور غریبوں کو صدقہ دینا۔ یہ تیرے اور لوگوں کے لیے زیادہ نافع ہوگا کہ درخت کاٹے اور لوگ اس کی جگہ اور لگا ئیں۔ عابد نے غور کیا کہنے لگا بڈھے نے صحیح کہا، میں کوئی نبی نہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہو اور نہ کروں گا تو گنہگار ٹھہروں گا لہٰذا اس سے معاہدہ کر لیا اور اپنے حجرے میں لوٹ آیا۔ صبح ہوتے دو دینار دیکھے تو اٹھا لیے۔ اگلے دن اور اس سے اگلے دن بھی ایسا ہوا۔ مگر پھر کچھ بھی نہ ملا تو بڑا غصہ آیا اور کلہاڑی لے کر چل دیا۔ بوڑھا پھر ملا پوچھا کہاں؟ کہا درخت کاٹنے، وہ بولا تو جھوٹا ہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ عابد نے اسے مارنا چاہا مگر بچھاڑ نہ سکا۔ ابلیس اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور کہا باز آ جاؤ ورنہ قتل کر دوں گا۔ عابد نے کہا مجھے چھوڑ دے اور یہ بتا تو کیسے غالب آ گیا؟ ابلیس نے کہا پہلی بار تو اللہ کے لیے غضب ناک ہوا تھا لہٰذا اللہ نے تجھے غالب کر دیا اور اب اپنی ذات اور دنیا کے غضب ناک ہوا اس لئے میں غالب رہا۔ یہ حکایت اللہ کے قول اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِيْنَ کی تصدیق کرتی ہے۔ (ص ۳۸: ۸۳) حضرت معروف کرخیؒ اپنے آپ کو پیٹتے اور کہتے "اے نفس! خلوص کر خلاصی پا جائے گا"۔

حقیقت اخلاص

معلوم ہونا چاہئے کہ ہر شے میں ملاوٹ کا شائبہ ہو سکتا ہے،۔ جب ملاوٹ سے صاف ہو تو کہتے ہیں یہ خالص ہے اور اس فعل کو اخلاص کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "گوبر اور خون کے درمیان خالص عمدہ دودھ پینے والوں کے لئے ہے"۔ جب عمل ریا سے خالص ہو جائے تو خالص اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔

اقوال مشائخ

حضرت سوسیؒ فرماتے ہیں، "اخلاص یہ ہے کہ اخلاص کو بھی نہ دیکھے کیونکہ جو شخص اخلاص پر نظر

رکھتا ہے اس کے اخلاص کے لیے ایک اور اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے"۔ حضرت سہل تستریؒ سے پوچھا گیا کونسی چیز نفس پر زیادہ گراں ہے؟ فرمایا اخلاص، اس لیے کہ نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اخلاص یہ ہے کہ بندے کی حرکات و سکنات اللہ کے لیے ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اخلاص کدورتوں سے اعمال کا صاف کرنا ہے۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں "لوگوں کی وجہ سے ترک عمل کرنا ریا ہے اور لوگوں کے دکھانے کو عمل کرنا شرک ہے، اخلاص یہ ہے کہ اللہ دونوں سے پاک رکھے"۔ بعض صوفیا نے کہا ہے، اخلاص، دوام مراقبہ اور ہر قسم کے حظ سے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

حقیقت صدق

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، "ایسے لوگ جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں صادق رہے"۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے، "صدق نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف، انسان صادق العمل رہتا ہے حتیٰ کی صدیقوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور کذب، فجور کی طرف ہدایت کرتا ہے اور فجور نار کی طرف، انسان جھوٹ پر عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ بطور تعریف ارشاد فرماتا ہے، "یاد کرو ابراہیم کو وہ نبی صدیق تھے"۔

صدق کا لفظ چھ مقامات پر بولا جاتا ہے۔ صدق قولی، صدق ارادہ، صدق عزم، صدق وفا، صدق علم، صدق مقاماتِ دین۔ جو شخص ان سب کے ساتھ متصف ہو وہ صدیق ہے اور جو بعض کے ساتھ متصف ہو وہ صادق ہے۔ صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے۔

باب ۳۸

مراقبہ ومحاسبہ

قیامت کے حساب کتاب پر ایمان رکھنا محاسبہ کو دعوت دیتا ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، ’’حساب لیے جانے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔‘‘ اللہ فرماتا ہے۔ ’’ہم قیامت کے دن انصاف سے تولیں گے۔ کسی نفس پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اگر رائی برابر بھی کہیں ہوگا تو ہم اسے نکال لائیں گے اور ہم بڑے محاسبے والے ہیں‘‘۔ ’’کیا ہوگیا ہے اس کتاب کو کہ چھوٹی بڑی چیز اس میں لکھی ہے جان لو کہ تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اسے جانتا ہے اس سے ڈرو۔ جو شخص خواطر اور نگاہوں پر اپنا حساب کرے گا قیامت کے دن اس کی حسرت کم ہوگی، اور جو محاسبہ نہیں کرے گا ہمیشہ حسرت کرے گا اور میدانِ قیامت میں اسے دیر تک کھڑا رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ’’اے ایمان والوں! صبر کرو اور ثابت قدم رہو،‘‘ لہٰذا اپنے نفوس کا مرابطہ کرو، اولاً مشارطہ سے پھر مراقبہ سے، بعد ازاں محاسبہ سے، پھر معاقبہ سے پھر مجاہدہ سے اور پھر معائنہ سے، یہ چھ مقامات ہیں ان کی تشریح حسب ذیل ہے۔

راہ آخرت میں عقل تاجر ہے اور نفس اس کا شریک ہے کیونکہ اسی کی مدد سے عقل مقصود تک پہنچتی ہے۔ لیکن یہ شریک، امانتدار نہیں ہے۔ اگر اسے اس کی رائے پر چھوڑ دیا جائے البتہ حیا اور ریا کے لیے کچھ کر لیتا ہے لہٰذا عقل کو اول اس کے مشارطہ کر ضرورت پڑتی ہے پھر مراقبہ کی اور اس کے بعد معاقبہ کی اس مقصد کے لیے وہ اس پر ڈیوٹی لگاتی ہے، کچھ شرائط مقرر کرتی ہے، سیدھی راہ دکھاتی ہے اور معاملہ کو اس پر واجب کر دیتی ہے۔

دوسرا مقام مراقبہ ہے، کیونکہ جب نفس، شریکِ خائنِ ٹھہرا تو اسے ایک لحظہ بھی بغیر نگرانی کے نہیں چھوڑا جا سکتا تا کہ خیانت کر کے سرمایہ کو برباد نہ کردے چہ جائیکہ نفع حاصل ہو لہٰذا علی الدوام سکنات، حرکات اور ملاحظات میں مراقبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ’’اللہ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر ایسا نہیں کر سکتے تو وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔‘‘ حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں، ’’مراقبہ ہر لحظہ اور ہر لفظ پر مراعاتِ سر کا نام ہے۔‘‘

تیسرا مقام عمل کے بعد نفس کا محاسبہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ حدیث میں ہے، چاہیے کہ عاقل کے لیے چار گھڑیاں دن میں سے ایک

ساعتِ محاسبہ ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ اپنے قدموں پر رات گئے دُرّے مارا کرتے تھے اور کہتے اے نفس! آج تو نے کیا کیا؟

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ ہر دن کے اختتام پر اعمالِ یومیہ کا نفس سے حساب لینا چاہیے

چوتھا مقام معاقبہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر محاسبہ سے پتہ چلے کی نفس نے کوتاہی کی ہے تو اسے بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے کیونکہ اگر سزا نہ دی جائے گی تو وہ باآسانی ارتکاب معاصی و ترکِ طاعت کرے گا۔ اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے ایک بھی لقمہ شبہ والا کھالیا ہے تو بھوک کو سزدی جائے گی، اگر غیر محرم کو دیکھا ہو تو نگاہ کو روکے رکھنے اور ترک خواب سے سزا دے اسی طرح ہر غصہ کو مناسب سزا دے۔ سالکینِ طریقِ آخرت سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

پانچواں مقام مجاہدہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ نفس کی خیانت ظاہر ہو تو اسے سزا دے مگر شاید وہ برداشت نہ کر سکے یا اطاعت نہ کرے تو مجاہداتِ شاقہ کرے مثلاً اگر جماعت چھوڑ دے یا نوافل نہ پڑھے تو ساری رات نہ سونے دے اگر اس پر بھی تیار نہ ہو تو ایسی آیتیں اور حادیث تلاوت کرو جو مجاہدے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

چھٹا مقام معاقبہ ہے، معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ نفس ہے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے کیونکہ یہ امارہ بالسوٗ شر کی طرح مائل ہو اور بھلائی سے بھاگنے والا ہے اور تم اس کے مجاہدے، زبردستی رب کی عبادت پر لگانے، عبادت کے ذریعہ تزکیہ کرنے اور ترک شہوت پر مامور ہو، اگر چھوڑ دو گے تو سرکشی کرے کے غالب آجائے گا اور پھر تماہری نہیں مانے گا۔ اگر برابر معاتبہ و ملامت رکھو گے تو شاید مان جائے اور لوآمہ کے درجے پر فائز ہو جائے۔ اس سے بھی ترکی کی جائے تو مطمعنہ بن جائے اور عباد اللہ راضیۃ مرضیۃ داخل ہو جائے۔ لہذا اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور دوسروں کو واعظ و نصیحت کے پیچھے نہ پڑو جب تک اس سے فارغ نہ ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، اے ابن مریم! اپنے نفس کو وعظ کر اگر تو نے نصیحت قبول کر لی ہے تو پھر لوگوں کو وعظ و پند کرو ورنہ مجھ سے شرم کرو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تذکیر کرو کیوں کہ تذکیر سے مومنوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

تم پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی طرف توجہ کرو اسے احمق، جاہل اور مغرور ٹھیراؤ اسے کہو تو سب سے جاہل ہے شرم نہیں آتی کہ دوسروں کو احمق اور جاہل کہتا ہے تو یا جنت میں جائے گا یا دوزخ میں تو لہو ولعب اور ہنسی ٹھٹھے میں کیوں مشغول ہے جب کہ تجھ سے ایسے امرِ عظیم کا خطاب کیا گیا ہے، شاید تو

موت کو دور سمجھتا ہے حالانکہ وہ قریب ہے شاید، آج کے دن یا آج کی رات یا کل آجائے بہر حال جو چیز آنے والی ہے قریب ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ موت اچانک آجاتی ہے۔

کہتے ہیں منصور بن عمارؒ نے کوفہ میں ایک رات کسی عابد کو مناجات کرتے سنا کہ کہتا ہے اے رب! تیری عظمت کی قسم میں نے معصیت سے تیری مخالفت کا ارادہ نہیں کیا اور نافرمانی کی تو نافرمانی کا ارادہ نہیں کیا کہ تیرے مقام سے واقف ہوں یا تیری عقوبت کی پرواہ نہ کرتا ہوں یا تجھے کچھ نہ سمجھتا ہوں مگر میرے نفس نے دھوکا دیا، بدبختی نے اس کی مدد کی اور تیری پردہ داری نے غافل کر دیا لہٰذا اپنی جہالت سے نافرمانی کی اور اپنے عمل سے تیری مخالفت کی۔ اب تیرے عذاب سے مجھے کون چھڑا سکتا ہے۔ اگر تیرا سہارا منقطع کردوں تو کس کا سہارا پکڑوں؟ ارے میری بدبختی کہ جب تیرے سامنے کھڑا ہوں گا تو ہلکے پھلکے لوگوں سے کہا جائے گا گزر جاؤ اور بھاری بوجھ والوں سے کہا جائے گا ٹھیر جاؤ پتا نہیں ان کے ساتھ رہوں گا یا ان کے، افسوس جتنی عمر زیادہ ہوئی گناہ بڑھتے گئے تو کب تک توبہ نہ کروں کیا وقت نہیں آیا کہ رب سے شرم کروں۔

اب تمھارے لیے دو راستے ہیں: ایک راستہ معاتبہ نفس کا اور دوسرا مناجات رب کا کہ وہ تمہاری مدد کرے، شاید اپنے فضل سے نفس کے شر سے چھڑا دے۔

باب ۳۹

تفکّر

حدیث میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر سال کی عبادت سے افضل ہے۔ آیات و احادیث تفکر و تدبر اور غور وفکر و عبرت حاصل کرنے کے بارے میں بہت سی ہیں کیونکہ یہ مفتاح انوار مبدائے استبصار اور علوم کے لیے جان کی مانند ہے۔ اس کی فضیلت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے، تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''وہ لوگ خلق سمٰوت وارض میں غور وفکر کرتے ہیں''، حضرت ابن عباس نے فرمایا بعض لوگوں نے اللہ کی ذات کے بارے میں غور وفکر کیا۔ تو رسول اللہ نے فرمایا، خلقِ الٰہی میں غور کرو۔ ذات باری میں غور نہ کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

ایک دن رسول اللہؐ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو تفکر تدبر میں مصروف تھے، دریافت فرمایا تم لوگ بولتے کیوں نہیں ہو؟ وہ بولے ہم خلق الہٰی میں غور کر رہے ہیں، فرمایا اس طرح کیا کرو خلق میں غور کرو۔ اس کی ذات میں نہ کرو مغرب کی طرف ایک سپید زمین ہے جو نور سے منور ہے وہاں سورج چالیس دن میں پہنچتا ہے وہاں ایک مخلوق الہٰی ہے جس نے ایک پل کے لیے خدا کی نافرمانی نہیں کی، صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! کیا وہاں شیطان نہیں ہے؟ فرمایا وہ نہیں جانتے کہ شیطان پیدا ہوا ہے یا نہیں، صحابہ نے پوچھا اولاد آدم سے ہیں؟ کہا وہ نہیں جانتے کی آدم پیدا ہوئے یا نہیں۔

عطا کہتے ہیں ایک دن میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہ کے پاس گئے، وہ پردے کے پیچھے سے بولیں عبید ہماری زیارت کے لیے کیوں نہیں آتے؟ عرض کیا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے، ناغہ کر کے ملاقات کرو محبت زیادہ ہوگی۔ ابن عمیر نے کہا کوئی ایسی بات سنائیے جو آپ نے رسول اللہؐ کے بارے میں عجیب دیکھی ہو، تو وہ رو پڑیں فرمایا ان کی تو ہر بات عجیب تھی میری باری کی شب تشریف لائے حتیٰ کہ میرے جسم سے ان کا جسم چھو گیا فرمایا مجھے نماز پڑھنے دے پھر مشکیزے کی طرف گئے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اتنے روئے کہ داڑھی تر ہوگئی پھر سجدہ کیا حتیٰ کہ زمین بھیگ گئی پھر پہلو پر سو گئے حتیٰ کہ بلال نماز فجر کے لیے اطلاع دینے کو آئے پوچھنے لگے یا رسول اللہؐ! کیوں روتے ہو؟ جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا بلال تجھ پر افسوس!

رونے سے مجھے کیا چیز باز رکھتی ہے جب کہ آج رات اللہ نے یہ آیت اتاری ہے۔ "بے شک زمین و آسمان کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں اہل بینش کے لیے نشانیاں ہیں"۔ "پھر فرمایا اس پر افسوس ہے جس نے اسے ٹوکا اور غور نہ کیا۔

امام اوزاعیؒ سے دریافت کیا گیا۔ ان میں کیسے غور کیا جائے؟ کہا پڑھے اور سمجھے"۔ حضرت جنیدؒ نے کہا ہے، سب سے شریف ترین مجلس وہ ہے جہاں میدان توحید مفکرین جمع ہوں، نسیم معرفت کی ہوائیں چل رہی ہوں، جام محبت کا دور ہو اور اللہ کی طرف حسنِ ظن سے دیکھا جا رہا ہو۔ پھر فرمایا، ارے کتنی اچھی ہیں وہ مجلسیں اور کتنی عمدہ ہے وہ شراب، خوش نصیب ہے جسے نصیب ہوئی۔

حقیقتِ فکر و ثمرہ فکر

فکر یہ ہے کہ دونوں معرفت کہ دل میں اکھٹا کیا جائے تا کہ تیسری معرفت پیدا ہو مثلاً یہ کہ جانے کی آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور جو چیز بہتر یا باقی رہنے والی ہوتی ہے وہ توجہ کی زیادہ مستحق ہوتی ہے، تفکر سے غرض یہ ہے کہ علم قلب میں قرار پکڑے تا کہ حالاً اور فعلاً نجات حاصل ہو یہ دونوں علم کے ثمرے ہیں اور علم تفکر کا ثمرہ ہے۔

مجازی فکر

بندہ کبھی اپنے نفس کے بارے میں غور کرتا ہے م جیسا کہ گزرا، کبھی کتاب اللہ میں اور اس کی صفات و افعال میں۔

تفکر نی ذات اللہ کی طرف کوئی راہ نہیں سوائے اس سے کہ ذکر کرے۔ اس کی صفات افعال ملک وملکوت میں جس قدر غور کرے گا محبت بنا پر انکشاف جمال کے زیادہ ہی ہوگی یہ اس طرح کرے کہ معانی اسماءِ صفات، آسمان، زمین، کواکب اور ہر چیز میں غور کرے کیونکہ کس سب اس کی مخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، عنقریب ہم انھیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے غور کرو اپنے نفوس میں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

معلوم ہوا کہ مجازی و جولان گاہ تفکر تمھارا فر اپنا نفس ہے پھر ساری مخلوق خداء ہے، اچھی طرح سمجھ لو فائدہ اٹھاؤ گے۔ واللہ اعلم

باب ۴۰

ذکرِ موت و مابعد الموت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تمھیں مل کر رہے گی"، بعض لوگ وہ ہیں جو موت کا شاذ و نادر ہی ذکر کرتے ہیں اور کراہیت کرتے ہیں کیونکہ دنیا میں بہت ہی منہمک ہوتے ہیں اس طرح وہ اللہ سے دور ہی ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، امورِ غیر لائقہ سے توبہ کرتے ہیں یہ موت کو یاد کرتے ہیں تو ان میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ تیاری کرتے ہیں تا کہ توبی کی تکمیل کر سکیں یہ لوگ موت سے کراہیت نہیں کرتے مگر قلتِ زاد اور عدمِ استعداد کی وجہ سے یہ کراہیت لقائے الٰہی کی خاطر ہے اور غیر مذموم ہے کیونکہ یہ لوگ زندگی کے خواہاں تیاری کی بنا پر ہیں کہ اتنا کر سکیں جو اللہ سے مل سکیں۔ عارف موت کو اس لیے یاد کرتا ہے کہ وہ لقائے حبیب کا سبب ہے، ایسے شخص کو موت کا انتظار رہتا ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب وفات کا وقت آیا تو کہا "اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ مجھے فقر غنا سے، بیماری صحت سے اور موت حیات سے زیادہ مرغوب ہے تو میرے لیے موت کو آسان کر دے حتیٰ کہ تجھ سے ملاقی ہو جاؤں۔

سب سے بڑا رتبہ یہ ہے کہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دے نہ موت کو پسند کرے نہ حیات کو، محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی رائے پر چلے خود کچھ پسند نہ کرے۔

فضیلتِ ذکرِ موت:۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔ "لذتوں کو توڑ دینے والی کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔" نیز فرمایا، "اگر بہائم کو موت کے بارے میں اس قدر معلوم ہوتا جتنا کہ تمھیں معلوم ہے تو کوئی بھی موٹا نہ ہوتا،" عائشہ نے دریافت کیا "یا رسول اللہؐ! کیا شہیدوں کے ساتھ بھی کسی کا حشر ہوگا؟ فرمایا ہاں، اس شخص کا جو موت کو رات دن میں بیس بار یاد کرتا ہو۔ حدیث میں ہے، "مومن کا تحفہ موت ہے۔" نبی علیہ السلام نے فرمایا، موت سب سے بڑا واعظ ہے۔

ایک دن آپ ﷺ مسجد میں آئے تو لوگوں کو باتیں کرتے اور ہنستے دیکھا تو کہا موت کو یاد کرو قسم اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اگر تمھیں وہ باتیں معلوم ہوتیں جو مجھے معلوم ہیں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ موت ایک امرِ عظیم ہے اور اس میں غور وفکر دار الغرور سے دور رکھتا ہے، قلتِ سرور پیدا کرتا ہے اور تیاری کی دعوت دیتا ہے۔ ہاں اگر انسان اوپری دل سے یاد کرے تو اثر ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا پہلے دل کو فارغ کرلو پھر غور کرو جیسے کسی سفر کے لیے غور کرتے ہو۔

قصرِ امل

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا، صبح کرو تو شام کی فکر نہ کرو اور شام کرو تو صبح کی نہ کرو۔ اپنی زندگی سے موت کی لیے توشہ لو اور صحت سے بیماری کے لیے کیونکہ اے عبداللہ تجھے معلوم نہیں کل تیرا کیا نام ہوگا۔

حضرت علیؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے زیادہ تمھارے بارے میں دو عادتوں سے ڈرتا ہوں اتباع خواہشات اور طول امل، اتباع خواہشات تو حق سے روکتا ہے اور طولِ امل حبِ دنیا لاتا ہے۔ پھر فرمایا سنو اللہ دنیا اس شخص کو بھی دیتا ہے جس سے وہ بغض رکھتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت رکھتا ہے۔ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے ایمان بخشتا ہے۔ سنو کچھ فرزندان دین ہیں اور کچھ فرزندان دنیا ہیں۔ فرزندان دین سے ہو دنیا کے فرزند نہ بنو۔ سنو دنیا پشت پھیر کر کوچ کر چکی ہے اور آخرت قدم بڑھا کر آگئی ہے تو ایام عمل میں ہو جبکہ حساب کتاب نہیں ہے۔ عنقریب وہ دن آئے گا جب کہ تمھیں حساب کے لیے کھڑا ہونا پڑے گا اور عمل نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو کیا اللہ سے حیا نہیں کرتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بات ہے؟

فرمایا تم وہ چیزیں جمع کرتے ہو جسے کھا نہیں سکتے امید ایسی باتوں کی رکھتے ہو جنھیں پا نہیں سکتے اور ایسی عمارتیں بناتے ہو جن میں رہ نہیں سکتے۔

حضرت ابوسعید حذریؓ بیان کرتے ہیں کہ اسامہ بن زیدؓ نے سو دینار میں ایک ماہ کے لیے لونڈی خریدی۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا تم لوگ تعجب نہیں کرتے کہ اسامہ نے ایک ماہ کے لیے لونڈی خریدی ہے۔ کس قدر طولِ امل والا انسان ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب بھی پلک جھپکاتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ میرے دونوں ہونٹ ملنے بھی نہ پائیں کہ اللہ روح قبض کرلے اور جب بھی پلک اٹھاتا ہوں تو خیال کرتا ہوں نیچے نہیں جھکنے پائے گی کہ مر جاؤں گا اور جب بھی کوئی لقمہ منہ میں رکھتا ہوں خیال کرتا کہ حلق سے نیچے نہیں اترے گا کہ موت گلا گھونٹ دے گی۔ پھر فرمایا اے بنو آدم! اگر عقل رکھتے ہو تو اپنے آپ کو مردہ شمار کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں

میں میری روح ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آن کر رہیں گی اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ پانی کی طرف بڑھتے تو پہلے تیمم کرلیتے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! پانی حاضر ہے۔ فرمایا کیا معلوم اس تک پہنچ سکوں گا یا نہیں۔

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تین لکڑیاں لیں ایک شاخ سامنے اور دوسری پہلو کی طرف گاڑ دی اور تیسری کو دور پھینک دیا پھر صحابہؓ سے فرمایا جانتے ہو کیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی اللہ اور رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا یہ انسان ہے اور یہ موت ہے اور وہ امید ہے ابنِ آدم اسے سینے سے لگاتا ہے اور موت سے گھبراتا ہے امید سے نہیں۔

فصل

سکراتِ موت

اگر ابنِ آدم کے سامنے کوئی خوف سوائے سکراتِ موت کے نہ ہوتا تو اسے کوئی بھی عیش اچھا نہ لگتا۔ موت اسے لائق ہے کہ انسان اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سوچے اور اچھی طرح تیاری کرے۔ بعض حکماء نے کہا ہے، موت دوسرے کے ہاتھوں میں ہے تجھے کیا پتہ کب آن دبائے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، ایک بات ایسی ہے کہ تجھے معلوم نہیں کب سابقہ پڑ جائے اس کے لیے اس کے اچانک حملے سے پہلے مستعد رہ۔ تعجب ہے کہ اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ سپاہی آکر اسے پانچ لکڑیاں مارے گا تو عیش مکدر ہو جائے اور ہر وقت اس کا منتظر رہے گا مگر موت کی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ ہر لحظہ ملک الموت آسکتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ سکراتِ موت کی تکلیف کو مردہ ہی جان سکتا ہے۔ جس نے یہ مزہ نہیں چکھا وہ ان آلام پر قیاس کرسکتا ہے جن سے سابقہ پڑا ہے یا کسی مردے کی حالت سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ البتہ آلام کا اثر روح تک بہت کم پہنچتا ہے مگر موت کا صدمہ روح پر پڑتا ہے اور اس کی شدت ساری اعضاء پر ظاہر ہوتی ہے تو موت کتنی تکلیف دہ ہوگی۔ دیکھتے نہیں ہو کہ آگ جسم سے چھو جاتی ہے تو روح کو کیسی تکلیف ہوتی ہے مگر مردے کو چیخ پکار کا موقعہ نہیں ملتا کیونکہ تکلیف قلب اور سارے اعضاء کو گھیر لیتی ہے اور ساری قوتیں برباد ہو جاتی ہیں لہٰذا وہ چیخ پکار نہیں کر سکتا، عقل پریشان ہو جاتی ہے، زبان گنگ اور اطراف کمزور پڑ جاتے ہیں۔ مردہ چاہتا ہے کہ چلائے مگر قادر نہیں ہوتا۔ دیکھو رنگ بدل جاتا ہے اور وہ مٹی کے رنگ کا ہو جاتا ہے، ہر رگ سے روح کھینچی جاتی ہے پھر ہر عضو مر جاتا ہے

پہلے پاؤں پھر ساقین پھر رانیں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں ہر عضو پر سکرات اور حسرات طاری ہو جاتی ہے حتیٰ کہ جان حلقوم تک آجاتی ہے تو دنیا سے امید منقطع ہو جاتی ہے اور توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، انسان کو توبہ دم گلے میں بولنے سے پہلے تک مقبول ہوتی ہے ۔حضرت حسنؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے موت اور اس کی تکلیف کا بیان کیا گیا تو فرمایا بقدر تین سو تلواروں کے واروں کی تکلیف ہوتی ہے۔

زین اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کے لیے کوئی درجہ رہ جاتا ہے جس تک وہ عمل سے نہ پہنچ سکا تو موت سخت کر دی جاتی ہے تا کہ اس درجہ تک پہنچ جائے اور اگر کافر کوئی نیک کام کرتا ہے جس کی جزا اسے نہیں ملی تو موت کو آسان کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کی نیکی کا ثواب مکمل ہو جائے اور وہ جہنم رسید ہو سکے۔

ایک شخص اکثر مرنے والوں سے پوچھا کرتا موت کو کیسا پاتے ہو؟ جب وہ خود بیمار پڑا تو اس سے دریافت کیا گیا کیا حال ہے؟ تو کہا گویا آسمان زمین پر آن پڑا ہے اور میری روح سوئی کے ناکے سے گزر رہی ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا اچانک موت مومن کے لیے راحت اور فاجر کے لیے زحمت ہے۔

موت کی دوسری مصیبت ملک الموت کی صورت اور اس کا خوف ہے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کیا مجھے وہ صورت دکھا سکتے ہو جس سے فاجر کی روح قبض کرتے ہو؟ کہا آپ دیکھ نہ سکیں گے۔ پھر کہا منہ پھیریئے میں نے منہ پھیر لیا پھر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں ایک کالا کلوٹا کھڑے بال والا بدبودار سیاہ کپڑے پہنے کھڑا ہے۔ منہ اور نتھنوں سے دھواں اور آگ نکل رہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ پایا تو ملک الموت کو پہلی صورت میں دیکھا۔ فرمایا اے ملک الموت اگر فاجر کو موت کے وقت کوئی بھی تکلیف نہ ہوتی تو تیری صورت ہی کافی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا داؤد علیہ السلام بڑے غیور تھے۔ جب گھر سے برآمد ہوتے تو دروازہ بند کر دیتے۔ ایک دن دروازہ بند کر دیا اور چلے گئے۔ ان کی بیوی نے دیکھا کہ گھر میں ایک آدمی ہے۔ پوچھا تجھے کس نے اندر داخل کیا؟ اگر داؤد نے دیکھ لیا تو انھیں بڑی تکلیف ہو گی۔ اتنے میں حضرت داؤدؑ تشریف لے آئے تو پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور کوئی حجاب مجھے روک نہیں سکتا۔ فرمایا تو بخدا ملک الموت ہے اور وہیں کملی اوڑھ کر بیٹھ گئے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ یک کھوپڑی کے پاس سے گزرے تو اسے ٹھوکر ماری اور کہا اذنِ الٰہی سے بول۔ اس نے کہا، اے روح اللہ! میں فلاں زمانے کا فلاں بادشاہ ہوں۔ ایک شخص آیا میں تاج پہنے بیٹھا تھا، میرے اردگرد لشکر اور خدم و حشم تھے کہ ملک الموت آگیا تو میرا جوڑ جوڑ ہل گیا اور میری روح پرواز کر گئی۔ کاش وہ لاؤ لشکر نہ ہوتا اور کاش وہ انس، وحشت ہوتا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بڑے غیور تھے۔ ایک حجرے میں عبادت کیا کرتے تھے، جب نکلتے تو بند کر دیتے۔ ایک دن آئے تو ایک شخص کو بیچ میں بیٹھے دیکھا پوچھا تمھیں یہاں کس نے داخل کیا؟ وہ بولا اس نے جو تجھ سے اور مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ انھوں نے دریافت کیا تو کون سا فرشتہ ہے وہ بولا ملک الموت، فرمایا کی مجھے وہ صورت دکھا سکتا ہے جس سے تو مومن کی روح قبض کیا کرتا ہے؟ کہا ہاں پھر ذرا ہٹا اور پھر سامنے آیا تو ایکھا ایک خوب رو، خوش پوشاک، خوشبو والا نوجوان ہے فرمایا اے ملک الموت اگر مومن کو موت کے وقت یہی صورت نصیب ہو جائے تو یہی کافی ہے۔

موت کی ہولنا کیوں میں سے ایک کراماً کاتبین کا دیکھنا ہے۔ حضرت وہیبؒ کہتے ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب بھی کوئی مرتا ہے کراماً کاتبین کو ضرور دیکھتا ہے۔ اگر فرمابردار بندہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تجھے ہماری طرف سے ہر جزائے خیر دے۔ اور اگر فاجر ہوتا ہے تو کہتے ہیں خدا تجھے جزائے خیر نہ دے کیونکہ تو نے ہمیں بہت سی بری مجلسوں میں بیٹھایا اور بری باتیں سنوائیں۔ اسی لیے مردہ انھیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے۔

تیسری بڑی مصیبت یہ ہے کہ گناہ گار جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں اور اس وقت تک روح نہیں نکلتی تاوقتیکہ ملک الموت سے یہ نہ سن لے، اے دشمنِ خدا تجھے آگ کی بشارت ہو۔ نیک آدمی سنتا ہے اے ولی اللہ تجھے جنت کی بشارت ہو۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے تم میں کوئی بھی اس دنیا سے نہیں نکلے گا جب تک کہ یہ نہ جانے کہاں ٹھکانا ہے اور جب تک کہ جنت یا نار میں اپنا مقام نہ دیکھ لے۔

مرنے والے کو کیا چاہیے

مرنے والے کو چاہیے کہ اطمینان و سکون سے رہے، زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو اور قلب سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھے، اس کی بخشش کی امید رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”موت کا تین وقت انتظار کرو، جب مرنے والے کی پیشانی پسینہ آلودہ ہو جائے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو

جائیں اور ہونٹ خشک ہو جائیں"۔

حضرت ابو سعید حذریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے ایک شخص کے پاس ملک الموت آیا تو اس کے دل کو ٹٹولا وہ بالکل خالی تھا تو اس کے دونوں گال چیر دیئے، دیکھا کہ زبان تالو سے لگی ہوئی ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے تو اسے اس کلمہ اخلاص کی وجہ سے بخش دیا تھا"۔

تلقین کے وقت نرمی چاہیے شاید ضعف کی وجہ سے زبان بول نہ سکے، ہوسکتا ہے اصرار اسے ناگوار گزرے۔ اللہ کے ساتھ حسنِ ظن مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں اپنے بندے کو گمان کے مطابق ہوتا ہوں لہٰذا میرے بارے میں اچھا گمان کرنا چاہیے۔

آخری حسرت

حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں "ایک بادشاہ نے ایک سرزمین کا رخ کیا تو اچھے اچھے کپڑے منگائے مگر پسند نہ آئے پھر کئی بار واپس کیے اور جو پسند آئے وہ پہنے۔ پھر گھوڑوں کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ ابلیس آیا اور تکبر سے بھر گیا۔ لاؤ لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو تکبر کی وجہ سے لوگوں کی طرف نہ دیکھتا تھا، ایک شخص پھٹے پرانے کپڑوں میں آیا اور سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب نہ دیا تو اس نے لگام پکڑ لی، بولا چھوڑ دے تو نے بڑی بھاری غلطی کی ہے، وہ بولا آپ سے کام ہے، کہا صبر کر ذرا نیچے اتر لوں۔ وہ بولا نہیں ابھی مجھے ایک راز کہنا ہے۔ اس نے سر جھکایا تو بولا میں ملک الموت ہوں۔ بادشاہ کا رنگ بدل گیا اور زبان لڑکھڑا گئی۔ بولا مجھے ذرا مہلت دے کہ گھر ہو آؤں، ضروری کام کر لوں اور گھر والوں کو رخصت کر لوں۔ ملک الموت نے کہا، واللہ تو اپنے گھر بار اور مال اسباب کو کبھی نہ دیکھ سکے گا اور روح قبض کر لی بادشاہ لکڑی کی طرح گر پڑا۔

پھر وہی اسی حال میں ایک عابد کے پاس گیا۔ سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ بولا مجھے تجھ سے کام ہے، عابد نے کہا بیان کرو وہ بولا میں ملک الموت ہوں۔ عابد بولا مرحبا، بڑی دیر سے تشریف لائے، مجھے تو آپ کا بڑا ہی اشتیاق تھا۔ ملک الموت نے کہا جس کام سے نکلے تھے پورا کر لو۔ عابد نے کہا اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔ ملک الموت نے کہا جس حالت کو پسند کرو اس میں روح قبض کر لوں، وہ بولا وضو کر کے نماز پڑھنے دے جب سجدہ میں جاؤں تو روح قبض کر لینا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ نے بیان کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک آدمی نے بہت سا مال جمع کیا۔ مرنے لگا تو لڑکوں کو بولا سارے مال دکھاؤ۔ وہ گھوڑے، اونٹ اور غلام باندیاں لائے دیکھا تو حسرت سے رونے لگا۔ ملک الموت نے روتے دیکھا تو پوچھا کیوں روتا ہے؟ قسم بخدا میں یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک تیری روح اور تیرے مال میں جدائی نہ ڈال دوں۔ وہ کہنے لگا مجھے مہلت دے کہ تقسیم کر سکوں۔ ملک الموت نے کہا پہلے نہ سوچا اب تو وقت گزر چکا اور روح قبض کر لی۔

وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین

رسول اللہ کی زندگی و وفات دونوں میں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے، جب آپ ہی فوت ہو چکے تو کوئی کیسے بچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کیا اگر آپ وفات پا گئے تو وہ ہمیشہ وہ جائیں گے۔ کل نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ کی خدمت میں ماں عائشہؓ کے گھر میں وفات رسول کے وقت گئے، آپ نے ہماری طرف دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے پھر فرمایا، مرحبا اللہ تمہیں زندہ رکھے، اپنی پناہ میں رکھے اور تمہاری مدد کرے، میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس کی طرف سے نذیر ہوں کہ اللہ کے بندوں اور اس کے شہروں کے ساتھ تکبر کا برتاؤ نہ کرنا۔ موت قریب آچکی ہے اور اللہ، سدرۃ المنتہٰی، جنت الماوٰی اور بھرپور جام کی طرف لوٹنا ہے۔ اپنے اور بعد میں دین میں داخل ہونے والوں کی میرا اسلام پہنچا دینا۔

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جبریل سے فرمایا، میرے بعد میری امت کے لیے کون ہوگا؟ تو اللہ نے جبرئیل کی طرف سے وحی بھیجی کہ میرے دوست کو بشارت دے کہ میں امت کے بارے میں اس کی مدد نہیں چھوڑوں گا اور یہ کہ وہ سب سے پہلے زمین سے برآمد ہوں گے اور ان کے سردار ہوں گے جبکہ لوگ اٹھائے جائیں گے اور جمع کیے جائیں گے۔ جنت دوسروں پر حرام ہوگی جب تک کہ آپ ﷺ کی امت داخل نہ ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے حجرے میں ہوئی۔ میری نوبت کے دن میری گود میں، اللہ نے دم نزع میرے اور ان کے لعاب دہن کو یکجا کیا، میرے بھائی عبدالرحمان آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی آپ ﷺ اسے دیکھنے لگے۔ میں سمجھ گئی آپ کو پسند ہے۔ دریافت کیا کیا آپ کو پسند ہے، تو آپ نے سر سے اشارہ کیا۔ میں نے ان سے لے کر دے

دیا۔ آپ ﷺ نے اسے دہن مبارک میں داخل کیا تو سخت معلوم ہوا میں نے کہا نرم کردوں، حضور ﷺ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ میں نے اسے نرم کر دیا۔ سامنے پانی کا لوٹا دھرا ہوا تھا تو آپ اس میں دست مبارک داخل کرنے لگے اور فرمانے لگے لا الہ الا اللہ موت کے سکرات بڑے ہیں، پھر ہاتھ بلند کیا اور کہا الرفیق الاعلیٰ لرفیق الاعلیٰ، اب تو واللہ وہ ہم لوگوں کو پسند نہیں فرمائیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اے ابوبکر! سوال کر۔ انھوں نے عرض کی یارسول اللہ! موت قریب آگئی ہے؟ فرمایا قریب اور بہت قریب ،ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو وہ مرتبہ جو پروردگار کے ہاں ہے۔ کاش ہمیں بھی اپنے انجام کا علم ہوتا تو فرمایا،

الی اللّٰہ، والی سدرة المنتھیٰ، ثم الی جنة الماویٰ والفردوس الاعلیٰ والکاس الاوفی والرفیق الاعلی والحظ والعیش المھنّا

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کو کون غسل دے گا؟ فرمایا، میرے اہل بیت سے جو مرد سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ ہم نے کہا کفن کس چیز میں دیں؟ فرمایا میرے انہیں کپڑوں میں، یمنی چادر اور مصری قباطی میں، ہم نے عرض کی نماز کیسے پڑھیں؟ ہم رونے لگے اور آپ بھی رونے لگے، پھر فرمایا۔ ٹھیرو اللہ تمہیں بخشے اور تمہارے نبی کی طرف سے تمھیں جزائے خیر دے، جب غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے میرے حجرے میں میری چارپائی پر میری قبر کے کونے کے پاس لٹا دینا پھر ذرا ایک گھڑی کے لیے سب باہر چلے جانا کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر اللہ رحمت بھیجیں گے۔ ھو الذی یصلی علیکم و ملائکة۔ پھر ملائکہ کو اجازت دیں گے۔ مخلوق خدا میں سب سے پہلے جبرئیل نماز پڑھیں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت۔ بہت سارے فرشتوں کے ساتھ پھر سارے فرشتے، پھر تم لوگ۔ میرے پاس گروہ در گروہ آنا اور گروہ گروہ نماز پڑھنا۔ وسلّموا تسلیماً مجھے تزکیہ، چیخ وپکار اور آہ وزاری سے تکلیف نہ دینا چاہیئے کہ پہلے امام اور میرے قریبی اہل بیت نماز پڑھیں پھر عورتیں، پھر بچے۔

ابوبکر صدیقؓ نے دریافت کیا تو قبر میں کون داخل کرے گا۔ فرمایا میرے اہل بیت سے قریب ترین لوگ پھر ان سے قریب والے بہت سارے ملائکہ کے ساتھ، تم انہیں نہ دیکھ سکو گے مگر وہ تمھیں دیکھیں گے، جاؤ میرے بعد آنے والوں کو میرا سلام پہنچانا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں، جس دن وفات ہونی تھی تو شروع دن میں کچھ سہولت معلوم ہوئی تو لوگ خوش خوش اپنے گھروں کو ضروریات کے لیے چلے گئے اور صرف عورتیں رہ گئیں۔ ہم سب بڑے خوش تھے کہ کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، باہر چلی جاؤ، فرشتہ اجازت چاہتا ہے، تو میرے سوا سب عورتیں نکل گئیں۔ آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں حجرے میں ایک طرف کو ہوگئی۔ آپ ﷺ دیر تک فرشتے سے باتیں کرتے رہے، پھر آپ لوٹے اور میری گود میں سر رکھ دیا اور عورتوں سے کہا آجاؤ۔ میں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ جبرئیل تو نہیں معلوم ہوتے۔ فرمایا یہ ملک الموت ہے آکر کہنے لگا یارسول اللہ! اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ بغیر اجازت لیے داخل نہ ہوں۔ اگر اجازت نہ دیں تو واپس چلا جاؤں اور اگر اجازت دیں تو آجاؤں۔ مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک آپ خود نہ فرمائیں روح قبض نہ کروں تو کیا ارشاد ہے؟ نبی نے فرمایا ذرا ٹھر جا تا آنکہ جبرئیل آجائے کیونکہ یہ وقت جبرئیل کے آنے کا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ ﷺ نے ہمیں ایسا حکم دیا جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہ تھا ہم سب خاموش ہو گئے اور سارے اہل بیت عظمت وہیبت سے آپ کے حکم کی تکمیل میں بالکل ساکت وصامت ہوگئے۔

چنانچہ جبرئیل اپنے وقت پر آن پہنچے اور سلام کیا۔ میں ان کی سرسراہٹ کو پہچان گئی۔ اہل بیت باہر چلے گئے، جبرئیل بولے اللہ آپ کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کیسے مزاج ہیں؟ حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے مگر آپ کے شرف وکرامت کو زیادہ کرنا چاہتا ہے تاکہ امت کے لیے سنت بنے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے درد ہے، جبرئیل نے کہا تو خوش ہو جایئے اللہ چاہتا ہے کہ آپ کو وہاں پہنچا دے جہاں آپ ﷺ کے لیے ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جبرئیل! ملک الموت اجازت چاہتا ہے۔ جبرئیل نے کہا پروردگار آپ ﷺ کا مشتاق ہے۔ کیا میں نے آپ ﷺ کو بتایا نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے، قسم بخدا ملک الموت اسی لیے آیا ہے کہ پروردگار کا مشتاق ہے، فرمایا تو تم یہاں سے نہ جانا جب تک کہ وہ نہ آجائے۔ پھر آپ نے عورتوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی اور فرمایا اے فاطمہؓ قریب آ۔ وہ آپ پر جھک گئیں تو کچھ کان میں کہا، انھوں نے سر اٹھایا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اور بول نہ سکتی تھیں۔ پھر فرمایا اپنا سر مجھ سے قریب کر انھوں نے سر جھکا لیا آپ ﷺ نے سرگوشی کی، سر اٹھایا تو ہنس رہی تھیں، مگر اب بھی بول نہ سکتی تھیں ہمیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی تھی تو ان سے پوچھا، وہ کہنے لگیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج میر وفات ہے تو میں رو پڑی اور دوسری بار میں فرمایا میں نے اللہ سے دعا کی میرے خاندان میں سب سے پہلے مجھ سے ملے اور میرے ساتھ رہے تو

ہنس پڑی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ملک الموت آئے سلام کیا اور اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس نے پوچھا یا محمد ﷺ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا مجھے ابھی میرے رب سے ملا دے۔ کہا ہاں آج ہی۔ سنیے آپ کا رب آپ کا مشتاق ہے اور جیسا آپ ﷺ کے بارے میں متردد ہوا کسی کے بارے میں نہیں ہوا اور کسی کے پاس جانے سے نہیں روکا مگر آپ ﷺ کے پاس اجازت لے کر ہی جانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، جبرئیل آئے اور کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ! یہ آخری بار زمین پر وحی اتری ہے، دنیا لپیٹ دی گئی اب مجھے زمین پر آپ کے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں اور سوائے آپ ﷺ کے رخِ انور کے کوئی اور ضرورت نہیں۔ پھر ہمیشہ اپنے مقام پر ہی رہنا ہے''۔ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا گھر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ایک لفظ بھی بول سکے کیونکہ ہم نے عجیب وغریب باتیں دیکھیں، ادھر ہمارا غم وخوف سے برا حال تھا میں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھی تا کہ ان کا سر اپنے سینے کے درمیان رکھ سکوں۔ میں نے آپ کے سینے کا تھاما۔ آپ پر غشی طاری ہونے لگی حتیٰ کہ بے حال ہوگئے اور پیشانی عرق آلودہ ہوگئی کہ اس زیادہ خوشبودار پسینہ میں نے کسی انسان کا نہیں دیکھا نہ آپ سے بہتر کسی انسان کو پایا، میں پسینہ پونچھنے لگی، جب بھی آپ کو افاقہ ہوتا تو کہتی میرے ماں باپ جان، خاندان اور مال آپ پر قربان آپ کی پیشانی پر کس قدر پسینہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! مومن کی جان پسینے سے خارج ہوتی ہے اور کافر کی اس کی باچھ سے جیسے گدھے کا سانس نکلتا ہے۔ اب تو ہم ڈر گئے اور ہم نے اپنے گھروں کی طرف آدمی بھیجا۔ سب سے پہلے جو شخص آیا وہ میرے بھائی تھے مگر وہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ سکے کیونکہ میں نے انھیں اپنے والد ماجد کو بلانے کے لیے بھیج دیا تھا لیکن آپ ﷺ کسی کے آنے سے پہلے ہی وفات پا چکے۔

اللہ نے سب لوگوں کو اس لیے روک دیا تھا کہ جبرئیل و میکائیل کو بھیج دیا تھا۔ جب بھی آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوتی تو فرماتے الی الرفیق الاعلیٰ، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں آپ ﷺ کی وفات چاشت اور نصف انہار کے درمیان ہوئی، دوشنبہ تھا، صلوٰت اللہ علیہ۔

وفات حضرت ابی بکرؓ

جب حضرت ابوبکرؓ کا دمِ نزع ہوا تو حضرت عائشہؓ نے یہ شعر پڑھا:

لعمرك ما يغني الثراء من الفتیٰ
اذا حشرجت يوماً بها الصدر

قسم ہے تیری عمر کی انسان کو دولت نہیں بچا سکتی۔ جبکہ دم سینے میں گھٹنے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ نے چہرہ کھولا فرمایا ایسے نہ کہو یوں کہو:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ

سکراتِ موت آن پہنچی حق کے ساتھ، یہ وہ ہے جس سے تو اعراض کرتا تھا

دیکھو میرے یہ دونوں کپڑوں کو دھو کر کفن بنا دینا کیونکہ زندوں کو نئے کی بہ نسبت مردوں کے زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ حضرت عائشہ نے ان کی وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

وابيض يستسقى الغمام بوجهه
ربيع اليتمٰى عصمة للارامل

ایک سپید رو جس کے ذریعہ بارش کی طلب کی جاتی ہے۔ جو یتیموں کی بہادری اور بیواؤں کی عصمت ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی شان ہے۔ لوگ آئے کہنے لگے کسی طبیب کو بلا لائیں فرمایا طبیب تو دیکھ چکا۔ کہنے لگا انی فعال لما ارید (میں کرگزرتا ہوں جو ارادہ کرتا ہوں)۔

حضرت سلمان فارسیؓ عیادت کے لیے تشریف لائے کہنے لگے اے ابوبکرؓ وصیت کیجیے، فرمایا اللہ تم پر دنیا کھول دے گا تو بقدرِ ضرورت لینا اور بالیقین جان لے جس نے نماز صبح پڑھی وہ اللہ کی امان میں ہوگیا لہٰذا اللہ کے ذمہ میں خلل نہ ڈالنا کہ تجھے منہ کے بل آگ میں جھونک دے۔

جب آپ کی حالت خراب ہوگئی تو لوگوں نے کہا اپنا خلیفہ بنا دیجیے آپ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو بنا دیا۔ لوگوں نے کہا سخت دل والے کو خلیفہ بنا دیا، پروردگار کو کیا جواب دو گے؟ فرمایا کہہ دونگا ''تیری مخلوق پر سب سے بہتر کو خلیفہ بنا آیا ہوں''۔ رضی اللہ عنہ، آمین۔

شہادتِ حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عمرو بن میمونؓ کہتے ہیں، جس صبح حضرت عمر بن الخطابؓ پر حملہ ہوا، میرے اور ان کے درمیان صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ جب آپ دو صفوں کے درمیان سے گزرے تو ذرا ٹھہرتے، صف میں کوئی خرابی دیکھتے تو فرماتے درست کرو، اگر کوئی کوئی خرابی نہ پاتے تو آگے بڑھ جاتے۔ چنانچہ تکبیر کہی گئی اور شاید سورۃ یوسف، نحل یا کوئی اور سورۃ پہلی رکعت میں پڑھی تا کہ لوگ

شریک جماعت ہو جائیں۔ تکبیر کہتے ہی فرمایا مجھے قتل کر دیا یا فرمایا مجھے کتے نے کھا لیا۔ پھر ابولوءلوہٗ نے دو دھاری چھری سے چاروں طرف سے حملے شروع کر دئے۔ کوئی تیرہ آدمی زخمی کئے، جن میں سے نو یا سات وفات پا گئے۔ ایک مسلمان نے جو یہ دیکھا تو اس پر اپنا چوغہ پھینک کر مارا۔ جب اس وحشی کو یقین ہو گیا کہ پکڑ لیا جاؤں گا تو اپنے گلے پر چھری پھیر لی۔

روایت ہے کہ آپؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا اسلام کے بعد کہنا کہ عمرؓ (امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ اب میں امیر نہیں رہا) اپنے دونوں دوستوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ گئے اور سلام کیا اور اجازت چاہی، پھر حاضر خدمت ہوئے۔ وہ بیٹھی رو رہی تھیں۔ عرض کی عمرؓ سلام کہتے ہیں اور اپنے دونوں دوستوں کے ساتھ دفن ہونا چاہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی مگر اب میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتی۔ جب وہ واپس لوٹے تو حضرت عمرؓ سے کہا گیا عبداللہ بن عمرؓ آ رہے ہیں۔ فرمایا مجھے اٹھاؤ تو ایک شخص نے سہارا دیا۔ دریافت کیا، کیا خبر لائے۔ عرض کی امیر المومنین جو آپ کی خواہش تھی۔ فرمایا الحمدللہ مجھے اس سے زیادہ اور کوئی چیز اہم نہ تھی۔ جب میری روح قبض ہو جائے تو جنازہ لے جا کر عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا اگر اجازت دے دیں تو فبہا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ تشریف لائیں، عورتیں ان کی پردہ داری کر رہی تھیں، عورتوں نے انھیں آتے دیکھا تو کھڑی ہو گئیں آپ اندر آئیں اور دیر تک روتی رہیں۔ لوگوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو وہ اندر چلی گئیں۔ اندر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین وصیت کیجیے اور کسی کو خلیفہ بنایئے فرمایا میں ان لوگوں سے زیادہ کسی کو مستحق نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ دمِ وفات تک ان سے خوش رہے۔ آپ نے حضراتِ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمانؓ کے نام گنائے اور کہا عبداللہ کو شریکِ مشورہ کرنا مگر اسے خلیفہ منتخب نہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے جبریل نے کہا اسلام وفاتِ عمرؓ پر روئے گا۔

شہادتِ حضرت عثمان غنیؓ

آپ کی شہادت کا قصہ مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں، ''میں اپنے بھائی عثمانؓ کے پاس سلام کرنے گیا۔ آپ محصور تھے۔ اندر گیا تو فرمایا مرحبا اے برادر! میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کھڑکی سے دیکھا، فرمایا اے عثمانؓ تیرا محاصرہ کر لیا؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا تجھے پیاسا رکھا۔ میں نے عرض کی ہاں، تو ایک ڈول میں پانی بھر کر مجھے دیا میں نے پیا اور خوب سیراب ہوا حتیٰ کہ اس

کی ٹھنڈک اپنے سینے اور پٹھوں میں پا رہا ہوں۔ فرمایا اگر تم چاہو تو مدد کروں اور اگر چاہو تو ہمارے پاس افطار کرنا؟ تو میں نے آپ کے پاس افطار کرنا پسند کیا، اسی دن آپ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حاضرین سے کہا، ''مرتے دم عثمانؓ نے کنگھا کیا، فرماتے جاتے تھے اے اللہ! امتِ محمد ﷺ کو متفق کر دے تین بار فرمایا۔ اگر آپ یہ دعا کرتے کہ کبھی بھی متفق نہ ہوں تو قیامت تک وہ کبھی متفق نہ ہو پاتے۔

شہادتِ حضرت علیؓ

خظلی بیان کرتے ہیں، جس رات آپ زخمی کیے گئے تو ابن التیاح طلوع فجر کے وقت نماز کی اطلاع دینے آئے۔ آپ لیٹے تھے کچھ ست سے تھے، انھوں نے پھر دوبارہ کہا تب بھی آپ اسی طرح رہے، تیسری بار آپ کھڑے ہو گئے۔ چلتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اپنا سینا موت کے لیے باندھ لے کیونکہ موت آئی ہے
موت سے نہ گھبرا جبکہ وہ تیری وادی میں اترے

چھوٹے دروازے پر پہنچے تو ابن ملجم نے حملہ کر دیا۔ ام کلثوم بنتِ علی یہ کہتی نکلیں، ''ارے یہ صبح کی نماز میرے حق میں کیسی ہے۔ میرے شوہر امیر المومنین نمازِ فجر میں شہید کیے گئے اور میرا باپ بھی''۔ ایک بوڑھے قریشی نے بیان کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے جب تلوار ماری گئی تو فرمایا، ''ربِ کعبہ کی قسم میں فلاح پا گیا''۔

مرنے والوں کی باتیں

جب حضرت معاویہؓ پر دمِ وفات آیا تو فرمایا مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے بٹھا دیا تو اللہ کا ذکر کرنے لگے پھر رو پڑے اور بولے اے معاویہ! تو اپنے پروردگار کو بڑھاپے میں اور دم نکلتے یاد کر رہا ہے، جب شاخ شباب تازہ تھی جب نہ کیا۔

پھر رو پڑے حتیٰ کہ چیخیں نکل گئیں اور کہنے لگے، اے پروردگار! گنہگار بوڑھے پر رحم کر جس کا دل سخت ہے، اے اللہ! لغزشوں کو معاف فرما اور حلم کا برتاؤ کر جو تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا اور جس نے تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔

حضرت معاذؓ نے دمِ نزع فرمایا، ''اے اللہ! میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا مگر آج امیدوار ہوں۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں دنیا سے محبت نہیں رکھتا تھا نہ طولِ بقا کو پسند کرتا تھا کہ نہروں کے کنارے بیٹھوں

اور باغ لگاؤں بلکہ دوپہر کی پیاس، مجاہدے اور علماء کی مجالس کے لیے پسند کرتا تھا''۔

حضرت ذوالنونؒ سے پوچھا گیا کس بات کی خواہش ہے؟ فرمایا یہ کہ مرنے سے ایک لحظہ پہلے ہی اسے پہچان لوں۔

احوالِ قبر

حضرت ضحاکؒ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، سب سے بڑا زاہد کون ہے؟ فرمایا جو قبر کو اور کہنہ ہو جانے کو نہیں بھولا، زینتِ دنیا کے پیچھے نہیں پڑا، باقی کو فانی پر ترجیح دی، جس نے آنے والی کل کو اپنی زندگی کا دن نہیں شمار کیا اور اپنے آپ کو اہلِ قبور سے جانا۔

حضرت حسن بن صالحؒ جب کبھی قبروں پر جاتے تو فرماتے'' تم بظاہر کتنی اچھی ہو مگر اندر تو مصیبت ہی بھری ہے''۔ داؤد علیہ السلام ایک عورت کے پاس سے گزرے جو رو رہی تھی اور یہ شعر پڑھ رہی تھی:

اللہ کرے میں مرجاؤں جبکہ تجھے قبر میں اتار دیا گیا   اب نیند کہاں جب کہ تجھے سلا دیا گیا

پھر کہنے لگی کاش بیٹا مجھے معلوم ہوتا کہ تیرے کون سے گال کو کیڑے لپٹ گئے ہیں۔ حضرت داؤدؑ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر پڑے۔

اولاد کی موت

جب تمھارا کوئی بیٹا یا قرابت دار مر جائے تو اسے ایسا سمجھو جو تمھارے سفر میں آگے چلا گیا اور تمھیں ضرور پیچھے جانا ہے یا ایسا کہ جیسے کوئی تم سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور تم اب پہنچنے والے ہو۔ اگر تمھیں اس بات کا یقین ہوگا تو موت گراں نہیں گزرے گی۔

کبھی کبھی زیارت قبور کے لیے جاتے رہنا چاہیے کیونکہ اگرچہ شروع میں اجازت نہیں دی گئی مگر بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' قبروں کی زیارت کیا کرو اور ان کے ذریعے آخرت کو یاد کیا کرو، مردوں کو غسل دیا کرو کیونکہ باعثِ عبرت ہے''۔

فرماتے ہیں'' جنازوں کی نماز پڑھا کرو شاید تمھیں غم ہو، غمگین اللہ کے سائے میں ہوتا ہے''۔ نیز فرمایا'' اپنے مردوں کی زیارت کیا کرو، اسلام کیا کرو، نماز پڑھا کرو کیونکہ ان باتوں میں تمھارے لیے عبرت ہے''۔

حقیقتِ موت

جیسا کہ آیات و احادیث اور نظرِ اعتبار سے ثابت ہے، موت، بدن سے روح کے جدا ہو جانے کو کہتے ہیں۔ روح کے معدوم ہو جانے کو نہیں کہتے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا:'' جو لوگ راہِ خدا میں قتل کیے گئے انھیں مردہ نہ کہو وہ تو پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اور خوش ہیں''۔

یہ آیت شہیدوں کے بارے میں ہے اور حدیث، اشقیاء کے بارے میں بتاتی ہے کہ رسولِ پاک ﷺ یومِ بدر میں سردارانِ قریش سے جو قتل ہو چکے تھے کہا، اے فلاں، اے فلاں میں نے تو جو میرے رب نے کہا تھا حق پالیا تو کیا تمھارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے حق پایا؟ آپ سے دریافت کیا گیا آپ انھیں کیوں پکار رہے ہیں یہ تو مر چکے ہیں؟ فرمایا، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے یہ لوگ تم سے زیادہ اس بات کو سن رہے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت ابوایوبؓ انصاری نے نبیٔ پاک ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا'' جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ کے اہلِ رحمت اس طرح ملاقات کرتے ہیں جیسے دنیا والے۔ خوش خبری سنانے والے اسے کہتے ہیں ذرا اپنے بھائی کو مہلت دو کہ آرام لے لے کیونکہ وہ بڑی تکلیف میں تھا۔ پھر وہ پوچھتے ہیں فلاں نے کیا کیا اور فلانی نے کیا کیا اور کیا فلانی عورت کی شادی ہوگئی؟ اگر وہ کسی آدمی کے بارے میں یہ دریافت کرتے ہیں جو اس سے پہلے مر چکا تو وہ کہتا ہے وہ تو مجھ سے پہلے مر چکا تو یہ سن کر سب کہتے ہیں'' اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ''، جہنم رسید ہوا۔

قبر کی مردے سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں،'' جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے، اے ابنِ آدم تجھ پر افسوس! تو کیوں مغرور رہا تجھے پتہ نہیں تھا کہ میں فتنہ کا گھر، تاریکی والا، تنہائی کی کوٹھڑی اور کیڑوں کا مخزن ہوں۔ تو میرے پاس سے گزر جاتا تھا تو کیوں دھوکے میں تھا؟ اگر اس کا عمل صالح ہوتا ہے تو اس کی طرف سے ایک جواب دینے والا جواب دیتا ہے تجھے معلوم نہیں کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتا تھا؟ قبر کہتی ہے تب تو میں اس کے لیے سرسبز و شاداب ہو جاؤں گی، اس کا جسم نور بن جائے گا اور روح اللہ کی طرف چڑھ جائے گی''۔

عذابِ قبر

حضرت براءؓ بن عازب روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے۔ آپ ﷺ سر جھکا کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے پھر تین بار فرمایا، اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا، ''اگر مومن آخرت کا بندہ ہوتا ہےتو اللہ ملائکہ بھیجتے ہیں جن کے چہرے سورج جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ حنوط اور کفن ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں، جب روح نکل جاتی ہے تو زمین و آسمان کے سارے فرشتے اس کو سلام بھیجتے ہیں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ ہر دروازے سے داخل ہونا پسند کرتا ہے جب روح کو اوپر لے جایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اے رب! میں تیرا فلاں بندہ ہوں۔ اللہ کہتا ہے اسے واپس لے جاؤ اور دکھاؤ جو کچھ میں نے اس کی تکریم میں تیار کیا ہے، کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم تجھے اسی سے پیدا کریں گے اسی میں واپس کریں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے جب لوگ واپس جانے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، حتیٰ کہ اس سے پوچھا جاتا ہے اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ کیا دین ہے؟ اور کون نبی ہے، وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے، دین اسلام ہے اور نبی محمد ﷺ ہیں۔ وہ اسے بری طرح جھڑکتے ہیں۔ یہ آخری آزمائش ہے جو مردے کو پیش آتی ہے۔ جب وہ یہی جواب دیتا ہے تو پکارنے والا پکارتا ہے تو نے سچ کہا، یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا، اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو حیاتِ دنیوی میں ثابت قدم رہے اور آخرت میں بھی''۔

پھر ایک حسین صورت، اچھی خوشبو اور اچھے کپڑوں والا آتا ہے اپنے پروردگار کی رحمت کی بشارت لے اور جنتوں کی جن میں دائمی راحت ہے، وہ کہتا ہے اللہ تجھے بھلائی کی بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا عملِ صالح ہوں بخدا تو طاعت کی طرف جلدی کرتا تھا اور معصیت کی طرف سست تھا۔ اللہ تجھے جزاء خیر دے، پھر ایک ہاتف آواز دیتا ہے اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھاؤ اور جنت کی طرف دروازہ کھول دو چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے مردہ کہتا ہے اے اللہ! قیامت جلدی قائم کرنا میں اپنے اہل وعیال اور مال کی طرف لوٹ سکوں۔

رہا کافر اگر اس کا رخ آخرت کی طرف تھا اور دنیا سے منقطع رہا تو سخت مزاج فرشتے اتارے جاتے ہیں۔ وہ آگ کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور ان کے پاجامے قطران کے ہوتے ہیں، جب اس کی جان نکلتی ہے تو ہر آسمانی فرشتہ لعنت کرتا ہے اور آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں وہ کسی بھی دروازے سے داخل ہونا پسند نہیں کرتا، اس کی روح چڑھائی جاتی ہے تو پھینک دی جاتی ہے،

فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار تیرا فلاں بندہ ہے جسے نہ آسمان قبول کرتا ہے نہ زمین۔ اللہ فرماتا ہے لوٹا لے جاؤ اور اسے دکھاؤ میں نے اس کے لیے کیا برائی تیار کی ہے کیونکہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ اسی سے پیدا کیا، اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے پھر برآمد کروں گا۔ جب مردے کو دفن کر کے لوگ لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے حتیٰ کہ اس سے پوچھا جاتا ہے، اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ کیا دین ہے؟ اور نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے معلوم نہیں تو فرشتے کہتے ہیں تو نے نہ جانا۔ پھر ایک بدصورت، بدبودار، برے کپڑے پہنے فرشتہ آتا ہے۔ کہتا ہے تجھے اللہ کی ناراضی اور عذابِ دائمی کی بشارت ہو۔ وہ کہتا ہے خدا تجھے بری بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا خبیث عمل ہوں، واللہ میں جانتا ہوں کہ تو اللہ کی معصیت کی طرف دوڑتا تھا اور طاعت میں تساہل برتتا تھا، اللہ تجھے بری جزاء دے۔ وہ کہتا ہے خدا تجھے بھی بری جزاء دے پھر اس پر ایک گونگا بہرا اندھا فرشتہ تعینات کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کی سلاخ ہوتی ہے کہ جن وانسان بھی اٹھانا چاہیں تو نہ اٹھا سکیں اور اگر پہاڑ پر بھی ماری جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ وہ اس پر مارتا ہے تو مٹی بن جاتا ہے پھر روح لوٹ آتی ہے اور وہ اس کی آنکھوں کے درمیان مارتا ہے کہ سارے اہل ارض سنتے ہیں۔ بس جن وانس ہی نہیں سن سکتے۔ پھر ایک پکارنے والا پکارتا ہے اس کے لیے آگ کے دو تختے بچھا دو اور آگ کی طرف دروازہ کھول دو چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

نیز فرمایا، ''مومن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں ہوتا ہے، اس کے لیے ستر گز زمین وسیع کر دی جاتی ہے اور روشنی کی جاتی ہے حتیٰ کہ چودھویں کے چاند جیسی روشنی ہو جاتی ہے کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت کس بات میں اتاری گئی ہے؟

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَه' مَعِيْشَةً ضَنكًا وَّنَحْشُرُه' يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى

اور جس نے میری یاد سے مونہہ پھیرا تو اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی اور وہ قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا (طٰہٰ: ۱۲۴)

صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں، فرمایا، کافر کے بارے میں ہے۔ اس پر ننانوے تنّین تعینات کر دیئے جاتے ہیں کیا تم جانتے ہو تنّین کیا ہے؟ تنّین ننانوے سانپ کا مجموعہ ہے کہ ہر سانپ کے ستر سر ہوتے ہیں جو اسے کاٹتے، چاٹتے، ڈستے اور پھنکارتے رہتے ہیں جب تک کہ قیامت قائم ہوتی ہے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''قبر دباتی ہے اگر اس سے کوئی سالم رہتا یا

نجات پاتا تو سعد بن معاذ نجات پاتے''۔ جب آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے نکیرین کا بیان کیا تو انھوں نے دریافت کیا، ''یا رسول اللہ ﷺ کیا اس دم میری عقل میرے ساتھ ہوگی؟ فرمایا ہاں، وہ بولے تب تو میں ان دونوں کے لیے کافی ہو جاؤں گا''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل موت سے زائل نہیں ہوتی جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

نفخۂ صور

تم پیچھے جان چکے ہو کہ میت پر کیسے کیسے سخت ہول اور سکرات طاری ہوتے ہیں اور وہ خاتمہ کے بارے میں کتنے خطرناک ہیں پھر یہ کہ مردہ ظلمتِ قبر اور اس کے کیڑوں کو جھیلتا ہے پھر نکیرین کو سوال کو پھر عذابِ قبر کو اگر بد بخت ہو۔

ان تمام سے سب سے بڑا ہول وہ ہے جو اس کے سامنے ہوتا ہے یعنی نفخِ صور اور یوم نشور کا اٹھایا جانا، خدا کے سامنے پیش ہونا، قلیل و کثیر کے بارے میں سوال، میزان کا حساب کے لیے قائم کیا جانا، پھر پل صراط سے گزرنا پھر پکار کا انتظار فیصلہ کے وقت۔ ان احوال و اہوال کا جاننا ضروری ہے، پھر علیٰ سبیل الجزم ان پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا، بعد ازاں ان پر غور کرنا تاکہ دل ان کے لیے مستعد ہو جائے۔ بعض لوگوں کے دل کے اندر قیامت کے دن کے بارے میں ایمان پوری طرح داخل نہیں ہوا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں وہ گرمی اور جاڑے کے لیے بڑی تیاری کرتے ہیں مگر جہنم کی آگ اور زمہریر کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔

نفخِ صور کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ''صور پھونکا گیا تو زمین و آسمان والے سو گئے مگر جیسے اللہ چاہے اور دوبارہ پھونکا گیا تو کھڑے ہوئے دیکھتے ہیں''۔

صیعق کا مطلب ہے مر گیا اور من شاء اللہ (جسے اللہ چاہے) سے مراد جبریلؑ، مکائیلؑ، اسرافیلؑ اور ملک الموت مراد ہیں، پھر ملک الموت کو جبریل کی روح قبض کرنے کا حکم ہوگا پھر روح اسرافیل کو، پھر روح میکائیل کو پھر ملک الموت کو مر جانے کا حکم ہوگا تو وہ مر جائے گا۔ بعد ازاں دوبارہ نفخِ صور ہوگا تو لوگ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے پھر میدان محشر کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ سب ننگے پاؤں ہوں گے کہ ہر ایک پسینے میں اپنے گناہوں کے مطابق ڈوبا ہوگا، سب پورے روزِ قیامت کھڑے رہیں گے آنکھیں پھٹی ہوں گے۔

ہر چھوٹی بڑی چیز کے بارے میں وزن کیا جائے گا اور مظالم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ پھر صراط

کیطرف ہنکائے جائیں گے جیسا کہ ہم اعتقاد میں ذکر کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''انھیں صراط کی طرف ہدایت کی گئی اور انھیں کھڑا کر لو کہ سوال کیے جائیں گے''۔

شفاعت

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ پر عذاب ثابت ہو چکے گا تو ان کے بارے میں انبیاء اولیاء، علماء اور ہر اس شخص کی سفارش قبول کی جائے گی جسے اللہ کے ہاں رتبہ حاصل ہوگا۔

حوض

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کو ذرا دیر غنودگی ہوئی پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کیوں ہنسے۔ فرمایا، مجھ پر ابھی ایک آیت اتری ہے پھر سورۃ کوثر کی تلاوت کی اور پھر فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے۔ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا ایک نہر ہے، پروردگار نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا ہے، اس پر ایک حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت لائی جائے گی۔ جس پر جام ستاروں کے بقدر دھرے ہوں گے۔

دوزخ

دوزخ پر ہر شخص کا ورود ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے، تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہوگا۔ اللہ نے حتمی فیصلہ کر دیا ہے، مگر نجات سوائے پرہیزگاری کے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔ دیکھو جہنم پر ورود یقینی ہے اور تقویٰ سے نجات مشکوک ہے اے مسکین! اس ہولناکی کا دل میں تصور جما جبکہ لوگ مصیبتیں جھیلنے سے سخت ہول میں مبتلا ہوں گے، اور تاریکیاں ہوں گی تین شاخوں والی اور ظالموں پر آگ سایہ کناں ہوگی، جہنم شدت عقب سے جوش مارتی ہوگی، مجرموں کا ہلاکت کا یقین ہو جائے گا۔ امتیں گھٹنوں کے بل پڑی ہونگی حتیٰ کہ بری الذمہ بھی کانپ اٹھیں گے۔ زبانیہ پکارتے نکلیں گے۔ فلاں بن فلاں کہاں ہے جو طول اہل میں عمر ضائع کر رہا تھا، پھر اس کو لوہے کی سلاخوں سے پکڑیں گے اور عذاب شدت طرف کھینچ کر لے جائیں گے جہنم میں الٹا لٹکا دیں گے، چکھ تو بڑا عزت دار ہے''۔

جنت

معلوم ہونا چاہیئے کہ دار البوار کا مقابل دار القرار ہے اور وہ جنت ہے۔ جس قدر ایک گھر سے دور ہوگا دوسرے سے قریب ہوگا۔ آگ کو یاد کرو تا کہ تمھارے دل میں خوف پیدا ہوا اور جنت کو یاد کرو تا کہ

امید پیدا ہو خصوصاً جبکہ گناہوں کی وجہ سے مایوسی طاری ہو جائے ۔ آیات و احادیث میں اہل جنت کے آرام، امن، کھانے پینے اور میووں کا ذکر ہے لہٰذا طول بیانی کی ضرورت نہیں۔ احادیث سے روایت الٰہی کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ سب سے بڑا درجہ نعیم ہے۔

جریر بن عبداللہؓ البجلی کہتے ہیں، ''ہم رسول اللہ کے پاس بیٹھے تھے آپ نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا تم اپنے پروردگار کو ایسا دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیدار میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اگر تم طلوع شمس سے پہلے اور غروب سے پہلے نماز پر مداومت کر سکتے ہو تو ضرور کرو پھر یہ آیت تلاوت کی ''فسبح بحمد ربك قبل طلوع شمس و قبل غروبها'' (طٰہٰ:۱۳۰)۔ اس حدیث کی تخریج صحیحین نے کی ہے۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت صہیبؓ کی روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ''الذین احسنوا الحسنیٰ و زیادة'' (یونس:۲۶)، پھر فرمایا '' جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ نے جو وعدہ کیا ہے پورا کرے گا۔ وہ وعدہ کیا ہے؟ کیا ہماری میزبان کو بھاری نہیں کیا۔ ہمارے چہروں کو سپید نہیں کیا اور ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، پھر پردہ اٹھا دیا جائے گا اور تم پروردگار کے چہرے کی طرف دیکھ سکو گے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی عطیہ نہ ہوگا کہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہیں''۔

رویت باری کی حدیث صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، یہ سب سے بڑی نعمت اور غایتِ مقصود ہے۔ ہم جس قدر بھی جنت کی نعمتوں کی ذکر کر چکے ہیں وہ سب اس کے سامنے بھلا دی جائیں گی، اہل جنت کے لیے اس بڑا اور کوئی سرور نہ ہوگا۔ ہم محبت کے بیان میں اس کے متعلق کچھ ذکر کر چکے ہیں۔ انسان کی کوشش جنت کے لیے صرف اسی کے واسطے ہونی چاہیئے ۔ رہیں باقی نعیم جنت تو ان میں بہائم بھی شریک ہیں، اچھی طرح سمجھ لو۔

خاتمۂ کتاب

وسعتِ رحمتِ الٰہی

بطور تفاؤل ہم چند حدیثیں درج کرتے ہیں جو وسعتِ الٰہی پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نیک فال کو پسند فرماتے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور وسعتِ رحمت سی امید کرتے ہیں کہ ہماری عمر کو سعادت کے ساتھ ختم فرمائے جس طرح ہم نے اس کتاب کو ایسی آیتوں اور حدیثوں سے ختم کیا ہے جو اس کی بخشش اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس سے کم کو معاف کر دیتا ہے''۔ نیز فرمایا: ''جو شخص برائی کرے گا یا اپنے نفس پر ظلم کرے گا اور پھر اللہ سے استغفار کرائے تو وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا''۔ ہم اللہ سے قلم کی لغزش سے استغفار کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، '' اللہ کی رحمت کے سو حصّے ہیں۔ ایک حصّہ اس میں سے جن و انس، بہائم اور حشرات الارض پر اتارا کہ جس کی وجہ سے وہ معاشرت اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں اور ننانوے حصوں سے وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا''۔

روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہوگا ''میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے اور میں الرحم الراحمین ہوں''۔ پھر وہ جہنّم سے اہلِ جنّت کو نکال لے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، '' اللہ، روزِ حشر ہمارے لئے مسکراتے ہوئے تجلّی کرے گا اور کہے گا اے لسلمانوں کے گروہ! خوش ہو جاؤ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ کسی یہودی یا نصرانی کو میں نے دوزخ میں نہیں ڈال دیا''۔ نیز فرمایا، ''اللہ، آدم کی قیامت کے دن، اس کی ساری ذریّت میں سے ایک کروڑ دس لاکھ کے بارے میں سفارش سنے گا''۔

حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے، ''اعلان ہوگا نار سے ہر اس شخص کو نکال دو جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا یا کبھی مجھ سے ڈرا''۔ حدیث پاک میں ہے، ''جب اہلِ نار دوزخ میں جمع ہوں گے اور اہلِ

قبلہ بھی ان لوگوں میں شامل ہوں گے تو کفار دریافت کریں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ جواب دیں گے کیوں نہیں۔ کفار کہیں گے اسلام تمہیں کوئی فائدہ نہ دے سکا کہ ہمارے ساتھ آگ میں پڑے ہو۔ اہلِ قبلہ کہیں گے ہم گناہ گار تھے اس لئے آگ میں پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ گفتگو سنے گا تو تمام اہلِ قبلہ کو نکالنے کا حکم دے گا۔ کافر یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج آگ سے نکال لئے جاتے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ

تمنا کریں گے کافر کہ وہ مسلمان ہوتے (الحجر:۲)

حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن بندے پر مہربان ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جس شخص کی نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہوں گی وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیاں اور گناہ مساوی ہوں گے اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اس کے لئے ہوگی جس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا ہوگا اور اپنی پیٹھ کو بوجھل کر لیا ہوگا۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمایا، ”تجھ سے قارون نے فریاد کی تو تُو نے نہ سنی۔ قسم ہے ہے میری عزت وجلال کی اگر مجھ سے فریاد کرتا تو میں ضرور فریاد رسی کرتا اور معاف کر دیتا“۔

حضرت صنابحیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبادہؓ بن صامت کے پاس ان کی مرض الموت کے وقت گیا تو رو پڑا۔ انہوں نے فرمایا ذرا صبر کرو۔ بخدا میں جو بھی حدیث رسولا اللہ ﷺ سے سنی جس میں تمہارا فائدہ دیکھا تو تم لوگوں سے بیان کر دی مگر ایک حدیث آج جب میری جان نکلنے والی ہے، تمہیں سنا رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرما رہے ہیں کہ جس کسی نے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلَ اللّٰه کہا، اللہ نے اس پر نار حرام کر دی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ قیامت کے دن میرے ایک اُمتی کو مخلوق کے سامنے نکالے گا۔ پھر ننانوے دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا بڑا ہو کہ جہاں تک نظر جائے گی دکھائی دے گا۔ پھر پوچھا جائے گا کیا تو ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے کاتب فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی؟ وہ کہے گا نہیں۔ پوچھا جائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے پروردگار۔ اللہ تعالیٰ کہے گا ہاں البتہ ہمارے

پاس تیری ایک نیکی ہے کیونکہ آج کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ ایک کاغذ کا ٹکڑا دکھائے گا جس پر تحریر ہوگا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلَ اللّٰه۔ اللہ تمام دفتر ایک پلڑے میں ڈالے گا اور کاغذ کا وہ ٹکڑا دوسرے پلڑے میں ڈال دے گا۔ تمام دفتر ہلکے پڑ جائیں گے اور کاغذ پر لکھا کلمہ بھاری ثابت ہوگا۔ اللہ کے نام کے مقابل کائی چیز بھاری نہ ہوگی“۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ